# ندائے منبر و محراب

جلد رابع


تالیف

محمد اسلم شیخوپوری



ناشر

مکتبہ حلیمیہ

[illegible] کراچی

# ندائے منبر و محراب

جلد رابع

تالیف

## مولانا محمد اسلم شیخوپوری

استاد جامعہ بنوریہ و ناظم شعبہ تصنیف و تالیف

جس میں قدیم و جدید موضوعات پر دس مدلل اور مفصل خطبات و مقالات شامل ہیں۔ خطباء اور لیکچررز کیلئے بے مثال تحفہ۔ عوام و خواص کے لئے یکساں مفید، آیات و احادیث، مستند حکایات و واقعات، عالمانہ نکات و اشارات کا بیش بہا خزانہ

ناشر

مکتبہ حلیمیہ

متصل جامعہ بنوریہ ○ سائٹ کراچی ۱۶

## ملنے کے پتے

کراچی : مولانا محمد اقبال نعمانی

لاہور : مکتبہ سید احمد شہید

راولپنڈی : مکتبہ رشیدیہ

ملتان : مکتبہ مجیدیہ

پشاور : یونیورسٹی بک ایجنسی

فیصل آباد : مکتبہ عارفی

گوجرانوالہ : مدینہ کتاب گھر



# اجمالی نظر





# آئینہ

# نذر

## انتساب

اے وہ کہ تو عیاں بھی ہے نہاں بھی ہے، اول بھی ہے آخر بھی ہے، ظاہر بھی ہے باطن بھی ہے، تصور سے دور بھی ہے سانس کے قریب بھی ہے سراپا جلال بھی ہے، پیکرِ جمال بھی ہے، فکر کی ابتداء بھی ہے فہم کی انتہا بھی ہے۔

اے وہ کہ تو ماہتاب کی دمک میں بھی ہے، آفتاب کی چمک میں بھی، کلیوں کی مہک میں بھی ہے، سبزے کی لہک میں بھی، بلبل کی چہک میں بھی ہے، ہیرے کی ڈلک میں بھی، ہواؤں کی سرسراہٹ میں بھی ہے ستاروں کی جگمگاہٹ میں بھی ـــــ ہر جگہ ہے مگر کہیں بھی نہیں۔

اے وہ کہ عدم سے وجود اور وجود سے عدم، نور سے ظلمت اور ظلمت سے نور، عزت سے ذلت اور ذلت سے عزت، عروج سے زوال اور زوال سے عروج کو ظاہر کرنا جس کی شانِ خلاقی کو زیبا ہے۔

اے وہ کہ جس کی ہر شان نرالی اور ہر ادا بے مثال ہے، عجز سے پاک ہے مگر عاجزی کو پسند کرتا ہے، ہر خطا سے مبرا ہے مگر خطاؤں پر اظہارِ ندامت کرنے والوں کو ردائے رحمت میں ڈھانپ لیتا ہے، مانگنے سے خوش ہوتا ہے اور نہ مانگنے سے ناراض!

اے حسنِ کائنات، اے کائناتِ حسن، اے نورِ جہاں اے جہانِ نور اک عجمی کی لکنت زدہ زباں، اِک زورِ بیاں سے قاصر گویائی، اِک لڑکھڑاتا قلم، اِک گناہوں میں آلودہ بندہ بڑی چاہت سے شکستہ پا قلم کی چند ٹیڑھی ترچھی لکیریں تیرے حضور پیش کرنا چاہتا ہے ـــــ تیری ہی عطا تیرے ہی حضور، تیری ہی دولت تجھی پہ نثار!

اے بے کسوں کے مولا! تو ان لکیروں کو شرفِ قبولیت سے نواز دے اور اپنے سیاہ کار بندے کی بینائی کو رعنائی، گویائی کو سچائی، دل کو یقین اور عقل کو جذب و جنوں عطا فرما دے

محمد اسلم شیخوپوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# حروفِ چند

قلم اپنے سفر کی چوتھی منزل عبور کر گیا ہے، یہ بات باعثِ حیرت بھی ہے اور لائقِ شکر بھی ـــــ حیرت ہے علم وعمل کی نارسائی اور کوتاہی کے باوجود اتنا کام کر لینے پر اور شکر ہے اس رحیم وکریم ذات کا جس نے اپنے ایک عاجز بندے کو چند صفحات سیاہ کرنے کی توفیق مرحمت فرمادی۔ اس کی عنایت شاملِ حال رہی تو بقیہ چھ جلدیں بھی آپ کے سامنے آجائیں گی اور اگر وہ نہ چاہے تو یہ عزائم، خیالات کے کچے گھروندے اور کمزور انسان کی تعلیاں ہیں۔

ایک درخواست قارئین کرام سے ضرور کروں گا وہ یہ کہ ان چاروں جلدوں میں اگر کوئی چیز قابلِ گرفت ہو تو بلا تکلف آگاہ فرمائیں یہ آپ کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہوگا بالخصوص اگر کوئی موضوع حدیث ان خطبات میں آگئی ہو تو آگاہی میں ہرگز تاخیر نہ کیجئے گا، اس سلسلہ میں آئندہ جلدوں میں، میں خود ہی احتیاط کروں گا مگر سابقہ جلدوں میں بھی اگر کسی ایسی چیز کے بارے میں مطلع کیا جائے تو ان کے آئندہ ایڈیشنوں میں اصلاح وترمیم کردی جائے گی۔

تفصیلی ملاقات انشاء اللہ جلدِ خامس میں ہوگی فی الوقت دعاؤں کی درخواست کے ساتھ اجازت چاہوں گا ـــــ یار زندہ صحبت باقی

محمد اسلم شیخوپوری

جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ

# سیّدنا ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبرِ حسینؓ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

---

آج بھی ہو جو ابراھیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

شاعرِ مشرق

" صورت حال یہ تھی کہ باپ بھی دشمن، قوم بھی مخالف، بادشاہِ وقت خون کا پیاسا، ہر طرف سے مخالفت اور دشمنی کے نعرے، انتقام لینے اور زندہ جلا دینے کے ارادے، کوئی دوست نہیں، کوئی حمایتی نہیں، کوئی یار و مددگار نہیں مگر حضرتِ خلیل علیہ السلام کو نہ کوئی پروا تھی نہ ہی خوف اور ڈر تھا، وہ ہر خطرے سے بے نیاز اعلانِ حق میں سرشار اور رشد و ہدایت کی دعوت میں مشغول رہے۔ بس ایک سہارا تھا جو دل کو تقویت بخشتا تھا اور حوصلوں کو جِلا دیتا تھا اور وہ تھا اللہ کی ذات کا سہارا، اس ایک سہارے کے علاوہ کوئی دوسرا سہارا نہیں تھا۔ اسی ایک سہارے کی خاطر آپ نے سارے سہارے چھوڑ دیئے تھے، اور اسی ایک کو راضی کرنے کے لیے آپ نے سب کو ناراض کر لیا تھا، اس وقت آپ پر مولانا محمد علی جوہرؔ کا یہ شعر پوری طرح صادق آتا تھا ؎

توحید تو یہ ہے خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے "

# سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام

نحمدہ ونصلی ونسلم علی سید الانبیاء والمرسلین

اما بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِیْمَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِیْنَ ۝ قَالَ هَلْ یَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۝ اَوْ یَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ یَضُرُّوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ ۝ قَالَ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الَّذِیْ

اور سُنادے ان کو خبر ابراہیم کی جب کہا اپنے باپ کو اور اس کی قوم کو تم کس کو پوجتے ہو؟ وہ بولے ہم پوجتے ہیں مورتوں کو پھر سارے دن انہی کے پاس لگے بیٹھے رہتے ہیں، کہا کچھ سنتے ہیں تمہارا کہا جب تم پکارتے ہو؟ یا کچھ بھلا کرتے ہیں تمہارا یا بُرا؟ بولے نہیں، پر ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو یہی کام کرتے۔ کہا بھلا دیکھتے ہو جن کو پوجتے رہے ہو تم اور تمہارے باپ دادے اگلے سو وہ میرے دشمن ہیں مگر جہان کا رب جس نے مجھ کو بنایا سو وہی مجھ کو راہ دکھلاتا ہے اور وہ جو مجھ کو کھلاتا

خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ○ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ○ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ○ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ○ وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ○ رَبِّ هَبْ لِیْ حُکْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ○ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ○ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ○ وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ اِنَّهٗ کَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ○ وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ○ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ○ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ○
(الشعراء: ۶۹ تا ۸۹)

ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوں تو وہی شفا دیتا ہے اور وہ جو مجھ کو مارے گا پھر جِلائے گا اور وہ جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری تقصیر انصاف کے دن۔ اے میرے رب دے مجھ کو حکم اور شامل کر مجھ کو نیکوں میں اور رکھ میرا بول سچا پچھلوں میں اور کر مجھ کو وارثوں میں نعمت کے باغ کے اور معاف کر میرے باپ کو وہ تھا راہ بھولے ہوؤں میں، اور رسوا نہ کر مجھ کو جس دن سب جی کر اٹھیں جس دن نہ کام آئے کوئی مال اور نہ بیٹے مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس لیکر دل چنگا۔

**معزز گرامی قدر حاضرین!** آج ہم سب موحدِ اعظم مشہور بُت شکن، معمارِ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر خیر سننے اور سُنانے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔

میرے بزرگو اور دوستو! دنیا میں بڑا بننے کے لئے بعض اوقات

اُلٹے سیدھے داؤ پیچ بھی چل جاتے ہیں، سفارش سے نکموں کو بڑے بڑے عہدے مل جاتے ہیں، نقل اور پیسے سے جاہلوں کو اعلیٰ ڈگریاں مل جاتی ہیں، دھاندلی اور فراڈ سے قانون ساز اداروں تک کی رکنیت حاصل ہو جاتی ہے۔
مگر یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا بننے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے ان میں سے کوئی حربہ بھی کام نہیں آتا۔ وہ جسے اپنا مقرب اور محبوب بناتا ہے اسے سخت آزمائشوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ اسلامی روایات بتلاتی ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کا جتنا پیارا اور محبوب ہوتا ہے اس کا امتحان اتنا ہی سخت ہوتا ہے اللہ تعالٰے کے ہاں صرف زبانی دعوے نہیں چلتے بلکہ ٹھوک بجا کر دیکھا جاتا ہے، بار بار آزمایا جاتا ہے، پرکھا جاتا ہے کہ یہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے یا ایسے ہی زبانی کلامی تاج محل تعمیر کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ○ | کیا یہ سمجھتے ہیں لوگ کہ چھوٹ جائیں گے اتنا کہہ کر کہ ہم یقین لائے اور ان کو جانچ نہ لیں گے۔ |
| العنکبوت : ۲ | |

اور یہ سلسلہ آج سے نہیں بلکہ ہر دور میں یہ دستور رہا ہے کہ جس کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا اور مخلص ہونے کا دعویٰ کیا ہے اسے آزمائشوں سے گذرنا پڑا۔

| | |
|---|---|
| وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ○ | اور ہم نے جانچا ہے اُن کو جو اُن سے پہلے تھے سو البتہ معلوم کرے گا اللہ جو لوگ سچے ہیں اور البتہ معلوم کریگا جھوٹوں کو۔ |
| العنکبوت : ۳ | |

**ایک سوال** | یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب

ہے وہ علیم بذات الصدور ہے، سینے کی گہرائیوں میں پرورش پانے والے خیالات تک سے واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کون کھرا ہے، کون کھوٹا ہے کون سچا ہے، کون جھوٹا ہے، کون منافق ہے، کون مکّار ہے اور کون مخلص اور وفادار ہے، کون باتوں کا کھلاڑی ہے اور کون صاحبِ ایثار ہے پھر اسے امتحان لینے کی کیا ضرورت ہے۔ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ امتحان دو وجہ سے ہوتا ہے۔ کبھی یہ دیکھنے کے لئے کہ اس میں مطلوبہ صلاحیت ہے یا نہیں اور کبھی دوسروں کو بتانے کے لئے اور دکھانے کے لئے کہ جس کا امتحان لیا جارہا ہے وہ کیسے کیسے کمالات اور صفات کا حامل ہے۔ جیسے والد اپنے ہونہار فرزند یا استاد اپنے ذہین شاگرد سے دوسروں کے سامنے مشکل سے مشکل سوال کرتا ہے۔ لیکن ان سوالات سے اس کا مقصد اسے رسوا کرنا یا اس کی صلاحیت کو آزمانا نہیں ہوتا کیونکہ اس کی صلاحیتوں سے تو وہ پہلے ہی واقف ہوتا ہے اس کا نقص اور کمال اور اس کی خوبی اور برائی اس کے سامنے ہوتی ہے بلکہ اس کا مقصدِ اصلی اس کی ذہانت اور کمالات کا اظہار ہوتا ہے۔ اور وہ دوسروں کو بتانا چاہتا ہے کہ میں اپنے اس بچے اور شاگرد سے محبت کرتا ہوں تو اس لئے کہ یہ واقعی محبت کا مستحق ہے۔

بلا تشبیہ ربِّ کریم جب اپنے کسی بندے کو عظمت و رفعت اور محبوبیت عطا کرنا چاہتا ہے تو اسے ایسی آزمائشوں سے دوچار کرتا ہے کہ دوسروں کے جسم پر ان کے تصوّر سے کپکپی طاری ہو جائے۔ جب وہ بندہ آزمائشوں میں ثابت قدم رہتا ہے تو دنیا والے جان لیتے ہیں کہ وہ واقعی محبوبیت کا مستحق اور خصوصی تقرب کے قابل ہے۔

اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا، انہیں

دنیا کی امامت و قیادت کے منصب عظیم پر فائز کیا، چار دانگ عالم میں انہیں لازوال شہرت عطا کی تو کسی کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ آخر حضرت ابراھیم علیہ السلام میں وہ کون سی خصوصیات پائی جاتی تھیں جن کی وجہ سے وہ عزت وعظمت کی بلندیوں کے مستحق ٹھہرے اس لئے ربِ کریم نے ان آزمائشوں کو تفصیل سے ذکر فرمایا، جن سے موحّدِ اعظم دوچار ہوئے، کہیں اہلِ خاندان سے ٹکراؤ، کہیں اربابِ اقتدار سے ٹکراؤ، کہیں بیوی بچوں کی محبت سے ٹکراؤ لیکن ان میں سے کسی ٹکراؤ میں ان کے قدم نہیں ڈگمگاتے اور وہ ہر امتحان و ابتلاء میں سرخرو ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان امتحانوں میں کامیابی کی لازوال شہادت اپنے کلام مقدس میں بھی دی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

| | |
|---|---|
| وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ | اور جب آزمایا ابراھیم علیہ السلام کو اس کے رب نے چند کلمات کے ساتھ سو پورا کر دیا ان کلمات کو ابراھیم علیہ السلام نے۔ |

میں آپ حضرات کے سامنے ان آزمائشوں کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی ہر قسم کے امتحانوں میں سُرخرو ہونے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

## پہلا امتحان

حضرت ابراھیم علیہ السلام کو سب سے پہلا امتحان یہ پیش آیا کہ آپ علیہ السلام نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی اس گھرانے کا سربراہ یعنی آپ علیہ السلام کا والد آذر بُت پرست ہی نہیں بُت ساز اور بت فروش بھی تھا۔ انسان کے لئے خاندانی روایات سے بغاوت کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے، بے شمار افراد کی گمراہی کا بڑا سبب ہی یہ بنتا رہا ہے کہ وہ آباء و اجداد کی روایتوں سے بغاوت نہ کر سکتے تھے اور

ان کی تقلید کو اپنا قومی اور خاندانی فرض تصور کرتے تھے اسی قسم کی آباء پرستی کو قرآن مجید نے جہالت اور کم عقلی کا نتیجہ بتلایا ہے

مگر حضرت ابراھیم علیہ السلام نے باپ کے احترام کا خیال رکھتے ہوئے پوری جرأت کے ساتھ اس پر اس کی غلطی کو واضح کر دیا۔ چنانچہ سورۂ مریم میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا

| | |
|---|---|
| وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ○ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِىْ عَنْكَ شَيْئًا | اور مذکور کر کتاب میں ابراھیم کا بیشک تھا وہ سچا نبی، جب کہا اپنے باپ کو اے میرے باپ کیوں پوجتا ہے اس کو جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ کام آئے تیرے کچھ ۔ |

(مریم : )

یہ بے جان بت جو نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں نہ نفع نقصان دے سکتے ہیں آپ ان کی پیروی کیوں کرتے ہیں، ان کی بے چارگی کا تو یہ عالم ہے کہ خود یہ اٹھانے یا بٹھانے اور رکھنے کے محتاج ہیں ۔ اے میرے ابا آپ نے معرفت الٰہی کے لئے جس راستہ کا انتخاب کیا ہے وہ راستہ سراسر باطل اور غلط ہے، آپ اس راستہ کو چھوڑ کر میری اتباع کریں، توحید ہی سرچشمۂ نجات ہے نہ کہ ہاتھ کے بنائے ہوئے ان بتوں کی عبادت اور پرستش ۔ آپ میری اتباع کریں گے تو میں آپ کو ہدایت اور نجات کے راستہ پر لگا دوں گا ۔ اور میری اتباع اس لئے ضروری ہے کہ میرے پاس وہ علم ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے، آپ کے پاس دنیا کمانے کا علم ہوگا، سنگ تراشی کا علم ہوگا، دوسرے علوم ہوں گے مگر وحی کا علم میرے پاس ہے، معرفت اور ہدایت کا علم میرے پاس ہے، اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا علم میرے پاس ہے ۔

| | |
|---|---|
| يَآاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَالَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّاه يَآاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ط اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّاه | اے باپ میرے مجھ کو آئی ہے خبر ایک چیز کی جو تجھ کو نہیں آئی، سو میری راہ چل دکھلا دوں تجھ کو راہ سیدھی۔ اے میرے باپ مت پوج شیطان کو بیشک شیطان ہے رحمٰن کا نافرمان۔ |

(مریم: ۴۴)

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دینی علم اگر چھوٹے کے پاس ہو تو بڑے کو جو عمر کے اعتبار سے یا مال کے اعتبار سے بڑا ہو جو کہ جاہل ہو اس کی مثال اندھے کی سی ہے اور چھوٹے کی مثال آنکھوں والے کی سی ہے۔ نابینا اگر بینا کی اتباع کرنے میں عار محسوس کرے گا تو کھڈے میں جا گرے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واضح طور پر بتلا دیا کہ آپ نے اگر میری اتباع نہ کی تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے آپ کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔

| | |
|---|---|
| يَآاَبَتِ اِنِّيْ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّاه | اے باپ میرے میں ڈرتا ہوں کہیں آ لگے تجھ کو ایک آفت رحمٰن سے پھر تو ہو جائے شیطان کا ساتھی۔ |

(مریم: ۴۵)

قرآن کی فصاحت پر قربان جائیے، قرآن مجید نے عَذَابٌ مِّنَ الْقَهَّار یا عَذَابٌ مِّنَ الْجَبَّار کی ترکیب استعمال نہیں کی حالانکہ جہاں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانا مقصود ہو وہاں پر اس کی جباریت اور قہاریت ہی کو ذکر کرنا چاہیئے تھا لیکن قرآن مجید عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ کے الفاظ سے یہ بتلانا چاہتا

ہے کہ وہ رحمٰن ہے وہ کسی کو عذاب میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا وہ تو یہ چاہتا ہے کہ ساری مخلوق اس کے ناقابلِ برداشت عذاب سے بچ جائے مگر جب کوئی بدبخت شرک اور بُت پرستی کی راہ اختیار کر کے اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنا لیتا ہے تو اس ذات کے رحمٰن ہونے کے باوجود اس کے عذاب سے بچ نہیں پائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس مخلصانہ فہمائش کے جواب میں آزر نے بڑے سخت الفاظ میں دھمکی دی

| | |
|---|---|
| قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ | وہ بولا کیا تو پھرا ہوا ہے میرے معبودوں سے |
| يٰاِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ | اے ابراہیم، اگر تو باز نہ آئے گا تو تجھ کو |
| لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ | سنگسار کروں گا اور دُور ہو جا میرے پاس |
| (مریم : ۴۶) | سے ایک مدت |

حضرت خلیل علیہ السلام نے دھمکی کا جواب دھمکی سے نہ دیا بلکہ بڑی نرمی کے ساتھ جواب دیا

| | |
|---|---|
| قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ | کہا تیری سلامتی رہے، میں گناہ بخشواؤں گا |
| لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ | تیرا اپنے رب سے بیشک وہ ہے مجھ پر مہربان |
| وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ | اور چھوڑتا ہوں تجھ کو اور جن کو تم پوجتے ہو |
| مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰٓى | اللہ کے سوا اور میں بندگی کروں گا اپنے رب |
| اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَاۗءِ رَبِّيْ شَقِيًّا | کی، امید ہے کہ نہ رہوں گا اپنے رب کی بندگی |
| (مریم : ۴۷ - ۴۸) | کر کر محروم۔ |

اے باپ اگر میری بات کا یہی جواب ہے تو آج سے میرا تیرا اسلام ہے۔ میں خدا کے سچے دین اور اس کے پیغام حق کو چھوڑ نہیں سکتا اور کسی حال میں بتوں کی پرستش نہیں کر سکتا میں آج سے تجھ سے جدا ہوتا ہوں مگر غائبانہ تیرے لئے درگاہ الٰہی میں بخشش طلب کرتا رہوں گا تاکہ تجھ کو ہدایت نصیب ہو اور تو خدا کے عذاب

سے نجات پائے۔

**دوسرا امتحان** موحد اعظم کے سامنے دوسری بڑی آزمائش یہ تھی کہ پوری قوم بھی شرک اور بت پرستی مبتلا تھی۔ آپ علیہ السلام نے توحید کی دعوت کا آغاز تو گھر سے کیا کیونکہ دعوت کا طریقہ ہی یہ ہے کہ اس کی ابتداء خود اپنے گھر سے کی جائے ایسا داعی اللہ تعالیٰ کو محبوب نہیں ہو سکتا جو ساری دنیا میں خیر کی دعوت دیتا پھرے اور اپنے گھر میں اپنے اہل خانہ کو نظر انداز کر دے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعوت کا آغاز قریش سے کیا تھا حضرت خلیل علیہ السلام نے باپ کے سامنے توحید کی دعوت کو پیش کیا مگر مسلسل شرک کی وجہ سے اس کی عقل ماؤف ہو چکی تھی۔ آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ بڑے میاں کو شرک فوبیا ہو گیا تھا۔ اور جس شخص کو یہ مرض لاحق ہو جائے اور اس کی جڑیں گہری اور مضبوط ہو جائیں تو یہ مشکل ہی سے جان چھوڑتا ہے آپ اسے روح کا کینسر بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر عام کینسر ہو یا بلڈ کینسر ممکن ہے کہ ڈاکٹرز اس کا حتمی علاج دریافت کر لیں مگر شرک کے کینسر کا علاج لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے اقرار کے سوا کوئی نہیں۔ لیکن اگر زندگی میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا اقرار نہ کیا ہو تو موت کے بعد تو بہر حال کوئی نسخہ کارگر نہ ہوگا۔ نہ کسی بڑے کی سفارش نہ اونچا حسب نسب، نہ مال و دولت، کوئی چیز کام نہ آئے گی۔

جب آزر نے آپ علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور سنگسار کرنے کی دھمکی دی تو آپ نے اپنی قوم کو خطاب کیا۔ قرآن مجید اس خطاب کو یوں بیان کرتا ہے

| | |
|---|---|
| وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ | اور بلاشبہ ہم نے ابراہیم کو اول ہی سے |
| وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ | رشد و ہدایت عطا کی تھی اور ہم اس کے |
| وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ | معاملے کو جاننے والے تھے جب اس نے |

الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

( الانبیاء : )

اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ مجسمے کیا ہیں جن کو تم لئے بیٹھے ہو کہنے لگے ہم نے اپنے باپ دادا کو ان ہی کی پوجا کرتے ہوئے پایا ہے۔ ابراہیم نے کہا بلاشبہ تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں ہیں ۔ انہوں نے جواب دیا کیا تو ہمارے لئے کوئی حق لایا ہے یا یوں ہی مذاق کرنے والوں کی طرح یہ کہتا ہے ، ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ یہ بت تمہارے رب نہیں ہیں بلکہ تمہارا پروردگار زمینوں اور آسمانوں کا پروردگار ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے اور میں اس کا قائل ہوں ۔

**اعلان جنگ** حضرت ابراھیم علیہ السلام نے شرک کی تردید اور توحید کی تائید میں مختلف دلائل پیش کئے مگر قوم کی سمجھ میں بات نہ آئی اور وہ اصنام پرستی اور کواکب پرستی چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئی تو حضرت ابراھیم علیہ السلام نے ایک دن جمہور کے سامنے اعلانِ جنگ کر دیا کہ میں تمہارے ان بتوں کے متعلق ایک ایسی چال چلوں گا جو تم کو زچ کر دے گی ۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ الانبیاء : ۵۰

اور قسم اللہ کی میں علاج کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم جا چکو گے پیٹھ پھیر کر ۔

اس معاملہ سے متعلق اصل صورت حال یہ ہے کہ جب ابراھیم علیہ السلام نے آزر اور قوم کے جمہور کو ہر طرح بت پرستی کے معائب ظاہر کر کے اس سے باز

رکھنے کی سعی کرلی اور ہر قسم کے پند ونصائح کے ذریعہ ان کو یہ باور کرانے میں قوت صرف کردی کہ یہ بت نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان اور یہ کہ تمہارے کاہنوں اور پیشواؤں نے ان کے متعلق تمہارے دلوں میں غلط خوف بٹھا دیا ہے کہ اگر ان سے منکر ہو جاؤ گے تو یہ غضب ناک ہو کر تم کو تباہ کر ڈالیں گے۔ یہ تو اپنی آئی ہوئی مصیبت کو بھی نہیں ٹال سکتے مگر آزر اور قوم کے دلوں پر مطلق اثر نہ ہوا اور وہ اپنے دیوتاؤں کی خدائی قوت کے عقیدہ سے کسی طرح باز نہ آئے بلکہ کاہنوں اور سرداروں نے ان کو اور زیادہ پختہ کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت پر کان دھرنے سے سختی سے روک دیا۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ سوچا کہ اب مجھ کو رشد وہدایت کا ایسا راست پہلو اختیار کرنا چاہیئے جس سے جمہور کو یہ مشاہدہ ہو جائے کہ واقعی ہمارے دیوتا صرف لکڑیوں اور پتھروں کی مورتیاں ہیں جو گونگی بھی ہیں بہری بھی ہیں اندھی بھی ہیں۔ اور دلوں میں یہ یقین راسخ ہو جائے کہ اب تک ان کے متعلق ہمارے کاہنوں اور سرداروں نے جو کچھ کہا تھا وہ بالکل غلط اور بے سروپا بات تھی اور ابراہیم علیہ السلام کی بات سچی ہے۔ یہ سوچ کر انھوں نے ایک نظام عمل تیار کیا جس کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا اور اس کی ابتداء اس طرح کی کہ باتوں باتوں میں اپنی قوم کے افراد سے یہ کہہ گذرے کہ اگر تمہارے دیوتاؤں میں کچھ قدرت ہے جیسا کہ تم دعویٰ کرتے ہو تو میری چال کو باطل اور مجھ کو مجبور کر دیں کہ میں ایسا نہ کر سکوں مگر چونکہ بات صاف نہ تھی اس لئے قوم نے اس طرف توجہ نہ کی حُسنِ اتفاق کہ قریب ہی زمانے میں قوم میں ایک مذہبی میلہ پیش آگیا اس مذہبی میلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کچھ لوگوں نے ساتھ چلنے کے لئے اصرار کیا۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اول تو انکار فرمایا اور جب اس جانب سے اصرار بڑھنے لگا تو ستاروں کی جانب نگاہ اٹھائی

اور فرمانے لگے کہ اِنِّی سَقِیم آج میں کچھ علیل ہوں ۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کوکوکب پرستی کی وجہ سے ستاروں میں کمال اور اعتقاد بھی حاصل تھا اسلئے اپنے عقیدہ کے لحاظ سے وہ یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کسی نحس ستارے کے اثرِ بد میں مبتلا ہیں اور یہ سوچ کر بغیر کسی تشریح حال ابراہیم علیہ السلام کو چھوڑ کر میلہ میں چلے گئے ۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِی النُّجُوْمِ ۝ فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ ۝ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِیْنَ (الصافات : ۸۸ تا ۹۰)

پس ابراہیم علیہ السلام نے ایک نگاہ ستاروں کی جانب اٹھا کر دیکھی اور کہنے لگے کہ میں کچھ بیمار ہوں پس وہ اس کو چھوڑ کر چلے گئے ۔

اب جبکہ ساری قوم، بادشاہ، کاہن اور مذہبی پیشوا مذہبی میلے میں مصروف اور شراب و کباب میں مشغول ہو گئے تو ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ وقت آگیا ہے کہ اپنے نظام عمل کی تکمیل کروں اور مشاہدہ کی صورت میں جمہور پر واضح کر دوں کہ ان کے دیوتاؤں کی حقیقت کیا ہے ۔ وہ اُٹھے اور سب سے بڑے دیوتا کے ہیکل (مندر) میں پہنچے ، دیکھا تو وہاں دیوتاؤں کے سامنے قسم قسم کے حلووں، پھلوں، میووں اور مٹھائی کے چڑھاوے رکھے تھے ۔ ابراہیم علیہ السلام نے طنزیہ لہجے میں چپکے چپکے ان مورتیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ سب کچھ موجود ہے کھاتے کیوں نہیں ہو ؟ اور پھر کہنے لگے کہ میں کلام کرتا ہوں کیا بات ہے کہ تم بات نہیں کرتے ؟ اور پھر ان سب کو توڑ پھوڑ ڈالا، اور سب سے بڑے بُت کے کاندھے پر تبر رکھ کر چلے گئے ۔

فَرَاغَ اِلٰٓی اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ

پھر چپکے سے جا گھسا ان کے بتوں میں اور کہنے لگا (ابراہیم) ان کے دیوتاؤں سے)

لَا تَنْطِقُوْنَ ○ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ○ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ

الصّٰفّٰت : ۵۴

یہ کیوں نہیں کھاتے۔ تم کو کیا ہو گیا کیوں نہیں بولتے، پھر اپنے دائیں ہاتھ سے ان سب کو توڑ ڈالا پس کر دیا ان کو ٹکڑے ٹکڑے مگر ان میں سے بڑے دیوتا کو چھوڑ دیا تاکہ (اپنے عقیدہ کے مطابق) وہ اس کی طرف رجوع کریں کہ یہ کیا ہو گیا۔

جب لوگ میلے سے واپس آئے تو ہیکل (مندر) میں بتوں کا یہ حال پایا سخت برہم ہوئے اور ایک دوسرے سے دریافت کرنے لگے کہ یہ کیا ہو گیا کس نے کیا، ان میں وہ بھی تھے جن کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ کہہ چکے تھے۔ انہوں نے فوراً کہا کہ یہ اس شخص کا کام ہے جس کا نام ابراھیم (علیہ السلام) ہے، یہ دیوتاؤں کا دشمن ہے۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗ اِبْرٰهِيْمُ۔

الانبیاء : ۵۹ تا ۶۰

وہ کہنے لگے یہ معاملہ ہمارے خداؤں کے ساتھ کس نے کیا ہے بلاشبہ وہ ضرور ظالم ہے (ان میں سے بعض) کہنے لگے ہم نے ایک جوان کی زبان سے ان بتوں کا (برائی کے ساتھ) ذکر سنا ہے اس کو ابراہیم کہتے ہیں۔ یعنی یہ اس کا کام ہے۔

کاہنوں اور سرداروں نے جب یہ سنا تو غم و غصہ سے سرخ ہو گئے اور کہنے لگے اس کو مجمع کے سامنے پکڑ کر لاؤ تاکہ سب دیکھیں کہ مجرم کون شخص ہے۔ ابراہیم علیہ السلام سامنے لائے گئے تو بڑے رعب داب سے انہوں نے پوچھا کہ کیوں ابراہیم تو نے ہمارے دیوتاؤں کے ساتھ یہ سب کچھ کیا ہے؟

ابراھیم علیہ السلام نے دیکھا کہ اب وہ بہترین موقعہ آگیا ہے جس کے لئے میں نے یہ تدبیر اختیار کی۔ مجمع موجود ہے جمہور دیکھ رہے ہیں کہ ان کے دیوتاؤں کے ساتھ کیا حشر ہوگیا اس لئے اب کاہنوں اور مذہبی پیشواؤں کی جمہور کی موجوگی میں ان کے باطل عقیدہ پر نادم کر دینے کا وقت ہے تاکہ عوام کو معلوم ہو جائے کہ آج تک ان دیوتاؤں کے متعلق جو کچھ ہم سے کاہنوں اور پجاریوں نے کہا تھا یہ سب ان کا مکر و فریب تھا، مجھے ان سے کہنا چاہیئے کہ یہ کارروائی اس بڑے بُت کی ہے، اس سے بات کرو لا محالہ یہی جواب دیں گے کہ بھلا بُت بھی بات کرتے ہیں تب میرا مطلب حاصل ہے اور پھر میں ان کے عقیدے کے پول جمہور کے سامنے کھول کر صحیح عقیدے کی تلقین کر سکوں گا اور بتاؤں گا کہ کس طرح وہ باطل عقیدے اور گمراہی میں مبتلا ہیں۔ اس وقت ان کاہنوں اور پجاریوں کے پاس ندامت کے سوا کیا ہوگا اس لئے حضرت ابراھیم علیہ السلام نے جواب دیا:

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَاسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ○ (الانبیاء: ۶۳)

ابراھیم نے کہا بلکہ ان میں سے اس بڑے بت نے یہ کیا ہے پس اگر یہ (تمہارے دیوتا) بولتے ہوں تو ان سے دریافت کر لو۔

ابراھیم علیہ السلام کی اس یقینی حجت اور دلیل کا کاہنوں اور پجاریوں کے پاس کیا جواب ہو سکتا تھا، وہ ندامت میں غرق تھے، دلوں میں ذلیل اور رسوا تھے اور سوچتے تھے کہ کیا جواب دیں۔

جمہور بھی آج سب کچھ جان گئے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھ لیا جس کے لئے وہ تیار نہ تھے اور بالآخر چھوٹے اور بڑے سبھی کو دل میں اقرار کرنا پڑا کہ ابراھیم علیہ السلام ظالم نہیں ہے بلکہ ظالم ہم خود ہیں کہ ایسے بے دلیل اور باطل عقیدہ پر یقین رکھتے ہیں۔ تب نہایت شرمساری کے ساتھ سرنگوں

ہوکر کہنے لگے :

ابراھیم توخوب جانتا ہے کہ ان دیوتاؤں میں بولنے کی سکت نہیں ہے یہ تو بے جان مورتیاں ہیں۔

| | |
|---|---|
| فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ۝ | پس انھوں نے جی میں سوچا پھر کہنے لگے بیشک تم ہی ظالم ہو بعدازاں اپنے سروں کو نیچے جھکا کر کہنے لگے کہ اے ابراہیم توخوب جانتا ہے کہ یہ بولنے والے نہیں ہیں۔ |

اس طرح حضرت ابراھیم علیہ السلام کی حجت اور دلیل کامیاب ہوئی اور دشمنوں نے اعتراف کرلیا کہ ظالم ہم ہی ہیں اوران کو جمہور کے سامنے اقرار کرنا پڑا کہ ہمارے یہ دیوتا جواب دینے اور بولنے کی طاقت نہیں رکھتے چہ جائیکہ نفع و نقصان کے مالک ہوں۔ تو اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مختصر مگر جامع الفاظ میں ان کو نصیحت بھی کی اور ملامت بھی کی اور بتایا کہ یہ دیوتا نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان تو پھر یہ خدا اور معبود کیسے ہوسکتے ہیں، افسوس تم اتنا بھی نہیں جانتے یا عقل سے کام نہیں لیتے۔ فرمانے لگے :

| | |
|---|---|
| اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (الانبیاء ع۵) | کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی پوجا کرتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان دے سکتے ہیں، تم پر افسوس ہے اور تمہارے ان معبودانِ باطل پر بھی جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہو، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ |

فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ۝ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝
(صافات: ع ۳)

پس وہ ھلہ کر کے ابراہیم علیہ السلام کے گرد جمع ہو گئے۔ پیغمبر علیہ السلام نے کہا کہ کیا جن بتوں کو ہاتھ سے گھڑتے ہو انہیں کو پھر پوجتے ہو اور اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تم کو پیدا کیا ہے اور ان کو بھی جن کے کو تم کرتے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس نصیحت و موعظت کا اثر یہ ہونا چاہئے تھا کہ تمام قوم اپنے باطل عقیدے سے تائب ہو کر ملتِ حنیفی کو اختیار کر لیتی اور کجروی چھوڑ کر راہِ مستقیم پر گامزن ہو جاتی لیکن دلوں کی کجی اور نفوس کی سرکشی و تمرّد، اور باطنی خبث و دنائت نے اس جانب نہ آنے دیا، اس کے برعکس ان سب نے ابراہیم علیہ السلام کی عداوت اور دشمنی کا نعرہ بلند کر دیا۔ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہمارے خداؤں پر مشکل وقت آن پڑا ہے، ہم پر لازم ہے کہ ہم اس کٹھن گھڑی میں ان کی مدد کریں۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ (الانبیاء: ۶۸)

بولے اس کو جلاؤ اور مدد کرو اپنے معبودوں کی اگر کچھ کرتے ہو

یہ بھی عجیب بات ہے کہ حقیقت میں تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے مگر یہاں صورت حال یہ تھی کہ بندے ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ تم اپنے خداؤں کی مدد کرو۔ پھر یہ بات بھی ان کے جھوٹے خداؤں کے ماننے والوں کے لئے باعث شرم بھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اکیلے تھے اور ان کا مندر بھرا ہوا تھا مختلف سائز اور مختلف ماڈلز کے دیوتا رکھے ہوئے تھے مگر سب ملکر بھی آپ علیہ السلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ یہ ساری باتیں وہ سمجھتے تھے مگر شرک فوبیا کی وجہ سے انہوں نے

حقائق کو تسلیم کرنے کے بجائے انہوں نے اس مسئلے کو اپنی ناک اور انا کا مسئلہ بنا لیا اور آپ کو زندہ جلا ڈالنے کا منصوبہ بنانے لگے۔

**تیسرا امتحان** قوم سے تو ٹکراؤ ہو ہی رہا تھا مگر اس تازہ واقعہ کی خبر بادشاہ کے کان میں بھی پڑ گئی اس زمانے میں عراق کے بادشاہ کا لقب نمرود ہوتا تھا اور یہ رعایا کے صرف بادشاہ ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ خود کو ان کا رب اور مالک جانتے تھے اور رعایا بھی اس کو دوسرے دیوتاؤں کی طرح اس کو اپنا خدا اور معبود مانتی تھی اور اس کی اس طرح پرستش کرتی تھی جس طرح دیوتاؤں کی، بلکہ ان سے بھی زیادہ پاس و ادب کے ساتھ پیش آتی تھی اس لئے کہ وہ صاحبِ عقل و شعور ہوتا تھا اور مالکِ تخت و تاج بھی۔

نمرود کو جب یہ معلوم ہوا تو آپے سے باہر ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اس شخص کی پیغمبرانہ تبلیغ و دعوت کی سرگرمیاں اگر اسی طرح جاری رہیں تو یہ میری ربوبیت، الوہیت اور ملوکیت سے بھی رعایا کو برگشتہ کر دے گا اور اس طرح باپ دادا کے مذہب کے ساتھ ساتھ میری یہ سلطنت بھی زوال میں آجائے گی اس لئے اس فتنہ کا ابتداء میں خاتمہ کر دیا جائے۔ یہ سوچ کر اس نے حکم دیا کہ ابراھیم کو ہمارے حوالہ کرو۔ ابراھیم علیہ السلام جب نمرود کے دربار میں پہنچے تو نمرود نے گفتگو شروع کی اور ابراہیم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ تو باپ دادا کے دین کی مخالفت کس لئے کرتا ہے اور مجھ کو رب ماننے سے انکار کس لئے کرتا ہے۔ ابراھیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں خدائے واحد کا پرستار ہوں، اس کے علاوہ کسی کو اس کا شریک نہیں مانتا۔ ساری کائنات اور تمام عالم اسی کی مخلوق ہے اور وہی ان سب کا خالق و مالک ہے تو بھی اس طرح ایک انسان ہے جس طرح ہم سب انسان ہیں پھر تو کس طرح رب یا خدا ہو سکتا ہے اور کس طرح یہ گونگے بہرے لکڑی کے بت خدا ہو سکتے ہیں، میں صحیح راہ پر ہوں اور تم

سب غلط راہ پر ہو۔ اس لئے میں تبلیغِ حق کو کس طرح چھوڑ سکتا ہوں اور تمہارے باپ دادا کے خود ساختہ دین کو کیسے اختیار کر سکتا ہوں۔ نمرود نے ابراہیم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اگر میرے علاوہ تیرا کوئی رب ہے تو اس کا ایسا وصف بیان کر کہ جس کی قدرت مجھ میں نہ ہو، تب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میرا رب وہ ہے جس کے قبضہ میں موت وحیات ہے وہی موت دیتا ہے وہی زندگی بخشتا ہے۔ کج فہم نمرود موت وحیات کی حقیقت سے ناآشنا نمرود کہنے لگا اس طرح موت وحیات تو میرے قبضہ میں بھی ہے اور یہ کہہ کر اسی وقت ایک بے قصور شخص کے متعلق جلاد کو حکم دیا کہ اس کی گردن مار دو اور موت کے گھاٹ اتار دو جلاد نے فوراً حکم کی تعمیل کر دی اور ایک قتل کے سزا یافتہ مجرم کو جیل سے بلا کر حکم دیا کہ جاؤ ہم نے تمہاری جان بخش دی اور پھر ابراہیم علیہ السلام کی جانب متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ دیکھا میں بھی کس طرح زندگی بخشتا اور موت دے دیتا ہوں۔ پھر تیرے خدا کی خصوصیت کیا رہی ابراہیم علیہ السلام جان گئے کہ نمرود موت وحیات کی حقیقت سے ناآشنا ہے یا جمہور اور رعایا کو مغالطہ دینا چاہتا ہے تاکہ وہ اس فرق کو نہ جان سکیں کہ زندگی بخشنا اس کا نام نہیں ہے بلکہ نیست سے ہست کرنے کا نام زندگی بخشنا ہے اور اسی طرح کسی کو قتل یا پھانسی سے بچا لینا موت کا مالک ہونا نہیں ہے۔ موت کا مالک وہی ہے جو روح انسان کو اس کے جسم سے نکال کر اپنے قبضے میں کر لیتا ہے۔ اس لئے بہت سے دار رسیدہ اور شمشیر چشیدہ انسان زندگی پا جاتے ہیں۔ اور بہت سے قتل ودار سے بچے ہوئے انسان لقمۂ اجل بن جاتے ہیں اور کوئی طاقت ان کو روک نہیں سکتی اور اگر ایسا ہو سکتا تو ابراہیم سے گفتگو کرنے والا نمرود سر برآرائے سلطنت نہ ہوتا بلکہ اس کے خاندان کا اول شخص ہی آج بھی اس تاج وتخت کا مالک ہوتا۔ مگر نہ معلوم کہ عراق کی سلطنت کے کتنے مدعی زیرِ زمین دفن ہو گئے اور ابھی کتنوں

کی باری ہے تاہم ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ اگر میں نے اس موقع پر موت وحیات کے دقیق فلسفہ پر بحث شروع کر دی تو نمرود کا مقصد پورا ہو جائیگا اور جمہور کو مغالطے میں ڈال کر اصل معاملہ کو الجھا دے گا اور اس طرح میرا ایک مقصد پورا نہ ہو سکے گا اور تبلیغِ حق کے سلسلے میں سرِ محفل نمرود کو لاجواب کرنے کا موقع ہاتھ سے جاتا رہے گا کیونکہ بحث ومباحثہ اور جدل ومناظرہ میرا اصل مقصد نہیں ہے بلکہ لوگوں کے دماغ وقلب میں خدائے واحد کا یقین پیدا کرنا میرا مقصدِ وحید ہے اس لئے انہوں نے اس دلیل کو نظرانداز کر کے سمجھانے کا ایک دوسرا پیرایہ اختیار کیا اور ایسی دلیل پیش کی جس کا صبح وشام ہر شخص مشاہدہ کرتا اور بغیر کسی منطقی دلیل روز وشب کی زندگی میں اس سے دوچار ہوتا رہتا ہے ۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس ہستی کو اللہ کہتا ہوں جو روزانہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے اور مغرب کی جانب لے جاتا ہے پس اگر تو بھی اس طرح خدائی کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے خلاف سورج کو مغرب سے نکال اور مشرق میں چھپا ۔ اس پر نمرود مبہوت اور لاجواب ہو کر رہ گیا اور اس طرح ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے نمرود پر خدا کی حجت پوری ہوئی ۔

### مبہوت ہونے کی وجہ

اس دلیل کے جواب میں نمرود کے مبہوت ہونے کی وجہ یہ تھی کہ یہ دلیل دو اور دو چار کی طرح بالکل واضح تھی اور اس میں کسی قسم کے مغالطے کی گنجائش نہ تھی اس لئے کہ اس دلیل کا حاصل یہ تھا کہ میں ایسی ہستی کو اللہ مانتا ہوں جو تمام کائنات اور کائنات کے نظام کا خالق ومالک ہے ، اس کے نظام کی مقرر کردہ کوئی چیز ذرہ برابر ادھر ادھر نہیں ہو سکتی ۔ سورج کا طلوع وغروب بھی اسی طے شدہ نظام کا ایک حصہ ہے ۔ اور سورج اس نظام سے ہٹ نہیں سکتا ۔ اگر تم خدائی کے

دعویدار ہو تو سورج کو اس نظام سے ہٹا کر دکھا دو لیکن نمرود جانتا تھا کہ میں یہ نہیں کرسکتا اس لئے وہ خائب و خاسر ہو کر خاموش ہو گیا کہ مشرق سے آفتاب کو میں طلوع کرتا ہوں تم اپنے اللہ تعالیٰ سے کہو کہ وہ اسے مغرب سے طلوع کر دے مگر اس نے ایسا نہیں کیا اس لئے کہ وہ یہ تو جانتا تھا کہ طلوع و غروب کرنا میرا کام نہیں ہے، میرے ہاتھ میں نہیں بلکہ کسی دوسری ہستی کے ہاتھ میں ہے اور اگر اس ہستی نے ایسا کر دیا تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہونگا۔ قرآن نے اس سرگذشت کو یوں بیان کیا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَاۗجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

(البقرہ: ۲۵۸)

کیا تو نے نہیں دیکھا اس شخص کا واقعہ جس کو اللہ تعالیٰ نے بادشاہت بخشی اس نے کس طرح ابراہیم سے اس کے پروردگار کے بارے میں مناظرہ کیا جب کہا ابراہیم نے میرا پروردگار زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے، بادشاہ نے کہا کہ میں بھی زندگی اور موت دیتا ہوں، ابراہیم نے کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اور پس تو اس کو مغرب سے نکال کر دکھا پس وہ کافر (بادشاہ) مبہوت اور لاجواب ہو کر رہ گیا۔ اور اللہ ظلم کرنے والوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔

## آگ کا سرد ہو جانا

نمرود اور اس کے حواری حضرت ابراھیم علیہ السلام کی حقانیت کو جان تو گئے تھے مگر مانتے نہ تھے حالانکہ ایمان صرف جاننے کا نام نہیں ہے بلکہ جاننے کے ساتھ ماننا بھی ضروری ہے جاہل قوموں کا آج تک یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ جب دلیل کے میدان میں شکست کھا جاتے

ہیں تو اپنی بات کو بزورِ بازو منوانا چاہتے ہیں۔ حضرت خلیل علیہ السلام کے مضبوط دلائل اور براھین کا کوئی جواب نہ دے سکے تو انہوں نے مادی طاقت اور سطوت کا مظاہرہ شروع کر دیا۔ صورت حال یہ تھی کہ باپ بھی دشمن، قوم بھی مخالف، بادشاہِ وقت بھی خون کا پیاسا ہر طرف سے مخالفت و دشمنی کے نعرے، انتقام لینے اور زندہ جلا دینے کے ارادے۔ کوئی دوست نہیں، کوئی حمایتی نہیں، کوئی یار و مددگار نہیں۔ مگر حضرت خلیل علیہ السلام کو نہ اس کی پرواہ تھی، نہ ہی کوئی خوف و ڈر، وہ اسی طرح بے خوف و خطر اور اپنی ملامت کرنیوالوں کی ملامت سے بے نیاز اپنے کام میں لگے رہے موحدِ اعظم پر اس وقت مولانا محمد علی جوہر کا یہ شعر پوری طرح صادق آ رہا تھا

میں کھو کے تری راہ میں سب دولتِ دنیا سمجھا کہ کچھ اس سے بھی میرے لیے ہے

حضرت ابراھیم علیہ السلام ہر خطرے سے بے خوف و بے نیاز اعلانِ حق میں سرشار اور دعوت رشد و ہدایت میں مشغول تھے۔ البتہ ایسے نازک وقت میں جب تمام مادی سہارے ختم ہو گئے، دنیوی اسباب ناپید اور حمایت و نصرت کے ظاہری اسباب مفقود ہو چکے تھے، ابراھیم علیہ السلام کو اس وقت بھی ایک ایسا بڑا زبردست سہارا حاصل تھا جو تمام سہاروں کا سہارا اور تمام نصرتوں کا ناصر کہا جاتا ہے اور وہ خدائے واحد کا سہارا تھا۔ اس نے اپنے جلیل القدر پیغمبر، قوم کے عظیم المرتبت ہادی اور راھنما کو بے یار و مددگار نہ رہنے دیا اور دشمنوں کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔

ہوا یہ کہ نمرود اور قوم نے ابراھیم علیہ السلام کی سزا کے لئے ایک مخصوص جگہ بنوائی اور اس میں کئی روز مسلسل آگ دھکائی گئی حتی کہ اس کے شعلوں سے قریب و جوار کی اشیاء تک جھلسنے لگے جب اس طرح بادشاہ اور قوم کو کامل اطمینان ہو گیا کہ اب ابراھیم کے اس سے بچ نکلنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی تب

ایک گوپھن میں ابراہیم علیہ السلام کو دھکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا گیا۔

حضرت خلیل علیہ السلام کے سامنے سوال یہ تھا کہ زندگی عزیز ہے تو دعوت توحید چھوڑ دو ورنہ جلنے کے لئے تیار ہو جاؤ، تو آپ نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق (اقبال)

اس وقت آگ کے خالق اور آگ میں جلانے کی تاثیر بخشنے والے نے آگ کو حکم دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے حق میں سرد اور سلامتی والی بن جا۔

| | |
|---|---|
| قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ہ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۔ (الانبیاء ۶۹-۷۰) | ہم نے حکم دیا کہ اے آگ تو ابراہیمؑ کے حق میں سرد اور سلامتی والی بن جا اور انہوں نے ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ ارادہ کیا پس ہم نے ان کو ان کے ارادے میں ناکام بنا دیا۔ |

## ہر چیز پر اس کا حکم

یاد رکھئے کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ ہمارا ایمان ہے کہ کائنات کی ہر چیز پر اللہ تعالےٰ کا حکم چلتا ہے اور ہر چیز اس کا حکم سنتی اور مانتی ہے، زمین آسمان، پہاڑ، درخت، ندی نالے، آگ پانی اور ہوا ہمارے سامنے بے جان اور جامد محض ہیں مگر اپنا خالق کے سامنے زندہ اور باشعور ہیں، وہ جب چاہے ان کے اندر ودیعت کی ہوئی تاثیر چھین سکتا ہے اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی بھی چیز کی تاثیر کو ختم نہ کرے مگر جس کے حق میں وہ چاہے بے اثر کر دے۔ وہ عقل پرست جنہیں یہ بات محال نظر آتی ہے ان سے ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر کم عقل موجد اور سائنسدان فائر پروف چیزیں بنا سکتے ہیں جن پر آگ کوئی اثر نہیں کر سکتا تو آگ کے خالق کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ آگ کو حضرت خلیل علیہ السلام کے حق میں بے اثر ثابت کر دیں اور اگر آج

سائنس کی دریافت پر فضا میں ایسی گیسیں موجود ہیں جن سے بدن پر آگ گرنے سے آگ کی سوزش سے محفوظ رہا جاسکتا ہے تو گیس کے پیدا کرنے والے خالق کے لئے کون مانع ہے کہ نمرود کی دھکتی ہوئی آگ میں ان کو ابراھیم علیہ السلام تک نہ پہنچادے اور اس طرح آگ کو بحق ابراھیم علیہ السلام بَردوسلام نہ بنادے

**چوتھا امتحان** حضرت خلیل علیہ السلام کا چوتھا امتحان ترکِ وطن کی صلاحیت میں ہوا، وطن کی محبّت انسان کی فطرت میں داخل ہے اور یہ محبت جائز حد تک ہو تو اسلام بھی اس کی اجازت دیتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو مکہ سے بہت محبت تھی، آپ کو یہ سن کر شاید تعجب ہوگا کہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ مکہ سے ہجرت کرکے جب مدینہ منورہ چلے گئے تو وہاں بعض اوقات مکہ کی یاد میں اشعار پڑھا کرتے تھے اور وہاں کے پہاڑوں، گھاس وغیرہ کا بڑی حسرت سے ذکر کرتے تھے حالانکہ مکہ میں ان پر جو مظالم کئے گئے تھے وہ ہر کسی کو معلوم ہے۔

حضرت خلیل علیہ السلام بھی اپنے وطن میں رہ کر دعوت توحید کا فریضہ سرانجام دینا چاہتے تھے۔ مگر وہاں آپؑ کی دعوت پر کوئی بھی شخص کان دھرنے کے لئے تیار نہ تھا باپ نے ٹھکرا دیا قوم جان کی دشمن ہوگئی بادشاہِ وقت آپ کو اپنے راستے کا کانٹا جانتا تھا، آپؑ کی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اور برادر زادہ حضرت لوط علیہ السلام کے علاوہ کبھی ایک فرد نے بھی ایمان قبول نہ کیا تو آپ علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ کسی دوسری جگہ جاکر پیغامِ الٰہی سنائیں اور دعوتِ حق پہنچائیں اور یہ سوچ کر وہاں سے ہجرت کا ارادہ کرلیا۔

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ۝ اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میں جانے والا ہوں اپنے پروردگار کی طرف، قریب ہے وہ میری رہنمائی کرے گا۔

یعنی اب مجھے کسی ایسی آبادی میں ہجرت کر کے چلے جانا چاہئے جہاں خدا کی آواز گوشِ حق نیوش سے سنی جائے، خدا کی زمین تنگ نہیں ہے، یہ نہیں اور سہی میرا کام تبلیغ حق ہے، خدا اپنے دین کی اشاعت کا سامان خود پیدا کر دیگا۔

حضرت خلیل علیہ السلام اپنے والد آزر اور قوم سے جدا ہو کر فرات کے غربی کنارہ ایک بستی میں چلے گئے، کچھ دنوں بعد وہاں سے حرّان یا فاران کی جانب روانہ ہو گئے اور وہاں "دینِ حنیف" کی تبلیغ شروع کر دی۔ یونہی تبلیغ کرتے کرتے فلسطین چلے گئے پھر قریب ہی شکیم (نابلس) میں چلے گئے نابلس سے چل کر مصر گئے تو وہاں ملک جبار کا واقعہ پیش آیا جس نے حضرت سارہ علیہا السلام پر دست درازی کی کوشش کی تھی مگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے گرفت کی وجہ سے توبہ کی اور اعزاز کے طور پر حضرت ہاجرہ رض کو ابراہیم علیہ السلام کی زوجیت میں دے دیا۔

## پانچواں امتحان

حضرت ابراہیم علیہ السلام ابھی تک اولاد سے محروم تھے مگر دل میں بیٹے کی آرزو بھی اور اس کے لئے دعائیں بھی کرتے تھے بالآخر تقریباً ۸۶ سال کی عمر میں آپ علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہوئی اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جنم لیا۔ یہ بات حضرت سارہ رض کے لئے باعثِ رشک تھی کہ ان کی گود خالی ہو اور چھوٹی بیوی جو کہ ان کی خدمت گذار تھی وہ بیٹے کی ماں ہو، ادھر اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہ تھا کہ ہاجرہ رض اور اسماعیل علیہ السلام کو مکہ کی بے آب وگیاہ بنجر

وادی میں چھوڑ آؤ۔ بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور ہاجرہ اور اس کے شیر خوار بچہ اسماعیل کو لیکر چلے اور آج جہاں کعبہ ہے اس جگہ ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام کے بالائی حصہ پر ان کو چھوڑ گئے وہ جگہ ویران اور غیر آباد تھی اور پانی کا بھی نام ونشان نہ تھا اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے ایک مشکیزہ پانی، ایک تھیلی کھجور بھی ان کے پاس چھوڑ دیں پھر منہ پھیر کر روانہ ہوگئے ھاجرہ ان کے پیچھے پیچھے یہ کہتی ہوئی چلی کہ اے ابراہیم تو ہم کو ایسی وادی میں کہاں چھوڑ کر چلدیا جہاں نہ آدمی ہے نہ آدم زاد، نہ کوئی مونس وغمخوار، ہاجرہ برابر یہ کہتی جاتی تھی مگر ابراہیم علیہ السلام خاموش چلے جا رہے تھے آخر ہاجرہ نے یہ دریافت کیا کہ تیرے خدا نے تجھ کو یہ حکم دیا ہے؟ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں یہ خدا کے حکم سے ہے۔ ہاجرہ نے جب یہ سنا تو کہنے لگی اگر یہ خدائی حکم ہے تو بلاشبہ وہ ہم کو ضائع اور برباد نہ کرے گا اور پھر واپس لوٹ آئے۔ ابراہیم علیہ السلام چلتے چلتے جب ایک ٹیلہ پر ایسی جگہ پر پہنچے کہ ان کے اہل وعیال نگاہ سے اوجھل ہوگئے تو اس جانب جہاں کعبہ ہے، رخ کیا اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی:

رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ ○

اے رب میں نے بسایا ہے اپنی ایک اولاد کو میدان میں جہاں کھیتی نہیں تیرے محترم گھر کے پاس، اے رب ہمارے تاکہ قائم رکھیں نماز کو سو رکھ بعضے لوگوں کے دل کہ مائل ہوں ان کی طرف اور روزی دے ان کو میووں سے تاکہ وہ شکر کریں۔

اندازہ لگائیے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر کتنا یقین تھا اور وہ اس کے حکم کے آگے کیسے سرِ تسلیم خم کرنے والے تھے کہ طویل دعاؤں اور آرزوؤں کے بعد بڑھاپے میں بچہ ملا مگر جب اللہ کا حکم ہوا کہ اسے بے آب و گیاہ جنگل میں چھوڑ آؤ تو آپ بلا چون و چرا تعمیلِ حکم کے لئے تیار ہو گئے

## اہلِ ایثار کی دعائیں

میرے دوستو اور بزرگو! یوں تو ربِ کائنات ہر کسی کی دعاء کو سُنتا ہے مگر ایثار اور قربانی دینے والوں کی دعائیں بہت جلد قبول ہوتی ہیں حضرت ابراھیم علیہ السلام نے جو دعا کی اس میں پہلی تو یہ عرض کی کہ اے پروردگار اس وادی میں اپنی بیوی اور بچے کو یہاں چھوڑنے کا کوئی مادی مقصد نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ یہ نماز قائم رکھیں تیری عبادت کرتے رہیں اور تیرے محترم گھر کو آباد رکھیں، پھر یہ عرض کیا کہ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انھیں پھلوں کا رزق عطا فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں دعائیں قبول فرمائیں، کعبہ اور قبلہ کے خدمت گذاروں کو دنیا بھر کے موحدوں کی محبت و عقیدت کا مرکز بنا دیا اور انہیں پھلوں کا رزق اتنی فراوانی سے عطا فرمایا کہ لاکھوں حاجیوں اور زائرین کے باوجود ختم نہیں ہوتا۔ اہل عرب کا تو یقین بن گیا تھا کہ اگر اپنے باغ کا پہلا پھل مکہ بھیجیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے باغ میں برکت دے گا۔ چنانچہ طائف میں پیدا ہونے والا پھل مکہ والے پہلے کھاتے تھے اور طائف والے بعد میں۔ یہی حال دوسرے زرخیز اور پھلوں والے علاقوں کا تھا حالانکہ ظاہری اسباب اور حالات کے اعتبار سے دونوں دعائیں بڑی عجیب سی معلوم ہوتی تھیں عام طور پر لوگوں کے دل سرسبز اور زرخیز علاقوں کی طرف مائل ہوتے ہیں تاکہ وہ وہاں سیر و سیاحت کر سکیں، اسی طرح پھل تو وہاں میسر آتے ہیں جہاں پھلوں کے باغ ہوتے ہیں لیکن یہ وادی تو بے آب و گیاہ تھی،

ہر طرف جلے ہوئے پہاڑ اور بنجر زمین تھی مگر اسباب کی ناموافقت کے باوصف صابر ایثار پیغمبر کی دعا قبول ہو کر رہی۔

مجھے اس موقع پر ایک عالم کی بات بڑی شدت کے ساتھ یاد آ رہی ہے جسے سُنائے بغیر میں آگے نہیں بڑھ سکتا۔ وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ وہ اپنا محترم مقدس گھر (کعبہ) کسی خوبصورت سرسبز اور ہموار علاقے میں بناتا لیکن اگر ہوتا تو ممکن تھا کہ لوگ کعبہ کی عظمت و محبت کی وجہ سے نہ جاتے بلکہ وہاں کے باغات، سیرگاہوں، چشموں اور سرسبز وادیوں کی وجہ سے جاتے مگر حکیم و خبیر رب نے اپنے گھر کے لئے سنگلاخ وادیوں کو منتخب کیا جہاں ظاہری طور پر کشش کا کوئی سامان نہیں۔ تاکہ وہاں جو بھی جائے صرف اور صرف کعبہ کی زیارت کے لئے جائے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے، اللہ تعالےٰ کے گھر کا تقدس اور عظمت دل میں لے کر جائے، تجدیدِ ایمان کے لئے جائے مگر ہماری بدبختی دیکھئے کہ آج کل بہت سے لوگ اس مقدس سرزمین پر ایمان لینے کے لئے جاتے ہیں لیکن غیر ملکی سامان سے بھری ہوئی دکانوں کو دیکھ کر ان کے منہ میں پانی آجاتا ہے، یوں وہ ایمان کے بجائے سامان لیکر واپس آجاتے ہیں۔ عین کعبہ کے سایہ میں وہ بیٹھ کر کپڑوں گھڑیوں، کھلونوں اور الیکٹرونک سامان کی خرید و فروخت اور ورائٹیز کے بارے میں تبصرے اور گفتگو کرتے ہیں۔

جب حاجی حج کے لئے روانہ ہوتا ہے تو عزیزوں، رشتہ داروں کی فرمائشیں اس کی جیب میں ہوتی ہیں۔ مقدس سرزمین پہنچنے کے بعد اس کو ان فرمائشوں کی تکمیل کی فکر لگی رہتی ہے۔ چنانچہ حج سے واپسی پر حاجی صاحب کے سامان سے رنگین ٹی وی، کیمرے اور وی سی آر برآمد ہوتے ہیں جنہیں تبرک کے طور پر جاننے والوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ جہاں گناہ بخشوانے گئے تھے وہاں سے

گناہ کا سامان خرید کر اور حاجی کا لقب لے کر واپس آگئے۔ واہ حاجی صاحب! زندہ باد (بلکہ بقولِ کسے زندہ برباد)

## قربانی کے بعد

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں تو قبول ہوئیں مگر سخت ابتلاء اور قربانی کے بعد۔ حضرت ہاجرہ چند دن تک تو اس مشکیزہ سے پانی پیتی رہیں اور کھجوریں کھاتی رہیں جو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام ان کے پاس چھوڑ گئے تھے اور اپنے لختِ جگر اسماعیل علیہ السلام کو دودھ بھی پلاتی رہیں لیکن وہ وقت بھی آگیا جب پانی بھی نہ رہا اور کھجوریں بھی ختم ہوگئیں، ماں بھوکی پیاسی تھیں دودھ کہاں سے آتا، بچہ بھوک پیاس سے بے تاب ہونے لگا، مامتا بھوکے پیاسے بچے کی تلملاہٹ کیسے دیکھ سکتی تھی، اسماعیل علیہ السلام کو چھوڑ کر دور جا بیٹھیں لیکن وہاں بھی سکون نہ آیا اور سکون آتا بھی کیسے؟ آخر ماں تھیں اور پھر ماں تو ماں ہوتی ہے ناں۔ ماں کے جذبات کو کوئی ماں ہی سمجھ سکتی ہے، میری اور آپ کی سمجھ میں مامتا کے جذبات آہی نہیں سکتے۔ یہ الگ بات ہے کہ یورپ کی گندی سوسائٹی کی تقلید نے میرے دور کی ماؤں کے سینے سے ماماتا کے حسین اور بے مثال جذبات کو چھین لیا ہے۔ ایسی ماؤں کو اپنے بچے سے زیادہ محفلوں، پارٹیوں میں اپنی سج دھج دکھانے اور بازاروں میں سیر سپاٹوں سے دلچسپی ہوتی ہے حضرت ہاجرہؑ یہ سوچ کر ایک قریب کی پہاڑی صفا پر چڑھ گئیں کہ شاید کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ نظر آجائے، یا پانی نظر آجائے مگر کچھ نظر نہ آیا پھر بچہ کی محبت میں دوڑ کر وادی میں آگئیں۔ اس کے بعد دوسری جانب کی پہاڑی مروہ پر چڑھ گئیں اِدھر اُدھر نظر دوڑائی مگر وہاں سے بھی کچھ دکھائی نہ دیا۔ ماماتا نے چین نہ لینے دیا پھر تیزی سے دوڑ کر وادی میں بچہ کے پاس آگئیں۔ یوں

دونوں پہاڑیوں کے درمیان سات چکر لگائے۔ اللہ تعالیٰ نے ایثار اور قربانی کی اس مقدس داستان کو یادگار بنانے کے لئے قیامت تک کے لئے اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ جب بھی تمہیں حج یا عمرہ کی سعادت حاصل ہو تو صفا و مروہ کے درمیان چکر لگایا کرو اور چکر بھی اتنے جتنے ہاجرہ علیہا السلام نے لگائے تھے۔ اور اس کیفیت کے ساتھ جس کیفیت کے ساتھ اسماعیل علیہ السلام کی مادرِ محترمہ نے لگائے تھے جہاں سے وہ دوڑ کر گذری تھیں تم بھی اس مقام سے دوڑ کر گذرو اور جہاں وہ آہستہ آہستہ چلی تھیں تم بھی آہستہ آہستہ چلو۔ حضرت ہاجرہ ساتویں چکر میں مروہ پر چڑھیں تو کانوں میں ایک آواز آئی جیسے کوئی پکار رہا ہو، آپ چونک گئیں اور دل میں کہنے لگیں کہ کوئی پکار رہا ہے کان لگایا تو پھر آئی۔ ہاجرہ علیہا السلام نے کہا کہ اگر تم مدد کر سکتے ہو تو سامنے آؤ تمہاری آواز سنی گئی۔ دیکھا تو خدا کا فرشتہ (جبرئیل) ہے فرشتہ نے اپنا پیر یا ایڑی اس جگہ پر ماری جہاں زمزم ہے اس جگہ سے پانی اُبلنے لگا۔ گویا کہ آزمائش کا وقت گذر گیا تھا، اور معصوم بچے کی دردناک چیخوں اور ماں کی بے تابی نے رحمتِ باری کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ یہ بات پھر ذہن میں تازہ کیجئے کہ قربانی اور ایثار کا مظاہرہ کرنے والوں پر رحمتِ باری تعالیٰ خصوصی طور پر متوجہ ہوا کرتی ہے اور ان کی خاموش زبان مگر دردمند دل کی پکار درِ رحمت پہ دستک دے کے رہتی ہے۔ اور جو ہمارے جیسے نکمے اور بے عمل بلکہ بدعمل ہوتے ہیں ان کی دعائیں بے اثر ہو جاتی ہیں۔ حضرت ہاجرہ نے پانی اُبلتا ہوا دیکھا تو اس کے چاروں طرف باڑ بنانے لگیں مگر پانی برابر ابلتا رہا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ام اسماعیل علیہ السلام پر رحم فرمائے اگر وہ زمزم کو اس طرح نہ روکتیں

اور اس کے چہار جانب باڑ نہ لگاتیں تو آج وہ زبردست چشمہ ہوتا، چشمہ تو وہ آج بھی زبردست ہے ۔ اس چشمہ سے ہر سال ہزاروں، لاکھوں بلکہ کروڑوں انسان سیراب ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ ہزاروں سال سے جاری ہے مگر وہ چشمہ ختم ہونے میں نہیں آتا ۔ شاید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہوگا کہ اس وقت رحمتِ باری جوش میں تھی ۔ اگر حضرت ہاجرہ باڑ نہ لگاتیں تو اس چشمے کی طغیانی زیادہ ہوتی ۔ ہاجرہ نے پانی پیا اور پھر اسماعیل کو دودھ پلایا ۔ فرشتہ نے حضرت ہاجرہ سے کہا کہ خوف نہ کر غم نہ کر اللہ تعالےٰ تجھ کو اور بچہ کو ضائع نہ کرے گا، یہ مقام بیت اللہ ہے جس کی تعمیر اس بچے (اسماعیل) اور اس کے باپ (ابراھیم علیہ السلام) کی قسمت میں مقدر ہو چکی ہے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اس خاندان کو ضائع نہ کرے گا نہ ہلاک کرے گا ۔ یوں بھی اس کا دستور ہے کہ وہ اسی کا ہو جانے والوں کو ضائع نہیں ہونے دیتا

## چھٹا امتحان

آئیے اب ہم اس امتحان کا ذکر کریں جس کی مناسبت سے ہم دنیا بھر میں ذوالحجہ کے تین دنوں میں قربانی کرتے ہیں ۔ میری سابقہ گفتگو سے آپ یہ بات تو اچھی طرح جان گئے ہوں گے کہ مقربین بارگاہِ الہی کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا وہ معاملہ نہیں ہوتا جو عام انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے ان کو امتحان و آزمائش کی سخت سے سخت منزلوں سے گذرنا پڑتا ہے اور قدم قدم پر جان سپاری اور تسلیم و رضا کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم گروہِ انبیاء اپنے اپنے مراتب کے اعتبار سے امتحان کی صعوبتوں میں ڈالے جاتے ہیں ۔

ابراھیم علیہ السلام بھی چونکہ جلیل القدر نبی اور پیغمبر تھے اس لئے ان کو بھی مختلف آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا اور اپنی جلالتِ قدر کے لحاظ سے ہر

مرتبہ امتحان میں کامل و مکمل ثابت ہوتے۔

جب ان کو آگ میں ڈالا گیا تو اس وقت جس صبر اور رضا بقضاء الٰہی کا انھوں نے ثبوت دیا اور جس عزم و استقامت کو پیش کیا وہ انہی کا حصہ تھا۔ اس کے بعد جب اسماعیل علیہ السلام اور ہاجرہ کو فاران کے بیابان میں چھوڑ آنے کا حکم ملا تو وہ بھی معمولی امتحان نہ تھا۔ آزمائش اور سخت آزمائش کا وقت تھا بڑھاپے اور پیری کی تمناؤں کے مرکز، راتوں اور دنوں کی دعاؤں کے ثمر اور گھر کے چشم و چراغ اسمٰعیل کو صرف حکم الٰہی کی تعمیل و امتثال میں ایک بے آب و گیاہ جنگل میں چھوڑتے ہیں اور پیچھے پھر کر بھی اس طرف نہیں دیکھتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شفقتِ پدری جوش میں آجائے اور امتثالِ امرِ الٰہی میں کوئی لغزش آجائے ان دونوں کٹھن منزلوں کو عبور کرنے کے بعد اب ایک تیسری منزل اور تیسرے امتحان کی تیاری ہے جو پہلے دو امتحانوں سے بھی زیادہ زہرہ گداز اور جاں گسل امتحان ہے۔ یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام تین شب مسلسل خواب دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابراہیم تو ہماری راہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی دے۔

انبیاء علیہم السلام کا خواب رؤیا صادقہ اور وحی الٰہی ہوتا ہے اس لئے رضا و تسلیم کا پیکر بن کر تیار ہو گئے کہ خدا کے حکم کی جلد سے جلد تعمیل کریں مگر چونکہ یہ معاملہ تنہا اپنی ذات سے وابستہ نہ تھا بلکہ اس آزمائش کا دوسرا فریق وہ بیٹا تھا جس کی قربانی کا حکم دیا گیا، اس لئے باپ نے بیٹے کو اپنا خواب اور خدا کا حکم سنایا۔ بیٹا ابراہیم علیہ السلام جیسے مجدد انبیاء اور رسل کا بیٹا تھا فوراً سرِ تسلیم خم کر دیا اور کہنے لگا کہ اگر خدا کی یہی مرضی ہے تو انشاء اللہ مجھے صابر پائیں گے اس گفت گو کے بعد باپ بیٹے اپنی قربانی پیش کرنے کے لئے جنگل روانہ ہو گئے باپ نے اپنے بیٹے کی مرضی پاکر مذبوحہ جانور کی طرح ہاتھ پیر باندھ دیئے، چھری کو

تیز کیا اور بیٹے کو پیشانی کے بل پچھاڑ کر ذبح کرنے لگے فوراً خدا کی وحی ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئی اے ابراہیم تو نے اپنا خواب سچ کر دکھلایا بے شک یہ بہت سخت اور کٹھن آزمائش تھی۔ اب لڑکے کو چھوڑ اور تیرے پاس جو یہ مینڈھا کھڑا ہے اس کو بیٹے کے بدلے میں ذبح کر۔ ہم نیکو کاروں کو اس طرح نوازا کرتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو جھاڑی کے قریب ایک مینڈھا کھڑا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اس مینڈھے کو ذبح کر دیا۔ یہی وہ قربانی ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی قبول ہوئی کہ بطور یادگار کے ہمیشہ ملتِ ابراہیمی کا شعار قرار پائی اور آج ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو تمام دنیائے اسلام میں یہ شعار اسی طرح منایا جاتا ہے۔

قرآن کریم نے بیٹے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور خواب اور ایثار و قربانی کے اس لازوال واقعہ کو بڑے پیارے انداز میں بیان کیا ہے۔ رب کریم فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ وَنَادَيْنَاهُ أَن | اے پروردگار مجھ کو ایک نکوکار لڑکا عطا کر، پس بشارت دی ہم نے ایک بردبار لڑکے کی پھر جب وہ اس سن کو پہنچے کہ باپ کے ساتھ دوڑنے لگے ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں پس تو دیکھ، کیا سمجھتا ہے کہا اے میرے باپ جس بات کا تجھے حکم کیا گیا ہے وہ کر۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو مجھے صبر کرنے والوں میں پائے گا۔ پس جب ان دونوں نے رضا و تسلیم کر لیا اور پیشانی کے بل اس (بیٹے) کو |

| | |
|---|---|
| يٰۤاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (الصّٰفّٰت ع ۳) | پچھاڑ دیا ہم نے اس کو پکارا اے ابراھیم تو نے خواب سچ کر دکھایا، بے شک ہم اسی طرح نکو کاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں ۔ |

میرے بزرگو دوستو! اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبح ہوجاتے تو ہم سے سنت ابراھیمی کی اتباع میں اپنے بچوں کو ذبح کرنے کا مطالبہ کیا جاتا تو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم پر اس مطالبہ کی تعمیل واجب ہوتی، مگر اللہ تعالےٰ جو کہ انسانوں سے، ان کی کمزوریوں سے، ان کی نفسیات سے اور جذبات و احساسات سے اچھی طرح واقف ہیں انہوں نے نہ تو ایسا ہونے دیا اور نہ ہی ہمیں اولاد کو ذبح کرنے کا حکم دیا البتہ یہ مان لیجئے کہ میدانِ جہاد میں اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے اپنے جگر کے ٹکڑوں کی قربانی کا مطالبہ اگر ہم سے ہو تو ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے بچوں یا بالفاظِ دیگر اس کی دی ہوئی امانت کو اس کے حکم پر اس کی رضا کے لئے بصد خوشی پیش کر دیں ۔

## سامانِ فکر

حاضرین گرامی! ہم جو حضرت ابراھیم علیہ السلام کی یاد بڑی محبت سے مناتے ہیں اور ان کے پُرعزم واقعات بڑی فصاحت و بلاغت سے بیان کرتے ہیں تو ہمارے لئے ان واقعات میں عبرت و نصیحت اور غور و فکر کا بڑا سامان ہے ۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے تو اللہ تعالیٰ کی رضا پر سب کچھ قربان کر دیا تھا باپ کی محبّت، قوم کا تعلق، وطن کا ساتھ، بیوی بچے۔ لیکن کیا ہم بھی اللہ تعالےٰ کی رضا کے حصول کے لئے جذبات و احساسات، ذاتی مفادات اور دنیاوی رشتوں کی قربانی دے سکتے ہیں؟ صرف بکرے اور گائے کو ذبح کرنے کو قربانی مت سمجھئے ہم سے تو قدم قدم پر قربانی کا مطالبہ ہوتا ہے ۔

میٹھی نیند کا غلبہ ہو اور اذان ہو جائے تو نیند کی قربانی کا مطالبہ، حلال و حرام کی کشمکش ہو تو مال کی قربانی کا مطالبہ، رسم و رواج اور سنتوں کا ٹکراؤ ہو تو دنیوی تعلقات کی قربانی کا مطالبہ، میدانِ جہاد سے پکارا جائے تو مال و جان اور اولاد کی قربانی کا مطالبہ۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آج ہم طوعاً و کرہاً یہ سالانہ قربانی تو کر لیتے ہیں مگر قربانی کا حقیقی جذبہ نہیں رہا، حالانکہ مسلمان ہونے کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ وہ ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار ہو جائے۔

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

بقول شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے — وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز، روزہ، قربانی و حج — یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے دلوں میں قربانی کا حقیقی جذبہ پیدا فرمائے۔ آمین۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ

# شہیدِ مظلوم

پاکیزہ کس کی سوچ ہے قرآن کی طرح
ملتا ہے کون موت سے عثمانؓ کی طرح
رکھا ہے کس کے سر پہ حیاداریوں کا تاج
آنکھیں ہیں کس کی عرش کے مہمان کی طرح
کس ہاتھ کو نبیؐ نے کہا ہے غنیؓ کا ہاتھ
بیعت ہے کس کی بیعتِ عثمانؓ کی طرح

" واہ عثمان تجھے کیسی بے مثال شہادت نصیب ہوئی، صبر و تحمل کا ایسا معیار قائم کر دیا کہ دنیا مثال لانے سے قاصر ہے کسی انسان کا خون نہیں بہایا، اسی دن بائیس غلام آزاد کیے ہیں، جمعہ کا دن ہے، روزے کی حالت ہے، کچھ دیر پہلے جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے اقدس کی زیارت ہو چکی ہے، کلام اللہ کی تلاوت میں مصروف ہیں، جب شہید ہوتے ہیں تو خون قرآن کے مقدس اوراق پر گرتا ہے۔ جب قیامت کے دن وہ عدالت قائم ہو گی جس میں انصاف کے سوا کچھ نہیں ہو گا تو مختلف لوگ اپنی نیکیاں اور قربانیاں لے کر حاضر ہوں گے، ان میں شہدا بھی ہوں گے مگر کسی شہید کی شہادت کی گواہی تلوار کی دھار دے گی، کسی کی شہادت کی گواہی نیزے کی انی دے گی، کسی کی شہادت کی گواہی پھانسی کا پھندا دے گا، کسی کی شہادت کی گواہی زمین کا فرش دے گا کسی کی شہادت کی گواہی بندوق کی گولی دے گی، کسی کی شہادت کی گواہی جیل کی کال کوٹھڑی دے گی مگر ذوالنورینؓ کتنے خوش نصیب انسان ہیں کہ ان کی شہادت کی گواہی اللہ کا قرآن دے گا۔"

# شہیدِ مظلوم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْم

امّا بعد فاعوذ باللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ۔الآیۃ

بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

وقال تعالیٰ اَعُوْذُ باللّٰہِ مِنَ الشیطَانِ الرَّجِیْمِ

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا (الفتح : ۱۸)

بے شک اللہ خوش ہوا ان مسلمانوں سے جب کہ وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے اور اللہ کو معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا، سو اللہ نے ان پر اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح دے دی۔

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِعُثْمَانَ اَلَا اَسْتَحْیِیْ مِنْ

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے متعلق فرمایا کہ میں اس شخص سے کیوں نہ حیا

رَجُلٍ یَسْتَحِیْ مِنْہُ الْمَلَائِکَۃُ  کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔

رواہ مسلم

عن طلحۃ بن عبد اللہ  حضرت طلحہ بن عبد اللہ سے روایت ہے
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ  کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِکُلِّ نَبِیٍّ رَفِیْقٌ  ہر نبی کے کچھ رفیق ہوتے ہیں اور میرے
و رفیقی یعنی فی الجنۃ عثمان  رفیق جنت میں عثمانؓ ہیں۔

(رواہ الترمذی)

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا تذکرہ کرنے سے پہلے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کی سیرت، ان کے اخلاق و کمالات اور مناقب کا ذکرِ خیر ہو جائے کیونکہ ان محترم اور متبرک شخصیات کے ذکرِ خیر سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور عمل کے جذبات اُبھرتے ہیں، یوں بھی نئی نسل کو اپنے اسلاف کے کارناموں اور حالات سے متعارف کرانا ضروری ہے تاکہ وہ غیر مسلم شخصیات کے کارناموں سے مرعوب نہ ہوں۔
یہ کس قدر عبرت کا مقام ہے کہ ہمارے نوجوان بلکہ باشعور بچے بھی فلمی اداکاروں، گلوکاروں اور کھلاڑیوں کے حالات اور کارنامے تو حرف بحرف جانتے ہوں مگر اپنے حقیقی محسنوں اور ملتِ اسلامیہ کے قابلِ فخر مجاہدوں، جانثاروں اور شہیدوں کے حالات اور کارناموں سے وہ بالکل کورے ہوں۔

## قبولِ ایمان

حضرت عثمانؓ بنو امیہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کی عمر چونتیس سال تھی کہ مکہ میں توحید کی آواز بلند ہوئی، مکہ والوں کے لئے یہ آواز بڑی نامانوس تھی انہوں نے اس آواز پر لبیک کہنے کے بجائے اسے دبانے کی کوششیں شروع کر دیں، ہر طرف سے مخالفت ہو رہی تھی مگر ازلی سعادتمند

ابوبکر صدیق رضؓ اس آواز کو ہر سنجیدہ انسان تک پہنچانے کی دن رات کوشش کر رہا تھا۔

سیّدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عفیف و پارسا دوست عثمان کو بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ عثمان پہلے سے تیار بیٹھے تھے۔ کہا اٹھو مجھے بارگاہِ نبوّت میں لے چلو اور اپنے آقا کی غلامی میں شامل کرا دو، ابھی دونوں دوست جانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ کائنات کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے آئے۔ یوں سمجھئے کہ کنواں پیاسے کے پاس خود چل کر آگیا۔ آپ نے عثمان کو دیکھ کر فرمایا "عثمان! اللہ کی جنّت قبول کر لو، میں تمہاری اور تمام مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہوں۔"

اللہ نے اپنے نبی کی زبان میں بڑی تاثیر رکھی تھی، پتھر موم ہو جاتے تھے اور لوہے جیسے دل پگھل جاتے تھے۔ اور یہ تو عثمان کا دل تھا پانی سے زیادہ رقیق اور ریشم سے زیادہ نرم ـــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی لمبی چوڑی تقریر نہیں کی، عقلی اور نقلی دلائل نہیں دیئے۔ بس اتنا کہا "عثمان! اللہ کی جنت قبول کر لو! میں تمہاری اور تمام مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہوں" مگر حضرت عثمانؓ کا بیان ہے کہ زبانِ نبوّت کے ان سادہ اور صاف جملوں میں خدا جانے کیا تاثیر تھی کہ میں بلا اختیار کلمۂ شہادت پڑھنے لگا اور نبوت کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر مسلمان ہو گیا۔

یہ وہ دَور تھا کہ اسلام قبول کرنے والوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا جاتا تھا حضرت عثمانؓ کے ساتھ بھی یہ سب کچھ کیا گیا۔ اور کسی غیر نے نہیں خود سگے چچا حکم نے کیا، باندھ کر مارا اور کچھ کسر نہ چھوڑی، دوسرے رشتہ داروں نے بھی منہ موڑ لیا۔ لیکن جو جام ہدایت، ساقیِ کوثر کے ہاتھوں پی چکے تھے اس کا نشہ نہ اُتر سکا، یہ نشہ ہی ایسا تھا جسے چڑھ جاتا اترنے کا نام نہیں لیتا تھا۔

جب جور و جفا حد سے بڑھ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ہجرتِ حبشہ کی اجازت دے دی۔ آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ رضی کو ساتھ لیا اور ملکِ حبشہ روانہ ہو گئے۔ چنانچہ یہ پہلا قافلہ تھا جو حق و صداقت کی محبت میں وطن اور اہل وطن کو چھوڑ کر جلا وطن ہوا

کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت ہاجرہ علیہما السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا تھا جس نے اللہ کی رضا کی خاطر ہجرت کی

حضرت عثمان رضی چند سال حبشہ میں رہے وہاں کسی نے یہ افواہ اڑا دی کہ قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے، حضرت عثمان رضی اور بعض دوسرے صحابہ رضی غلط خبر سُن کر مکہ آ گئے یہاں آکر معلوم ہوا کہ یہ خبر تو جھوٹی تھی۔ بعض صحابہ تو دوبارہ حبشہ چلے گئے، لیکن حضرت عثمان رضی دوبارہ نہیں گئے اسی زمانے میں مدینہ ہجرت کی اجازت مل گئی تو حضرت عثمان رضی بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ تشریف لے گئے

## پہلا کرم

مدینہ آنے کے بعد مہاجرین کو پانی کی سخت تکلیف تھی پورے شہر میں صرف "بیر رومہ" نام کا ایک کنواں تھا جس کا پانی پینے کے لائق تھا لیکن اس کا مالک ایک یہودی تھا، آپ جانتے ہی ہیں کہ یہودی قوم ابتدا ہی سے سنگدل اور سود خور رہی ہے، انسانوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانا ان کا محبوب پیشہ رہا ہے۔ اس یہودی نے "بیر رومہ" کو ذریعۂ معاش بنا رکھا تھا اور اس کا پانی مہنگے داموں بیچتا تھا، مسلمانوں کی حالت تو ایسی تھی کہ وہ کھانے خریدنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے یہاں پانی بھی قیمتاً ملتا تھا، بڑی پریشانی ہوئی، آقا کے سچے غلام عثمان بن عفان سے اپنے مسلمان بھائیوں کی پریشانی دیکھی نہ گئی، انہوں نے چاہا کہ کنواں خرید کر وقف کر دیں، بڑی کوشش کے بعد وہ کنوئیں کا صرف نصف حق بیچنے پر راضی ہوا۔ حضرت عثمان رضی نے بارہ ہزار درہم میں آدھا کنواں

خرید لیا، یہودی نے شرط یہ لگائی کہ ایک دن حضرت عثمان کی باری ہوگی اور دوسرے دن اس یہودی کے لئے یہ کنواں مخصوص رہے گا۔

یہودی نے سوچا ہوگا کہ عثمان ایک دن میں کتنا پانی نکالیں گے، دس مشکیزے بیس مشکیزے —— آخر دوسرا دن تو میرا ہی ہوگا جیسے چاہوں گا بیچوں گا، لیکن اس کا منصوبہ اس وقت خاک میں مل گیا جب اس نے دیکھا کہ جس دن حضرت عثمانؓ کی باری ہوتی ہے اس روز مسلمان اس قدر پانی بھر کر رکھ دیتے ہیں کہ دو دن تک کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور دوسرے دن کوئی بھی خریدنے کے لئے نہیں آتا، یہودی سارا دن مکھیاں مارتا رہتا مگر کوئی مسلمان پانی خریدنے نہ آتا وہ سمجھ گیا کہ یہ سونے کی کان اب بیکار ہو گئی ہے اور اس سے آمدنی کی کوئی توقع نہیں تو وہ باقی آدھا بھی بیچنے پر راضی ہو گیا، حضرت عثمانؓ نے آٹھ ہزار درہم میں اس کو خرید کر عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں حضرت عثمانؓ کے کرم اور فیاضی کا پہلا قطرہ تھا جس نے توحید پرستوں کو سیراب کیا۔

## غنا بری شے نہیں

آج کے بعض سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے بخل اور لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے بعض حضرات مالداری اور غنا کو برا سمجھتے ہیں اور ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ اللہ والا وہی ہو سکتا ہے جو بالکل کنگلا اور فقیر ہو، اس کا گذارہ صرف ہدیوں اور نذرانوں سے ہوتا ہو وہ نہ کسی جائداد کا مالک ہو اور نہ ہی تجارت اور کسب رزق سے اسے دلچسپی ہو حالانکہ یہ تصور قطعاً غلط ہے۔ اللہ کے نبیوں میں سے بھی ایسے انبیاء گذرے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے حساب دولت عطا کر رکھی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے محلات اور ان کا فرش دیکھ کر تو بلقیس جیسی دنیا دار عورت بھی دھوکہ کھا گئی تھی۔

حضرات صحابہ کرامؓ میں بیسیوں صحابہ صاحبِ ثروت تھے، ان کی تجارت ملکوں میں پھیلی ہوئی تھی۔

امام ابوحنیفہ جن کی ہم تقلید کرتے ہیں اور پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی کو ربِّ کریم نے دین کے ساتھ ساتھ دنیا کی فراوانی بھی عطا کر رکھی تھی۔

رب تعالیٰ نے بھی ہمیں دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی مانگنے کا حکم دیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً جیسی دعا مانگنے والوں کی تعریف کی گئی ہے۔

حضرت ذوالنورینؓ بلاشبہ مالدار تھے اور اتنے مالدار تھے کہ "غنی" ان کے نام کا حصّہ بن گیا۔ عرب میں ان سے بڑا کوئی تاجر نہیں تھا، ان کا مکان مدینہ کی تمام عمارتوں سے ممتاز تھا وہ مختلف جائدادوں کے مالک تھے لیکن انہوں نے دولت کو مقصد بنا کر سینے سے نہیں لگایا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جب سے انہوں نے اسلام کو سینے سے لگایا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے اس وقت سے ان کی دولت اسلام کے لئے وقف ہو کر رہ گئی انہوں نے اپنے مال و دولت سے اس وقت اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا جب اس امت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر موجود نہ تھا، بیواؤں اور یتیموں کے لئے ان کے دروازے کھلے رہتے تھے، وہ ہر جمعہ ایک غلام آزاد کرتے تھے، مسلمانوں کی تنگ حالی دیکھ کر انہیں دلی تکلیف ہوتی تھی۔

**فیّاضی** | کنزالعمال میں ہے کہ ایک جہاد میں مفلسی کی وجہ سے مسلمانوں کے چہرے اُداس تھے اور منافق ہشاش بشاش ہر طرف اکڑتے پھرتے تھے اور مسلمانوں کی غربت کا مذاق اڑاتے تھے، حضرت عثمان کے دل پر چوٹ لگی، ارے منافق کھا کھا کر کھٹّے ڈکار ماریں اور اسلام کے مجاہدوں کو ایک وقت

کھانا بھی نصیب نہ ہو۔ اسی وقت چودہ اونٹوں پر کھانے کا سامان لاد کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا کہ اس کو مسلمانوں میں تقسیم فرما دیں اسی طرح جب مسلمانوں کی کثرت ہوگئی اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے نمازیوں کو تکلیف ہونے لگی تو حضرت عثمان نے بہت بڑی رقم خرچ کر کے مسجد کی توسیع کرا دی غزوۂ تبوک میں حضرت عثمانؓ کی فیاضی اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت تو آپ نے سُنی ہوگی۔

۹ھ میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے آج شاید اس خبر یا افواہ کی ہولناکی آپ کی سمجھ میں نہ آئے لیکن اس دور میں یہ بڑی وحشت اثر اور ڈراؤنی خبر تھی بلا مبالغہ یوں سمجھیں جیسے آج یہ خبر مشہور ہوجائے کہ امریکہ پاکستان پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس افواہ سے ہمارے بزدل حکمرانوں کی نیندیں حرام ہوجائیں گی اور وہ پاؤں میں گر کر معافی مانگنے کے لئے تیار ہوجائیں گے لیکن وہاں قیادت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی جن کے دل میں اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں تھا آپ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دے دیا لیکن یہ زمانہ نہایت تنگی کا تھا، موسم انتہائی گرم تھا، آسمان انگارے برسا رہا تھا اور زمین شعلے اگل رہی تھی، ایسے بھی تھے جنہیں پاؤں میں پہننے کے لئے جوتا تک میسّر نہ تھا، زراعت کے اعتبار سے سال کا آخر تھا، فصل تیار تھی مگر گھروں میں جو کچھ تھا وہ ختم ہو چکا تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تشویش ہوئی۔ آپؐ نے صحابہؓ کو مالی تعاون کی ترغیب دلائی تاکہ جنگی سامان مہیا کیا جاسکے۔ ہر شخص نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر دیا، اس زمانہ میں حضرت عثمان رضہ کا تجارتی قافلہ ملک شام سے واپس آیا تھا، انھوں نے ایک تہائی فوج کے اخراجات اپنے

ذمے لے لئے ۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق غزوۂ تبوک کی مہم میں تیس ہزار پیادے اور دس ہزار سوار شامل تھے، اس بنا پر گویا حضرت عثمان رض نے دس ہزار فوج کے لئے سامان اکیلے مہیا کیا اور اس اہتمام کے ساتھ کہ اس کے لئے ایک تسمہ تک ان کے رُوپے سے خریدا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ، ستّر گھوڑے اور دیگر اخراجات کے لئے ایک ہزار دینار پیش کئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی فیاضی سے اس قدر خوش ہوئے کہ اشرفیوں کو دست مبارک سے اچھالتے تھے اور فرماتے تھے

مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ[1] — آج کے بعد عثمان کا کوئی کام اس کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

اسی طرح کے کئی غزوات اور مواقع ہیں جہاں حضرت ذوالنورین رض نے اپنی دولت اسلام پر، مسلمانوں پر اور پیغمبر اسلام ص پر نچھاور کر دی۔ وہ اپنے محبوب آقا کی فقیرانہ اور زاہدانہ زندگی دیکھ بیقرار رہتے تھے اور موقع بموقع آپ کی خدمت میں تحائف پیش کیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ چار دن آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر و فاقہ میں بسر کئے حضرت عثمان کو معلوم ہوا تو آنکھوں سے آنسو نکل آئے، ہائے! ہم سیر ہو کر کھائیں اور آلِ رسول ص بھوکے رہیں اسی وقت کھانے پینے کا بہت سا سامان اور تین سو درہم نقد لے کر حاضرِ خدمت ہوئے اور نذرانہ پیش کیا۔

دوستوں کے ساتھ بھی فیاضی کا سلوک کرتے تھے، گویا ان کے بحرِ سخاوت سے غرباء تو سیراب ہوتے ہی تھے، اُمراء بھی محروم نہیں رہتے تھے۔

---

[1] مستدرک حاکم بحوالہ سیر الصحابہ جلد ۱ - ص ۱۸۰

ضرورت پڑنے پر دوستوں کو بڑی بڑی رقمیں دیتے تھے اور بسا اوقات واپس نہیں لیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت طلحہؓ نے ایک بڑی رقم قرض لی کچھ دنوں بعد واپس دینے آئے تو لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا یہ تمہاری مروّت کا صلہ ہے، اپنے رشتہ داروں کو بھی خوب نوازتے تھے۔ آپ کا چچا حکم بن العاص جس نے اسلام قبول کرنے پر آپ پر بڑے ستم ڈھائے تھے، اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف جلاوطن کر دیا تھا، حضرت عثمانؓ بارگاہِ نبوّت میں حاضر ہوئے چچا کی سفارش کی، خطا معاف کرائی اور اپنی ذمہ داری میں اسے مدینہ بلایا۔ اور اپنی جیب سے اس کی اولاد کو ایک لاکھ درہم عطا فرمائے۔

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ غنا یا مالداری بذاتِ خود کوئی بُری چیز نہیں البتہ انسان کا طرزِ عمل اسے بُرا بنا دیتا ہے، کتنے ہی مالدار ہیں جن کی دولت جھوٹی نمود و نمائش پر خرچ ہوتی ہے، شراب و شباب پر خرچ ہوتی ہے، دنیا بھر کے سیر سپاٹوں پر خرچ ہوتی ہے مگر وہ اللہ کی رضا کی خاطر ایک پائی خرچ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، غریب مسلمانوں کے لئے ان کی تجوریوں کے منہ کبھی نہیں کُھلتے، اور تو اور وہ اپنے نادار رشتہ داروں پر کبھی خرچ نہیں کرتے بلکہ ان سے یوں منہ موڑتے ہیں گویا ان سے ان کا کوئی تعلق نہیں، خونی اور نسلی رشتوں تک کو بھول جاتے ہیں۔

مگر سیّدنا عثمانؓ بن عفّان کی دولت رفاہِ عام میں خرچ ہوتی تھی، مجاہدوں کے لئے اسلحہ کی خریداری پر خرچ ہوتی تھی، غریب مسلمانوں پر خرچ ہوتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آلِ رسولؐ پر خرچ ہوتی تھی، اپنے نادار عزیزوں پر خرچ ہوتی تھی۔ اگر یہی جذبۂ سخاوت ہمارے اغنیاء کے اندر پیدا ہو جائے تو ملک بھر میں کوئی غریب نہ رہے۔ پھر کشمیر، بوسنیا اور نو آزاد مسلم

ریاستوں کے مسلمانوں کو مدد کی خاطر کافروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہ رہے۔

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب

اگر عثمان صرف مالدار ہوتے یا مال کا کمانا اور جمع کرنا ہی ان کا مقصودِ حیات ہوتا تو وہ آقا کی نظر میں کبھی نہ جچتے مگر وہ تو آقا کی نظر میں جچ گئے اور ایسے جچے کہ آقا نے اپنی دامادی میں قبول فرمالیا۔ آپ کیا سمجھتے ہیں یہ کوئی معمولی شرف تھا جبکہ ہماری حالت یہ ہے کہ ہم جب کسی کو اپنا داماد بنانا چاہتے ہیں تو اس کے حالات کی تحقیق کرتے ہیں، اس کی اچھائیوں اور کمزوریوں کا اچھی طرح جائزہ لیتے ہیں، اس کے حسب نسب اور چال چلن کے بارے میں معلومات کرتے ہیں تب جاکر اپنی بیٹی اس کے عقد میں دیتے ہیں، کوئی بھی شخص خواہ کتنا بھی گرا پڑا کیوں نہ ہو اگر اس میں غیرت کا جذبہ ہو تو وہ کبھی بھی کسی ایرے غیرے کو اپنی بیٹی دینے کے لئے تیار نہیں ہوگا تو کیا آپ کا خیال ہے کہ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لختِ جگر کا عقدِ نکاح کرنے سے پہلے اپنے ہونے والے داماد کا جائزہ نہیں لیا ہوگا؟ اس کے حالات کی تحقیق نہیں کی ہوگی؟

حقیقت یہ ہے کہ جو حضرات عثمانؓ کی امانت و دیانت پر انگلی اٹھاتے ہیں وہ اصل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتخاب کو مشکوک ٹھہراتے ہیں ان کا غلیظ خیال یہ ہے کہ ہم تو اپنی بیٹیوں کے لئے کسی کمزور کردار کے مالک کو حقوقِ زوجیت کے لئے منتخب نہیں کرسکتے مگر آقائے دوجہاں نے شرف دامادی کے لئے ایسے شخص کو منتخب فرمالیا جو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ خائن تھا جبکہ عثمانؓ پر نبی کا اعتماد دیکھئے کہ جب حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوگیا تو آقا نے اپنی دوسری لختِ جگر اُمِ کلثومؓ کا نکاح عثمانؓ سے کردیا اور جب قضائے الٰہی سے ان کا بھی

انتقال ہوگیا تو بعض روایات کے بموجب آقاؐ نے بڑی حسرت سے فرمایا تھا عثمان کیا کروں میری یہی دو بیٹیاں تھیں، اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو یکے بعد دیگرے تیرے ہی عقد میں دیتا چلا جاتا۔

اللہ اکبر! کوئی حد ہے آقاؐ کے اعتماد کی، آقا کی محبت کی، آقا کی چاہت کی

**خوفِ خدا**

اور یہ اعتماد، یہ محبت، یہ چاہت بلا وجہ نہیں تھی۔ آقاؐ نے عثمان رضؓ کے اندر وہ اوصاف دیکھے تھے جو خال خال ہی لوگوں میں جمع ہو پاتے ہیں۔ آقاؐ نے عثمانؓ میں فیاضی دیکھی، خوفِ خدا دیکھا، اللہ اور اس کے رسول کی سچی محبت دیکھی، سنت کی اتباع اور اطاعت کا جذبہ دیکھا، حیاء دیکھی، زہد و تقویٰ دیکھا، عاجزی اور تواضع دیکھی، صبر و تحمل دیکھا، عفت و عصمت دیکھی، دیانت داری اور راست بازی دیکھی، رحمدلی اور ایثار دیکھا۔ غرضیکہ عثمان کو سراپا سعادت آثار دیکھا۔ ایک بار نہیں ہزار بار دیکھا۔

فیاضی کا حال تو آپ سن ہی چکے۔ خوفِ خدا کا یہ حال تھا کہ اکثر آبدیدہ رہتے تھے، موت، قبر اور آخرت کا خیال ہمیشہ دامن گیر رہتا، سامنے سے جنازہ گذرتا تو کھڑے ہو جاتے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے، قبرستان سے گذرتے یا آپ کے سامنے قبر کی زندگی کا تذکرہ ہوتا تو اس قدر روتے کہ داڑھی تر ہو جاتی۔ لوگ تعجب سے کہتے کہ آپ کے سامنے جنت کی نعمتوں کا تذکرہ ہوتا ہے دوزخ کی سزاؤں اور تلخیوں کا تذکرہ ہوتا ہے تو آپ پر اتنی رقت طاری نہیں ہوتی آخر قبر میں کیا خاص بات ہے کہ اسے دیکھ کر یا اس کا تذکرہ سن کر آپ کے آنسو رکتے ہی نہیں۔

آپ جواب دیتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے اگر اس منزل سے آسانی اور کامیابی

سے گذر گئے تو باقی منزلیں بھی آسانی سے گذر جائیں گی اور اگر اس منزل میں دشواری پیش آئی تو پھر تمام مرحلے دشوار ہوں گے۔

**احترامِ رسول ﷺ** احترامِ رسول کا یہ حال تھا کہ جس ہاتھ سے آقا کے دست مبارک پر بیعت کی تھی اس ہاتھ کو زندگی بھر نہ شرمگاہ کو لگایا نہ نجاست سے آلودہ ہونے دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پاک ہاتھ کو یہ اعزاز بخشا کہ حدیبیہ کے مقام پر اپنے ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دیا۔ اللہ کو یہ ہاتھ اتنا پسند آیا کہ جمع قرآن کی سعادت بخش دی۔ کوئی ہے جو سیدنا عثمان رضؓ سے یہ سعادت چھین سکے؟

اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ عثمان رضؓ کو اتنی بڑی سعادت اعلیٰ درجہ کے ادب واحترام کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ اس میں تو شک نہیں کہ ازل ہی سے یہ سعادت ذو النورین رضؓ کے مقدر میں لکھی تھی لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ اس میں ان کے ادب واحترام کو دخل نہیں تھا۔ اسی بناء پر آپ سے یہ درخواست کرنے کو دل چاہتا ہے کہ ادب واحترام کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیں، بے ادبی بہت سی سعادتوں سے محروم کر دیتی ہے اور ادب واحترام سے انسان کے نصیب جاگ اٹھتے ہیں اس لئے تو کہا جاتا ہے "با ادب با نصیب بے ادب بے نصیب"

اللہ کا ادب، کلام اللہ کا ادب، رسول اللہ کا ادب، اولیاء اللہ کا ادب، شعائر اللہ کا ادب، بیت اللہ کا ادب، مساجد کا ادب اور والدین کا ادب، بڑوں کا ادب، دنیا اور آخرت کی کامیابی کا ضامن ہے اور ان کی بے ادبی اور بے احترامی تباہی اور خسارے کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔

حضرت عثمان رضؓ کو آقا ﷺ سے جو بے پناہ محبت و عقیدت تھی اس نے انہیں ادب واحترام سکھایا اور ادب واحترام نے آقا ﷺ کا سچا غلام بنا دیا اور جسے ان کی غلامی مل جائے وہ اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ اس کے قدموں میں ساری

سرداریاں نچھاور کی جا سکتی ہیں۔

**قابلِ رشک غلامی** حضرت ذوالنورینؓ کو ایسی قابلِ رشک غلامی ملی کہ وہ اپنے ہر قول و عمل میں اپنے محبوب آقاؐ کی اتباع کرتے تھے یہاں تک کہ حرکات و سکنات میں اور اتفاقیہ باتوں میں بھی ان کے سامنے آقاؐ کا سراپا رہتا تھا۔ مسند ابن حنبل میں ہے کہ ایک دفعہ وضو کر کے مسکرائے، لوگوں نے اس بلا موقع مسکرانے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (روحی فداہ) کو اسی طرح کر کے مسکراتے دیکھا تھا۔

ایک دفعہ سامنے سے جنازہ گذرا تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

ایک بار مسجد کے دروازے پر بیٹھ کر بکری کا پٹھا منگوایا اور کھایا اور پھر تازہ وضو کیے بغیر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے پھر فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ بیٹھ کر کھایا تھا اور اسی طرح کیا تھا جس طرح میں نے کیا ہے

**حیا** ذوالنورینؓ کی حیاء تو ضرب المثل تھی احادیث کی تمام کتابوں میں نمایاں طور پر اس کا تذکرہ کیا گیا ہے حد تو یہ تھی کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عثمانؓ کی حیاء کا لحاظ فرمایا کرتے

ایک دفعہ صحابہ کرامؓ کے مجمع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے تکلفی کے ساتھ تشریف فرما تھے زانوئے مبارک سے کچھ کپڑا ہٹا ہوا تھا کئی حضرات تشریف لائے مگر آپ اسی حالت میں بیٹھے رہے مگر جب عثمان کے آنے کی اطلاع ملی تو آپ سنبھل کر بیٹھ گئے اور زانوئے مبارک پر کپڑا بھی برابر کر لیا لوگوں نے پوچھا حضرت آپ نے دوسرے حضرات کے لئے یہ اہتمام نہیں کیا عثمانؓ کے لئے اتنا اہتمام کرنے کی کیا

وجہ ہے ؟ آپؐ نے فرمایا عثمان کی حیا سے تو فرشتے بھی شرماتے ہیں (تو کیا میں اس سے حیا نہ کروں)

مؤرخین نے آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ تنہائی اور بند کمرے میں بھی برہنہ نہیں ہوتے تھے۔

تواضع اور سادگی کا یہ حال تھا کہ گھر میں بیسیوں لونڈی اور غلام موجود تھے لیکن اپنا کام آپ ہی کر لیتے تھے اور کسی کو تکلیف نہیں دیتے، رات کو تہجد کے لئے اُٹھتے اور کوئی بیدار نہ ہوتا تو خود ہی وضو کا سامان کر لیتے اور کسی کو جگا کر اس کی نیند خراب نہ فرماتے۔

حضرت عثمانؓ پر طعنہ زنی کرنے والے عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے لوگ سوچیں کہ خود ان کا کیا حال ہے، دو ٹکے کے لوگوں کا بھی یہ حال ہے کہ وہ اپنا کام خود کرتے ہوئے شرماتے ہیں، مگر عرب کے سب سے بڑے تاجر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور لاکھوں مربع میل کے حکمران کا حال یہ تھا کہ وہ اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کرنے میں بالکل نہیں شرماتا تھا۔

عبادت کا حال یہ تھا کہ دن بھر خلافت کے کاموں میں مصروف رہنے کے باوجود رات کا اکثر حصّہ عبادت و ریاضت میں بسر فرماتے تھے۔ بعض اوقات رات بھر جاگتے اور ایک ہی رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے۔

عام طور پر ہر دوسرے تیسرے دن روزہ رکھتے کبھی کبھی تو مہینہ بھر مسلسل روزہ رکھتے اور رات کو بھی بس اتنا کھاتے کہ زندگی بچانے کے لئے کافی ہوتا۔

بات دور نکل گئی میں بتانا یہ چاہتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی عثمانؓ کو شرفِ دامادی نہیں عطا کر دیا تھا بلکہ اس کی کوئی وجہ تھی اور وہ وجہ کیا تھی ؟ عثمانؓ کا بلند کردار، پاک سیرت اور اعلیٰ صفات اور اخلاق۔

**آقاؐ کی محبت اور اعتماد** | انہی چیزوں کی وجہ سے آپ اپنے عثمان پر اعتماد کرتے تھے اور ان سے محبت رکھتے تھے۔ اور حضرت ذوالنورینؓ کی سیرت گواہ ہے کہ وہ ہر قدم پر مدنی آقاؐ کے اعتماد پر پورے اُترے۔

۶ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارتِ کعبہ کے ارادہ سے مدینہ سے مکہ کی طرف سفر فرمایا لیکن حدیبیہ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ مشرکین کے ارادے اچھے نہیں چونکہ آپؐ لڑنا نہیں چاہتے تھے اس لئے آپؐ نے چاہا کہ کسی کو مصالحتی گفتگو کے لئے مکہ بھیجا جائے۔ اس موقع پر آپؐ کے لشکر میں جلیل القدر صحابہ موجود تھے مگر بالآخر آقاؐ کی نظر جس پر ٹکی ہے وہ حضرت عثمانؓ بن عفان ہی تھے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد بن کر مکہ پہنچے تو کفارِ قریش نے ان کو روک لیا اور سخت نگرانی قائم کردی کہ وہ واپس نہ جانے پائے۔ جب کئی دن گذر گئے اور حضرت عثمانؓ کا کچھ بھی حال معلوم نہ ہوا نہ ہی کوئی خبر آئی تو افواہ پھیل گئی کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ صحابہؓ کی جماعت پر ذوالنورینؓ کی شہادت کی افواہ کا کیا اثر ہوا تھا؟ ان سب کا متفقہ فیصلہ تھا کہ جب تک خونِ عثمانؓ کا انتقام نہیں لے لیں گے یہاں سے نہیں ٹلیں گے۔ اور تو اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی حال تھا۔ چنانچہ آپؐ نے چودہ سو صحابہؓ سے بیعت لی، کس بات پر بیعت؟ خونِ عثمانؓ کے انتقام کی بیعت!

سوچئے، آقاؐ کی نظر میں ذوالنورین کا کیا مقام تھا، صحابہؓ انکے خون کو کتنا عظیم جانتے تھے۔ ہر مسلمان مشتعل ہے، ہر دل لاوا کی طرح پک رہا ہے، عزم اور عہد یہ ہے کہ عثمان کا انتقام لیے بغیر نہیں ٹلیں گے۔ چودہ سو نفوس بیعت کر رہے ہیں اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے آپ نے اپنے دستِ مبارک پر دوسرا ہاتھ

رکھ کر بیعت کی، اپنے ایک ہاتھ کو عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا اور اسے دوسرے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا یہ میں عثمانؓ کی طرف سے بیعت لے رہا ہوں، بلاشبہ یہ حضرت عثمانؓ کے تاجِ فخر کا وہ طرۂ شرف ہے جو ان کے علاوہ کسی دوسرے کے حصّہ میں نہیں آیا۔
سب کا مقام اپنی جگہ، سب کے فضائل و مناقب مسلّم، سب کے کمالات بے مثال!
مگر یہ سعادت جو ذوالنورین کے مقدّر میں لکھی تھی کسی اور کے حصّہ میں نہیں آئی۔

صحابہ کو بھی اس بات کا احساس اور اعتراف تھا کہ یہ بہت بڑی سعادت ہے جو حضرت عثمانؓ کے حصّے میں آئی ہے۔

ایک دفعہ ایک خارجی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بطور طنز اور اعتراض کے پوچھا، کیا یہ سچ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بیعتِ رضوان نہیں کی؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں عثمانؓ اس وقت موجود نہیں تھے مگر ان کی طرف سے اس ہاتھ نے قائم مقامی کی جس سے بہتر کوئی دوسرا ہاتھ نہیں۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ جنابِ ذوالنورینؓ نے جب سے اپنا ہاتھ آقا کے ہاتھ میں دیا اس کے بعد سے اس ہاتھ کے تقدّس کا اتنا لحاظ کیا کہ شرمگاہ تک کو نہیں لگنے دیا، نجاست اور محلِ نجاست سے آلودہ نہیں ہونے دیا۔ آج اس ہاتھ کو یہ عظمت نصیب ہو رہی ہے کہ آقا اپنے ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دے رہے ہیں۔

اور سُنیے اللہ کیا فرما رہے ہیں

| | |
|---|---|
| اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ۔ | بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے |

بیعت کرنے والے ہاتھوں کا ذکر اللہ نے اپنے کلام پاک میں بھی کر دیا اور اس انداز سے کہ رسول کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کو اللہ سے بیعت کرنے والے قرار دیا

اس لئے کہ ان کا اصل مقصد تو اطاعتِ الٰہی ہی تھا۔

جن ہاتھوں کا اللہ نے ذکر فرمایا ان میں وہ ہاتھ بھی شامل تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ہے مگر آپ نے اسے عثمان کا ہاتھ قرار دیا تھا، پھر اس ہاتھ کو اللہ نے یہ سعادت بھی بخشی کہ اسے کلام اللہ کی خدمت اور حفاظت و اشاعت کے لئے قبول فرما لیا

قرآن کے ماننے والے حضرت ذوالنورینؓ کا یہ احسان قیامت تک فراموش نہیں کر سکتے کہ آپ نے پوری امت کو ایک مصحف پر جمع کر دیا ورنہ عجمی النسل لوگوں کے اسلام لانے سے قراتوں کے اختلاف سے یہ حالت ہو گئی تھی کہ ہر کوئی اپنے آپ کو صحیح اور دوسرے کو غلط سمجھتا تھا، حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے یہ سب اختلافات اور واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے اور کانوں سے سنے تھے وہ تو اتنے پریشان ہو گئے کہ سیدھے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور سارے حالات تفصیل سے عرض کر کے کہا:

"امیر المؤمنین اگر جلد اس کی اصلاح کی فکر نہ ہوئی تو مسلمان عیسائیوں اور رومیوں کی طرح اللہ کی کتاب میں شدید اختلاف پیدا کر لیں گے"۔

تو قرآن کو ماننے والے تو جناب ذوالنورینؓ کے اس عظیم احسان کو رہتی دنیا تک فراموش نہیں کر سکتے مگر جو قرآن ہی کو نہیں مانتے وہ حضرت عثمانؓ کے احسان کو کیا مانیں گے۔ مسلمانوں نے خونِ عثمانؓ کے انتقام کی خاطر جو بیعت کی تھی ربِّ کریم کو وہ بیعت اور مسلمانوں کے جذبات اس قدر پسند آئے کہ ان سب کو اپنی رضا کا پروانہ دے دیا اور جب اپنے کلام میں اس بیعت کا ذکر فرمایا تو اس درخت کا تذکرہ بھی فرمایا جس کے نیچے بیٹھ کر صحابہ نے بیعت کی تھی، فرمایا:

| | |
|---|---|
| لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ | بیشک اللہ خوش ہوا ان مسلمانوں سے جب کہ |
| اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ | وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے۔ |
| فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ | اور اللہ کو معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا |

فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ — سو اللہ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا اور
وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا — ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح بھی دے دی۔

یہ بیعت جسے بیعتِ رضوان کا نام اسی لئے دیا جاتا ہے کہ بیعت کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ نے راضی ہونے کا اعلان فرمایا، اور یہ بیعت کیوں لی گئی؟ خونِ عثمانؓ کے انتقام کے لئے! تو گویا خونِ عثمان کے انتقام کا عزم اور عہد اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی عطا کرنے کا ذریعہ بن گیا۔

**ایک اہم نکتہ** یہاں میں آپ کی توجہ ایک اہم نکتہ کی طرف دلائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ یہ کہ صلح حدیبیہ کے پورے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو پہلے قدم پر ہی حضرت عثمان کے شہید ہو جانے کی افواہ کی تردید فرماتے مگر آپؐ نے تو تردید فرمانے کے بجائے صحابہ کرامؓ سے بیعت لینا شروع کر دی کہ انتقام لیے بغیر نہیں رہیں گے۔

مجھے بلکہ علماء حق میں سے کسی کو بھی اس بات سے انکار نہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حساب علم سے نوازا گیا تھا، آپ کو اولین اور آخرین کے علوم عطا کئے گئے لیکن جہاں تک علمِ غیب کا تعلق ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے غیب کے خزانوں کی چھوٹی بڑی تمام چابیاں صرف اسی کے پاس ہیں۔

ہمارے ہاں تو یار لوگوں کا حال یہ ہے کہ حضور تو حضور وہ اپنے بناسپتی پیروں کے لئے بھی علم غیب ثابت کرتے ہیں۔

پچھلے دنوں ایک پروفیسر صاحب کی کتاب نظر سے گذری جو انھوں نے پاکستان کے ایک مشہور پیر صاحب کے بارے میں لکھی ہے مجھے اس کی ایک بات پر ہنسی بھی آئی اور مصنف کے عقلی حدودِ اربعہ پر تعجب بھی ہوا کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ ایسی ایسی کمزور باتیں لکھتے ہیں۔ انہوں نے لکھا کہ کوئی پیر اس وقت تک

کامل نہیں ہو سکتا جب تک اسے اپنے مرید کے گھر کی مرغیوں کی رنگت تک معلوم نہ ہو۔

اندازہ فرمائیے ذہنیت کا کہ جناب کے نزدیک پیر اس وقت کامل ہوتا ہے جب اسے مرید کے گھر کے تمام احوال یہاں تک کہ مرغیوں کے پروں کی رنگت تک معلوم ہو۔ حالانکہ صحیح اور حق بات تو یہ ہے کہ پیر کے کامل ہونے کا معیار صرف یہ ہے کہ وہ مدنی آقاؐ کا سچا غلام ہو جیسا غلام عثمان بن عفان تھا کہ ایمان قبول کرنے کے بعد فنافی الرسول کے مقام تک پہنچ گئے، آقاؐ جیسی صورت، آقاؐ جیسی سیرت، آقاؐ جیسے اعمال، آقاؐ جیسے اقوال، آقاؐ جیسی حرکات، آقاؐ جیسی ادائیں آقاؐ جیسی نماز، آقاؐ جیسا حج ـــــ غرضیکہ سب کچھ آقاؐ جیسا ـــــ اور جب وہ فنافی الرسول کے مقام تک پہنچے تو اللہ نے بھی انہیں چمکایا خوب چمکایا، خوب کام لیا، دین کی خدمت کی انہیں خوب توفیق دی، کئی علاقے ان کے دور میں فتح ہوئے۔ آج حقیقت میں ان کی فتوحات ہی کی برکت سے کئی علاقوں میں مسلمان آباد ہیں۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطابؓ کے دور میں جو کام ادھورے رہ گئے ان کی تکمیل جناب ذوالنورینؓ کے ہاتھوں ہوئی۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد کئی علاقوں میں بغاوتیں ہوئیں جنہیں حضرت عثمانؓ نے نہایت ہوشیاری سے فرو کیا مصر میں بغاوت ہوئی، آرمینیہ اور آذربائیجان کے باشندوں نے خراج دینا بند کر دیا، خراسان والوں نے سرکشی اختیار کی لیکن آپؓ نے اپنی بہترین حکمت عملی سے مفتوحہ ممالک کی رعایا کو اطاعت پر مجبور کر دیا۔ آپؓ ہی کے دور میں افریقہ کے مختلف ممالک طرابلس، برقہ اور مراکش فتح ہوئے، ایران کی فتح تکمیل کو پہنچی اور افغانستان خراسان اور ترکستان کے ایک حصے پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔ دوسری جانب آرمینیہ اور آذربائیجان فتح ہوئے تو اسلامی سرحد کوہ قاف تک پھیل گئی۔

بحری فتوحات کا تو آغاز ہی حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ہوا آپ نے ایک عظیم الشان بحری بیڑا تیار کر کے جزیرۂ قبرص (سائپرس) پر اسلامی پھریرا بلند کیا اور بحری جنگ میں قیصرِ روم کے بیڑے کو جس میں پانچ سو جنگی جہاز شامل تھے، ایسی شکستِ فاش دی کہ دوبارہ رومیوں کو اس جرأت کے ساتھ بحری حملہ کی ہمت نہ ہوئی۔

میرے دوست! پیر کامل اور اولیاء اللہ تو یہ حضرات تھے جو ایک طرف زاہدِ شب زندہ دار تھے اور دوسری طرف میدانِ جہاد کے نامور سپہ سالار تھے اور انہی کی غلامی سے کمال حاصل کیا جا سکتا ہے۔ باقی رہی مرغیوں کے پروں کی رنگت تو اس کا جاننا قطعاً ولایت و معرفت کی علامت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے سچے ولیوں کی سچی غلامی نصیب فرمائے۔

**واقعۂ شہادت** گرامی قدر حاضرین! میں پچھلی نشست میں سیدنا عثمانؓ بن عفان کی سیرت اور ان کے اخلاق و کمالات پر قدرے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈال چکا ہوں اب میں چاہتا ہوں کہ آپ کی اُس مظلومانہ شہادت کا تذکرہ کروں جس کی کوئی دوسری مثال کم از کم میرے علم میں تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔

حضرت عثمانؓ کی گیارہ سالہ خلافت میں ابتدائی چھ سال بڑے امن و سکون سے گذرے، کئی علاقے فتح ہوئے اور مالِ غنیمت کی فراوانی ہوگئی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہی مالی فراوانی حالات کو بگاڑنے کا سب سے بڑا سبب بن گئی، اسی لئے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے فرمایا کرتے تھے:

| | |
|---|---|
| لَا اَخَافُ عَلَیْکُمُ الْفَقْرَ | مجھے تمہارے فقر و فاقہ سے کوئی خوف نہیں ہے |
| بَلْ اَخَافُ عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا | بلکہ میں تمہاری دنیاوی دولت ہی کے خطرات سے ڈرتا ہوں۔ |

اس کے علاوہ چند دوسرے اسباب بھی تھے جو فتنہ و فساد پھیلانے کا ذریعہ بن گئے۔

سب سے پہلی وجہ تو یہ تھی کہ کبارِ صحابہ اُٹھتے جاتے تھے، کچھ بڑھاپے کی وجہ سے گوشہ نشین ہو گئے تھے اور جو نئی نسل ان کی جگہ لے رہی تھی وہ زہد و تقویٰ اور عدل و انصاف میں اپنے بزرگوں سے کمتر تھی خاص طور پر جن عجمی النسل لوگوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا، ان میں سے بعض پوری طرح عجمیت کے اثر سے پاک نہیں ہوئے تھے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ فطرۃً نیک اور انتہائی نرم طبیعت کے مالک تھے اور لوگوں سے عام طور پر سختی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے جبکہ ان سے پہلے سیدنا عمر فاروقؓ کے جلال سے بڑے بڑے خوف کھاتے تھے، حضرت عثمانؓ کے اس نرم رویّہ کی وجہ سے شریروں کے حوصلے بڑھ گئے۔

اپنے خاندان والوں کے ساتھ آپ جو حسنِ سلوک کرتے تھے وہ بھی طبعی نرمی اور فطری مروّت کی وجہ سے تھا لیکن بعض بدبختوں نے اسے کچھ اور ہی رنگ دے دیا

تیسری اور سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ کابل سے مراکش تک کا جو علاقہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا اور جہاں اب اسلامی پھریرا لہرا رہا تھا وہاں سینکڑوں قومیں آباد تھیں۔ ان محکوم قوموں کے دل میں قدرتی بات ہے کہ مسلمانوں کے خلاف انتقام کے جذبات تھے لیکن وہ سامنے آکر مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں رکھتے تھے، بالخصوص یہودی تو انتقامی جذبات سے دیوانے ہوئے جا رہے تھے، اسلام سے پہلے وہ عرب کی معیشت اور سیاست پر چھائے ہوئے تھے، یثرب میں تو انہی کا سکّہ چلتا تھا، اسلامی انقلاب کی کامیابی نے ان کے عزائم خاک میں ملا دیئے تھے اب وہ کسی نہ کسی طرح اپنی ناکامی اور ذلت و رسوائی کا انتقام مسلمانوں سے لینا چاہتے تھے۔

**مرکزی نکتہ** ان میں سے ایک ازلی بدبخت عبداللہ بن سبا اسلام کالبادہ اوڑھ کر اٹھا اور اس نے تمام فسادیوں کو صرف ایک نکتہ پر متحد کردیا وہ نکتہ یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے عمّال کو بدنام کیا جائے اور کسی بھی طرح انہیں خلافت سے ہٹا دیا جائے۔

اس شرارتی شخص اور اس کی جماعت نے محبتِ اہل بیت کے پردے میں جماعتِ صحابہؓ کو تنقید کا نشانہ بنایا اور عجیب وغریب عقائد ایجاد کئے لیکن ان کی کوششوں کا سب سے بڑا محور حضرت ذوالنورینؓ کی ذات تھی۔

**لچر اعتراضات** آپ کے متعلق ہر گلی کوچے میں یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ کبارِ صحابہؓ کو عہدوں سے معزول کرکے اپنے خاندان والوں کو ان پر مامور کرتے ہیں۔ بیت المال میں ناجائز تصرف کرکے اپنے رشتہ داروں کو نوازتے ہیں، زید بن ثابتؓ کے مصحف کے علاوہ باقی تمام مصاحف جلا کر انہوں نے مصحف کی توہین کی ہے۔ لیکن یہ تمام اعتراضات لچر اور بے ہودہ تھے، اگر کسی عذر کی بنا پر کسی کو بھی معزول کرنا جرم تھا تو یہ جرم تو حضرت عمرؓ نے بھی کیا تھا جنہوں نے خالدؓ سیف اللہ مغیرہ بن شعبہؓ اور فاتحِ ایران سعد بن ابی وقاصؓ کو معزول کردیا تھا۔ اگر یہ جرم تھا تو یہ جرم حضرت علیؓ نے بھی کیا تھا جنہوں نے اقتدار کی باگ ڈور سنبھالتے ہی طرابلس، آرمینیہ اور قبرص کے فاتحین کو معزول کردیا تھا۔ جہاں تک بیت المال میں ناجائز تصرف اور رشتہ داروں کو نوازنے کا تعلق ہے تو حضرت عثمانؓ جیسے عرب کے سب سے بڑے تاجر اور غنی شخص کو اس کی ضرورت ہی کہاں تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنا دے رکھا تھا کہ شاید عبداللہ بن سبا جیسے کمینوں نے خواب میں بھی نہ دیکھا ہو۔ وہ اپنے رشتہ داروں کو نوازتے ضرور تھے مگر بیت المال سے نہیں بلکہ اپنی جیبِ خاص سے ان کی مدد کرتے تھے اور یہ سلسلہ

خلافت ملنے سے بہت پہلے انہوں نے شروع کر رکھا تھا اور خلافت ملنے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا، وہ تو کسی اجنبی کی غربت اور افلاس دیکھ نہیں پاتے تھے اپنوں کی تکلیف وہ کیسے برداشت کر سکتے تھے ۔

جہاں تک زیدؓ بن ثابت کے مصحف کے علاوہ باقی مصاحف کے جلانے کا تعلق ہے تو یہ تو ان کا امت پر احسان تھا کہ انہوں نے پوری امت کو ایک مصحف پر جمع کر دیا تاکہ کسی بدخواہ کو رسم الخط یا قراءتوں کے اختلاف کی بنیاد پر امت کو لڑانے کا موقع نہ ملے ۔

غرضیکہ فسادیوں کے تمام اعتراضات بے بنیاد اور بے اصل تھے لیکن ان کا پروپیگنڈا اتنا شدید تھا کہ بعض اچھے لوگ بھی ان کی باتوں میں آگئے ۔

**فساد بمقابلۂ اصلاح** حضرت عثمانؓ کی شہادت والے سال یعنی ۳۵ھ میں تو ان فسادیوں کے حوصلے اتنے بلند ہو گئے تھے کہ وہ برسرِ عام امیر المؤمنین پر دست درازیاں کرنے لگے تھے ۔

ایک دفعہ جمعہ کے روز حضرت عثمانؓ منبر پر خطبہ دے رہے تھے ابھی حمد و ثنا ہی شروع کی تھی کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا : "عثمانؓ! کتاب اللہ پر عمل کر!" آپ نے اسے نرمی سے بیٹھنے کے لئے کہا مگر وہ بار بار کھڑا ہو جاتا اور اس نے تین بار یہی جملہ دہرایا لیکن صبر و تحمل کا پیکر اسے ہر بار پیار سے بیٹھنے کے لئے کہتا رہا مگر سازش تو پہلے سے تیار تھی ایک دم ہر طرف سے فسادی اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے سنگریزوں اور پتھروں کی اس قدر بارش کی کہ نائبِ رسول زخموں سے چور ہو کر منبرِ رسولؐ سے فرشِ خاک پر گر پڑے مگر صبر و تحمل کا یہ عالم کہ اس قدر بے ادبی اور زیادتی کے باوجود آپ نے عفو و درگذر سے کام لیا بلکہ فسادیوں کی زیادتیوں کے باوجود آپ ان کی شکایات دور کرنے کی کوشش فرماتے رہے ۔

حضرت طلحہؓ نے مشورہ دیا کہ حالات کی تحقیق کے لئے ملک کے مختلف حصوں میں وفود روانہ کئے جائیں آپ نے فوراً محمد بن مسلمہؓ کو کوفہ میں، اسامہ بن زیدؓ کو بصرہ میں، عمار بن یاسرؓ کو مصر میں، عبداللہ بن عمرؓ کو شام میں اور بعض دوسرے صحابہؓ کو دوسرے صوبوں میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ گورنروں وغیرہ کے حالات اور لوگوں کی شکایات معلوم کر کے مجھے براہِ راست اطلاع دو، اس کے علاوہ عام اعلان فرمادیا کہ اگر رعایا کے کسی بھی فرد کو مجھ سے یا میرے عامل سے کوئی شکایت ہو تو حج کے موقع پر بیان کرے، اس کا ازالہ کیا جائے گا اور ظالم سے مظلوم کو حق دلایا جائے گا۔

کوفہ کے فسادی حضرت سعید بن زیدؓ سے بڑا بغض رکھتے تھے اور ان کا مطالبہ تھا کہ انہیں معزول کیا جائے آپ نے انہیں معزول کر کے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا تقرر کر دیا اور باغیوں کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ میں آخر وقت تک تمہاری اصلاح میں جدّوجہد کروں گا اور کسی وقت بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑوں گا۔

## فساد کا نقطۂ عروج

لیکن باغیوں کو تو اصلاح مقصود ہی نہیں تھی وہ تو فساد پر تُلے ہوئے تھے، جنابِ ذوالنورینؓ دن رات اصلاح کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے، دوسری طرف باغیوں کی سازش مکمل ہو چکی تھی جس کے تحت وہ بصرہ، کوفہ اور مصر سے حاجیوں کی وضع قطع میں مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر انہوں نے شہر سے دو تین میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈال دیا۔ حضرت عثمانؓ کو اس اجتماع کی اطلاع ملی تو آپ نے حضرت علیؓ کو بلا کر کہا کہ آپ اس جماعت کو راضی کر کے واپس کر دیجئے میں تمام جائز مطالبات تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوں۔

مصر کے باغیوں کا سب سے زیادہ اصرار عبداللہ بن ابی سرح کی معزولی کے بارے

میں تھا۔ آپ نے فرمایا تم اپنا امیر منتخب کر لو میں اس کا تقرر کر دیتا ہوں، انہوں نے محمد بن ابی بکرؓ کا انتخاب کیا آپ نے بلا توقف ان کا تقرر کر دیا۔

اس کے بعد آپ نے جمعہ کے روز مسجد میں خطبہ دیا اور لوگوں کو اپنے اصلاحی اقدامات کی تفصیلات بتائیں۔ لوگ خوش ہو گئے کہ اب سارے جھگڑے ختم ہو گئے اور پانچ سال سے جو بدامنی چل رہی تھی اس کا خاتمہ ہو گیا لیکن

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ایک دن اچانک مدینہ کی گلیاں تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھیں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے قیامت کا شور برپا ہو گیا، لوگ دہل گئے یا اللہ یہ کونسی نئی مصیبت آن پڑی ہے، کبارِ صحابہؓ گھبرا کر گھروں سے باہر نکل آئے کیا دیکھتے ہیں باغیوں کی جماعت پھر واپس آگئی ہے اور "انتقام انتقام" کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ حضرت علیؓ نے واپس آنے کی وجہ پوچھی تو مصریوں نے کہا کہ ہمیں راستے میں دربارِ خلافت کا ایک قاصد ملا جو تیزی سے مصر جا رہا تھا ہمیں شک ہوا کہ ضرور ہمارے بارے میں ہی والیِ مصر کے پاس احکام جا رہے ہوں گے، ہم نے اس کی تلاشی لی تو اس سے ایک ایسا فرمان ملا جس میں والیِ مصر کو ہدایت کی گئی تھی کہ مصر پہنچتے ہی ہمیں قتل کر دیا جائے، اس لئے اب ہم اس بدعہدی کا انتقام لینے آئے ہیں۔

## خلافت چھوڑنے کا مطالبہ

حضرت عثمانؓ سے اس واقعہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے حیرت کے ساتھ اس واقعہ سے لاعلمی ظاہر کی اور قسم کھا کر کہا کہ مجھے اس خط کا قطعاً علم نہیں اور نہ ہی میں نے جاری کیا ہے۔ آپ کے حلفیہ انکار سے لوگوں نے سمجھا کہ یہ مروان کی شرارت ہے۔ مصریوں نے کہا خواہ کچھ بھی ہو اب آپ خلافت چھوڑ دیں۔ اس سے کم کسی بات پر ہم راضی نہیں ہوں گے لیکن آپ نے پورے عزم سے جواب دیا کہ جب تک میرے جسم میں جان ہے

میں اس خلعت کو اپنے ہاتھوں سے نہیں اتاروں گا جو اللہ نے مجھے پہنایا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک صبر کروں گا۔

**محاصرہ** حضرت عثمانؓ کے انکار پر باغیوں نے کاشانۂ خلافت کا نہایت سخت محاصرہ کر لیا جو چالیس دن تک مسلسل قائم رہا۔ محاصرہ اتنا سخت تھا کہ اندر پانی بھی نہیں پہنچ پاتا تھا۔ حضرت اُم حبیبہؓ کو حرمِ خلافت کے مکینوں کی بھوک پیاس کی اطلاع ملی تو خچر پر خورد و نوش کا کچھ سامان لیکر حاضر ہوئیں انھوں نے جب اندر جانے کی کوشش کی تو باغیوں نے حرمِ محترم کا بھی کوئی پاس لحاظ نہ کیا اور انہیں بے ادبی کے ساتھ واپس کر دیا۔

حضرت عثمانؓ چھت پر تشریف لائے لوگوں سے پوچھا کیا تم میں علی ہیں؟ جواب ملا نہیں ہیں، فرمایا جاؤ انہیں پیغام دے دو کہ ہم پیاسوں کے لئے کچھ پانی تو بھیج دو۔ حضرت علیؓ کو اطلاع ملی تو تڑپ اٹھے، آج وہ پیاسا ہے جس کے فیض کرم سے سب سیراب ہوا کرتے تھے، آپ نے اندر جانے کی کوشش کی لیکن فسادیوں نے جانے نہ دیا، آپ نے مجبوراً اپنا سیاہ عمامہ قاصد کو دیا کہ جا کر دے دو اور جو حالت ہے وہ بھی جا کر بتلا دو ذمہ دار صحابہ اس وقت مدینہ منورہ میں تین بزرگ تھے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ۔ یہ تینوں حضرات بے تعلق بھی نہیں رہ سکتے تھے اور انہیں حالات پر بھی کوئی قابو نہیں تھا مگر ان تینوں نے اپنے اپنے جگر گوشوں کو خلیفۂ وقت کی حفاظت کے لئے بھیج دیا، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تو اُن جان نثاروں کے افسر متعین ہوئے جو حضرت عثمانؓ کے گھر کے اندر موجود تھے اور حضرت حسنؓ گھر کے دروازے پر پہرہ دینے لگے۔

**دل ہلا دینے والے خطبے** محاصرہ کے زمانے میں حضرت عثمانؓ نے وقتاً فوقتاً جو خطبے ارشاد فرمائے وہ حقیقت میں دلوں کو ہلا دینے اور روحوں کو تڑپا دینے والے خطبے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے چھت کے اوپر سے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

کیا تمہیں معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو یہ مسجد تنگ تھی، آپ نے فرمایا تھا جو اس زمین کو خرید کر مسجد کے لئے وقف کرے گا اسے اس کے بدلہ میں اس سے بہتر جگہ جنت میں ملے گی۔ تو میں ہی تھا جس نے آپ کے حکم کی تعمیل کی تھی، تو کیا اسی مسجد میں آج تم مجھے نماز پڑھنے سے روکتے ہو، میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، بتاؤ کیا تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو اس میں بیرِ رومہ کے سوا میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہ تھا، آپ نے فرمایا تھا "کون ہے جو اسے خرید کر عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دے؟ جو ایسا کرے گا اسے اس سے بہتر جنت میں ملے گا"

تو میں ہی تھا جس نے اس حکم کی تعمیل کی تھی، تو لوگو کیا آج اسی کے پانی سے تم نے مجھے محروم کر رکھا ہے۔

کیا تم جانتے ہو کہ عسرت کے لشکر کو (یعنی غزوہ تبوک کے موقع پر) میں نے ہی ساز و سامان سے آراستہ کیا تھا؟ سب نے جواب دیا، الہا! یہ سب باتیں سچ ہیں مگر اعتراف کرنے کے باوجود سنگدلوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

پھر مجمع کو خطاب کر کے آپ نے فرمایا:

"تم کو قسم دیتا ہوں تم میں کسی کو یاد ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ پر چڑھے تو پہاڑ ہلنے لگا، آپ نے پہاڑ کو پاؤں کی ٹھوکر مار کر فرمایا اے کوہ حرا! ٹھہر جا اس وقت تیری پیٹھ پر ایک نبی اور ایک صدیق اور ایک شہید ہے اور اس موقع پر میں آپ کے ساتھ تھا؟ لوگوں نے کہا یاد ہے۔

پھر فرمایا:

میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں بتاؤ کہ جب حدیبیہ میں آپ نے مجھے اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا تو کیا خود اپنے ایک دست کو میرا ہاتھ قرار نہیں دیا تھا؟

اور میری طرف سے خود ہی بیعت نہیں کی تھی ؟ سب نے کہا یہ بھی سچ ہے ۔ مگر ان باتوں کا اثر کسی پر نہ ہوا ۔

ایک دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا لوگو ! اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر کبھی بھی نماز اکٹھے نہیں پڑھ سکو گے ، جہاد اکٹھے نہیں کر سکو گے اور یہ تو بتاؤ کہ تم مجھے قتل کیوں کرتے ہو ؟ اسلام میں کسی مسلمان کو تین میں سے کسی ایک وجہ سے قتل کرنے کی اجازت ہے یا تو اس وقت جب کوئی مرتد ہو جائے یا اس وقت جب شادی شدہ زنا کا ارتکاب کرے یا اس وقت جب کوئی کسی کو ناحق قتل کرے جبکہ میں نے آج تک کسی کا ناحق خون نہیں کیا ، میں مرتد نہیں ہوا بلکہ اب بھی توحید و رسالت کی گواہی دیتا ہوں ، جہاں تک زنا کا تعلق ہے میں نے زمانہ جاہلیت میں بھی کبھی زنا نہیں کیا پھر آخر تم کیوں میرے قتل کے درپے ہو ؟

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میری دس امانتیں ہیں :

پہلی یہ کہ میں چوتھا مسلمان ہوں ، دوسری یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر رقیہؓ میرے نکاح میں تھیں ، تیسری یہ کہ رقیہؓ کے انتقال کے بعد آپؐ نے اپنی دوسری نورِ چشم اُمّ کلثومؓ کو میرے عقد میں دیا ، چوتھی یہ کہ میں نے کبھی گانا نہیں گایا ، پانچویں یہ کہ میں نے کبھی شراب نہیں پی ، چھٹی یہ کہ میرے دل میں کبھی بدی کی خواہش پیدا نہیں ہوئی ، ساتویں یہ کہ میں نے وہ ہاتھ کبھی شرمگاہ کو نہیں لگایا جس ہاتھ سے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ، آٹھویں یہ کہ میں ہر جمعہ غلام آزاد کرتا رہا ہوں ، نویں یہ کہ میں نے کبھی زنا نہیں کیا ، دسویں یہ کہ میں حافظِ قرآن ہوں ۔ لیکن باغیوں پر ان میں سے کوئی تقریر کارگر نہیں ہوئی ۔

## جان نثاروں کے مشورے اور پیش کش

اس موقع پر بعض جان نثاروں نے مشورے بھی دیئے اور اپنی طرف سے باغیوں کا مقابلہ کرنے کی پیش کش کی

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے آکر عرض کیا حضرت تین باتوں میں سے ایک قبول فرمالیجئے۔

پہلی بات یہ کہ آپ کے جان نثاروں کی بہت بڑی جماعت یہاں موجود ہے اسے لیکر نکلیے اور ان باغیوں کا مقابلہ کر کے انہیں نکال دیجئے وہ باطل پر ہیں آپ حق پر ہیں، لوگ حق کا ساتھ دیں گے۔

دوسری یہ کہ آپ صدر دروازہ چھوڑ کر دوسری طرف سے دیوار توڑ کر خاموشی سے مکہ معظمہ چلے جایئے وہ حرم ہے اس کا یہ لوگ بھی لحاظ کریں گے اور وہاں جنگ کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔

تیسری یہ کہ شام چلے جایئے وہاں کے لوگ آپ کے وفادار ہیں مگر پیکرِ صبر و وفا تینوں میں سے کسی تجویز کو بھی قبول نہ فرمایا۔

آپ نے فرمایا میں ان سے جنگ کر کے وہ پہلا خلیفہ نہیں بننا چاہتا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی خونریزی کرے۔

اگر میں مکہ معظمہ چلا جاؤں تو یہ لوگ حرم الٰہی کی توہین سے بھی باز نہیں آئیں گے اور میں آپ کی پیشین گوئی کے مطابق وہ شخص نہیں بننا چاہتا جو مکہ کی بے حرمتی کا سبب بنے گا۔

میرا شام جانا بھی مشکل ہے کیونکہ میں دار الہجرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار کو نہیں چھوڑ سکتا۔

حضرت امیر معاویہؓ نے شام چلنے کی درخواست کی آپ نے فرمایا خواہ سر سے تن جدا ہو جائے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی نہیں چھوڑ سکتا۔

انہوں نے کہا مجھے فوجیں بھیجنے کی اجازت دیں جو ان باغیوں کا قلع قمع کر دیں، آپ نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسیوں (یعنی مدینہ والوں کو) فوج کے

مصائب میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

انہوں نے عرض کیا پھر تو کسی وقت حملے کا خطرہ ہے آپ نے فرمایا حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔

حضرت زیدؓ بن ثابت نے آکر عرض کیا امیرالمؤمنین! انصار دروازے پر کھڑے اجازت کے منتظر ہیں تاکہ اپنے انصار ہونے کا ثبوت فراہم کریں۔ آپ نے فرمایا میں لڑائی کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے جو میرے دفاع میں تلوار نہ اٹھائے۔

حضرت ذوالنورینؓ کی وسیع حویلی میں اس وقت سات سو مسلمانوں کی جمعیت تھی، ان کے سردار حضرت زبیرؓ کے بہادر صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے باغیوں سے دو دو ہاتھ کرنے کی اجازت چاہی مگر آپ نے اللہ کا واسطہ دے کر فرمایا کہ کوئی بھی میرے لئے اپنا خون نہ بہائے۔

## ہابیل کے بعد

ہابیل کے بعد انسانی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا جب مقتول اپنے دفاع کے لئے بھی قاتل پر ہاتھ اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ قابیل نے جب بغض و حسد میں جل بھن کر ہابیل کو قتل کرنا چاہا تھا تو قرآن بتاتا ہے کہ ہابیل نے اسے کہا تھا

| | |
|---|---|
| لَئِنْ بَسَطْتَ اِلَیَّ یَدَکَ | اگر تم نے مجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ |
| لِتَقْتُلَنِیْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ | میری طرف بڑھایا تو میں تمہیں قتل کرنے کے لئے |
| یَّدِیَ اِلَیْکَ لِاَقْتُلَکَ ۔ | اپنا ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا |

ہابیل کی اس سنت کو اگر کسی نے زندہ کیا ہے تو وہ جناب ذوالنورینؓ ہیں اور یہ تو بہرحال آپ ہی کی خصوصیت تھی جس کا آغاز بھی آپ سے ہوا اور اختتام بھی آپ پر کہ اقتدار پر ہوتے ہوئے اور جان نثاروں کے ہوتے ہوئے بھی

نہ آپؓ نے خود ہتھیار اٹھایا نہ کسی دوسرے کو اٹھانے کی اجازت دی محض اس لئے تاکہ مدینہ والوں کو تکلیف نہ ہو، نبیؐ کے شہر کی بے حرمتی نہ ہو اور یہ کہ کسی کلمہ گو کا خون نہ میرے ہاتھوں بہے نہ میرے لئے بہے۔

باغی اگرچہ شرافت اور تہذیب بلکہ دینداری کی بھی تمام حدیں پھلانگ چکے تھے مگر چونکہ زبان سے کلمہ پڑھتے تھے اس لئے آپ نے ان کا خون بہانا گوارا نہیں کیا۔

**شہادت کی تیاری** حالانکہ آپؓ کو یقین تھا کہ شہادت میرے حق میں مقدر ہو چکی ہے اور یقین کی وجہ یہ کہ خود زبانِ نبوت نے آپ کی شہادت کی پیشینگوئی فرمائی تھی اور آپ کو صبر و استقامت کی وصیت فرمائی تھی، حضرت عثمان اس وصیت پر پوری طرح قائم تھے۔ ادھر باغی اب آخری قدم اٹھانے کا تہیہ کر چکے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حج کا موسم چند روز میں ختم ہو جائے گا اور اس کے ختم ہوتے ہی لوگ مدینہ کا رُخ کریں گے اور یہ موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔

جس دن شہادت ہونے والی تھی آپ روزہ سے تھے اور جمعہ کا دن تھا، اچانک آنکھ لگ گئی خواب میں دیکھا کہ جان دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ تشریف فرما ہیں اور ان سے کہہ رہے ہیں کہ "عثمانؓ جلدی کرو آج افطار ہمارے ساتھ کرنا"

دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ عثمان! آج جمعہ میرے ساتھ پڑھنا۔

آپ بیدار ہوئے تو اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ میری شہادت کا وقت آ گیا ہے باغی مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ انہوں نے کہا امیر المؤمنین ایسا نہیں ہو سکتا فرمایا میں یہ خواب دیکھ چکا ہوں۔

پھر آپ نے پائجامہ منگوایا جو خرید کر رکھا تھا مگر کبھی پہننے کی نوبت نہیں آئی تھی آج وہ پہن لیا، اپنے بیس غلاموں کو بلا کر آزاد کر دیا اور اللہ کا وہ کلام جسے آپ رات بھر پڑھتے تھے مگر سیری نہیں ہوتی تھی اس نازک وقت میں بھی اسی کی طرف متوجہ ہوئے اور قرآن کھول کر تلاوت میں ڈوب گئے۔ ہاں واقعتاً وہ ڈوب کر تلاوت کرتے تھے، انہیں اس وقت دنیا و ما فیہا کی خبر نہیں رہتی تھی۔ ورنہ آپ خود سوچئے کہ ایسے وقت میں جب چاروں طرف خون کے پیاسے مسلح باغی ہوں، کسی وقت بھی حملہ ہو سکتا ہو، اگر ما شما میں سے کوئی ہوتا تو اس کا تلاوت کرنے کو دل چاہتا؟ جان کے لالے پڑے ہوتے خوف کے مارے زبان خشک ہو جاتی مگر دامادِ نبی ﷺ حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ پورے خشوع و خضوع اور تفکر و تدبر کے ساتھ زندگی کی آخری تلاوت میں مصروف ہیں۔

واہ! کیا لذت محسوس ہو رہی ہوگی اس تلاوت میں "تلاوت کرنے والے کو جسے یقین تھا کہ یہ میری زندگی کی آخری تلاوت ہے۔

باغیوں نے اچانک حملہ کر دیا، دفاع کرتے ہوئے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور غلام قنبر زخمی ہو گئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے چھوٹے صاحبزادے محمد بن ابی بکر آگے آگے تھے انھوں نے آگے بڑھ کر آپ رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک پکڑ لی اور زور سے کھینچی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا بھتیجے! اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو تمہاری اس حرکت کو پسند نہ کرتے وہ شرما کر پیچھے ہٹ گئے۔ پھر کنانہ بن بشر آگے بڑھا اور پیشانی مبارک پر اتنے زور سے لوہے کی لاٹ ماری کہ آپ پہلو کے بل گر پڑے، اس وقت بھی زبان سے "تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ" ہی نکلا۔

سودان بن حمران مرادی نے دوسری ضرب لگائی جس سے خون کا فوارہ

جاری ہوگیا۔

ایک اور سنگدل شخص عمرو بن الحمق ذو النورینؓ کے پُرنور سینے پر چڑھ بیٹھا اس نے جسم پر نیزے کے نو زخم لگائے۔

ایک اور بدبخت نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا، وفادار بیوی حضرت نائلہ نے ہاتھ آگے کر دیا جس سے ان کی تین اُنگلیاں کٹ کر الگ ہوگئیں مگر وار پھر بھی نہ رُکا، اس وار نے جناب ذوالنورینؓ کی شمعِ حیات گُل کر دی، آپ کی شمعِ حیات کیا گُل ہوئی مسلمانوں کی قسمت پھوٹ گئی، ان کا اتحاد پارہ پارہ ہوگیا، وہ تلوار جو خون عثمانؓ کے لئے بے نیام ہوئی تھی آج تک بے نیام ہے، فتنہ وفساد کا ایسا دروازہ کھلا جو حشر تک کھلا رہے گا

## ایسی شہادت!!

واہ عثمانؓ تجھے کیسی بے مثال شہادت نصیب ہوئی، صبر وتحمل کا ایسا معیار قائم کر دیا کہ دنیا مثال لانے سے قاصر ہے، کسی کا خون نہیں بہایا، اسی دن بیس غلام آزاد کئے ہیں، جمعہ کا دن ہے روزے کی حالت ہے، کچھ دیر قبل جانِ دوعالمؐ کی زیارت ہو چکی ہے، کلام اللہ کی تلاوت میں مصروف ہیں اور خون بھی قرآن کے مقدس اوراق پر گرتا ہے، جب قیامت کے دن وہ عدالت قائم ہوگی جس میں انصاف کے سوا کچھ نہ ہوگا تو مختلف لوگ اپنی مختلف نیکیاں اور قربانیاں لے کر حاضر ہوں گے۔ان میں شہداء بھی ہوں گے مگر کسی شہید کی شہادت کی گواہی تلوار کی دھار دے گی

کسی کی شہادت کی گواہی نیزے کی انی دے گی،

کسی کی شہادت کی گواہی پھانسی کا پھندا دے گا،

کسی کی شہادت کی گواہی زمین کا فرش دے گا،

کسی کی شہادت کی گواہی جیل کی کال کوٹھڑی دے گی،

کسی کی شہادت کی گواہی بندوق کی گولی دے گی۔

مگر اے عثمانؓ تو کتنا خوش نصیب شہید ہے کہ تیری شہادت کی گواہی رب کا قرآن دے گا۔

## اللہ کا نمٹنا

اور قرآن کریم کی جس آیت کریمہ پر آپ کا مبارک خون گرا وہ یہ تھی:

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ — اللہ تمہیں کافی ہے اور وہ سننے اور جاننے والا ہے۔

اگر اس آیت کریمہ کا بامحاورہ ترجمہ کیا جائے تو یوں ہو سکتا ہے کہ "اللہ ان سے نمٹ لے گا۔" اور اللہ کا نمٹنا تو پھر اللہ ہی کا نمٹنا ہے وہ جیسے نمٹ سکتا ہے کوئی دوسرا کیسے نمٹ سکتا ہے۔

اللہ قاتلین عثمانؓ سے ایسا نمٹا کہ اس کا نمٹنا تاریخ میں مثال بن گیا اور حرمِ عثمانی سے دست درازی کرنے والے دیکھنے اور سننے والوں کے لئے عبرت کا سامان بن گئے۔

محمد بن ابی بکرؓ کے مخالفین نے انھیں گدھے کی کھال میں بند کر کے مصر میں جلا دیا۔

ابو قلابہ کہتے ہیں میں نے ملک شام میں ایک شخص کو دیکھا اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹے ہوئے تھے وہ چلا چلا کر کہہ رہا تھا ہائے دوزخ کی آگ ہائے دوزخ کی آگ!

میں نے پوچھا کہاں ہے آگ؟

اس نے کہا مجھے اندر سے جلا رہی ہے تم اسے نہیں دیکھ سکتے

میں نے پوچھا کون ہو تم؟

اس نے جواب دیا میں وہ بدبخت ہوں جس نے حضرت ذوالنورینؓ کی

اہلیہ حضرت نائلہ کو طمانچہ مارا تھا انہوں نے مجھے بد دعا دی تھی جس کے نتیجے میں میں آج اس حالت کو پہنچا ہوں۔

یزید بن حبیب کہتے ہیں حضرت عثمانؓ پر حملہ کرنے والوں میں سے ہر شخص کو جنون ہو گیا تھا، کوئی بھی اس سے نہیں بچا۔

## مظلومیت کی انتہا

جمعہ کے دن عصر کے وقت شہادت کا واقعہ پیش آیا دو دن تک لاش بے گور و کفن پڑی رہی، حرم رسول میں قیامت تھی، باغیوں کی حکومت تھی، ان کا تسلط تھا، ان کے خوف سے کسی کو علانیہ دفن کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، اتوار کا دن گذر گیا، رات ہوئی تو چند جان نثاروں نے ہتھیلی پر جان رکھ کر تجہیز و تکفین کی جرأت کی اور غسل دیئے بغیر خون آلود کپڑوں میں شہیدِ مظلوم کا جنازہ اٹھایا اور وہ محسنِ اسلام جو کابل سے مراکش تک کا فرمانروا تھا صرف سترہ آدمیوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

## صحابہؓ کے تأثرات

صحابہ کرامؓ اور عام مسلمان حالات کی سنگینی تو محسوس کر رہے تھے مگر یہ بات تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ باغی اس حد تک چلے جائیں گے اور حرمِ مدینہ کا احترام بھی نظروں سے گرادیں گے۔ صحابہؓ میں سے جس نے بھی سُنا وہ سناٹے میں آگیا۔

حضرت علیؓ کو اطلاع ملی تو دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا اے اللہ میں عثمانؓ کے خون سے بَری ہوں۔

حضرت عمرؓ کے بہنوئی سعید بن زید نے کہا لوگو! اس ظلم کی وجہ سے کوہِ احد تم پر گر پڑے تو بھی بجا ہے۔

حضرت حذیفہؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محرمِ اسرار تھے انہوں نے سُنا تو فرمایا: آہ! عثمانؓ کے قتل سے اسلام میں وہ رخنہ پڑ گیا جو اب قیامت تک بند نہ ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضؓ نے کہا: اگر عثمان کے قتل میں سب ہی شریک ہو جاتے تو قومِ لوط کی طرح سب پر آسمان سے پتھر برستے۔

ابو حمید ساعدیؓ صحابی نے قسم کھائی کہ جب تک جیوں گا ہنسی کا منہ نہیں دیکھوں گا۔

عبداللہ بن سلامؓ نے کہا: آہ! آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔

حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا: عثمان مظلوم مارے گئے، اللہ کی قسم ان کا نامۂ اعمال دھلے ہوئے کپڑے کی طرح پاک ہو گیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ حال تھا کہ جب کبھی اس سانحے کا ذکر آجاتا تو دھاڑیں مار مار کر روتے۔

حضرت عثمانؓ کا خون سے رنگین کرتہ اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں شام میں حضرت امیر معاویہؓ کے پاس پہنچ گئیں، جب وہ کرتہ مجمع عام میں کھولا گیا اور انگلیاں دکھائی گئیں تو ماتم برپا ہو گیا اور انتقام انتقام کی آوازیں آنے لگیں۔

میرے دوستو! یہ سانحہ دشمنوں کی سازشوں اور یہودیوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے رونما ہوا اور دشمنانِ اسلام آج بھی مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے درپے ہیں۔ ہمیں حضرت عثمانؓ کی مظلومیت پر آنسو بہانے اور مغفرت کی دعائیں کرنے کے ساتھ ساتھ یہودی ایجنٹوں کی کارستانیوں سے بھی خبردار اور آگاہ ہونے کی ضرورت ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

# صحابہؓ کون تھے؟

وہ مسلمان کہاں اگلے زمانے والے
گردنیں قیصر و کسریٰ کی جھکانے والے
امتیاز ابیض و اسود کا مٹانے والے
سبق انسان کو اخوت کا پڑھانے والے
بھید کیا تھا کہ جو آپس میں ملے تھے نہ کبھی
ہو گئے مشرق و مغرب کے ملانے والے
جن کو کافور پہ ہوتا تھا نمک کا دھوکہ
بن گئے خاک کو اکسیر بنانے والے
بات کیا تھی کہ نہ روما سے نہ ایران سے دبے
چند بے ترتیب اونٹوں کو چرانے والے

مولانا ظفر علی خانؒ

"صحابہؓ کی ایک ایک ادا کو دیکھئے، ان کی زندگی کے ہر نشیب و فراز کو دیکھئے، مکی زندگی کے مظالم کو دیکھئے، بازاروں میں گھسٹتے دیکھئے پتھروں کے نیچے تڑپتے دیکھئے، ہجرت کے کٹھن عمل کو دیکھئے مدنی زندگی کی فتوحات کو دیکھئے، بدر و اُحد کی قربانی کو دیکھئے، میدانِ جہاد میں لڑتے جھپٹتے دیکھئے، شہادت کے شوقِ فراواں کو دیکھئے، مسجد کی خلوتوں میں آنسو بہاتے دیکھئے، آقا پر جان و مال نچھاور کرتے دیکھئے، ان کے معاملات اور لین دین کو دیکھئے، زمانۂ خلافت و امارت کو دیکھئے اور فیصلہ کیجئے کیا دنیا میں کوئی دوسرا استاد بھی ایسا گذرا ہے جس کے شاگرد ایسے باکمال اور جانثار ہوں، کسی یونیورسٹی کے طلبہ کی نشاندہی کیجئے، کسی لیڈر کے ماننے والوں کا نام لیجئے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں آپ پوری انسانی تاریخ کھنگال مارئیے، ملکوں ملکوں پھر جائیے آپ میرے آقاؐ کے غلاموں جیسا کوئی ایک بھی نہ پاسکیں گے۔"

# صحابہؓ کون تھے؟

نحمده ونصلّی علیٰ رسوله الکریم

امّا بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرّجیم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ. (الفتح : ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں آپس میں مہربان ہیں۔ اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں اور کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ (التوبہ : ۱۰۰)

اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

عن عبد اللہ ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ ؐ اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنۃ اللہ علیٰ شرکم (جمع الفوائد)

عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہؐ نے فرمایا جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو تم ان سے کہو خدا کی لعنت ہے اس پر جو تم دونوں فریق میں بدتر ہے

گرامی قدر حاضرین میں آج اپنی ناقص معلومات اور گندی زبان کے ساتھ ان مقدس انسانوں کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جنکے ذکر خیر سے برکتیں نازل ہوتی ہیں

جن کی محبت اھل ایمان کا قیمتی سرمایہ ھے اور جن سے بغض و عداوت کافروں کا شیوہ ھے

جنکے واقعات کے تذکرہ سے ایمان بڑھتا ہے اور قربانی کے جذبات انگڑائیاں لیتے ہیں۔

جن کی قربانیوں کا صدقہ ہمیں سنتِ رسولؐ ملی، محبت رسول ملی، اطاعتِ رسول ملی، غلامیِ رسولؐ ملی، ایمان ملا، رحمان ملا، قرآن ملا، نماز، روزہ، حج زکوٰۃ اور جہاد جیسے فرائض ملے، زندگی کا منشور ملا، معاشرت، معیشت اور سیاست کا دستور ملا۔

وہ مقدس انسان جن کی نشانیاں ربّ کریم نے یہ بتائی ہیں کہ

وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں آپس میں مہربان ہیں اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں اور کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ انکے چہروں پر نمایاں ہیں

دوسری جگہ فرمایا

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ — جس دن اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور جو مسلمان (دین کی رو سے) انکے ساتھ ہیں رسوا نہیں کرے گا

تیسری جگہ فرمایا

لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ — اللہ تعالیٰ نے نبی اوران مہاجرین اور انصار کی توبہ قبول فرمائی جنھوں نے تنگی کے وقت میں نبی کی پیروی کی بعد اس کے کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک فریق کے دل کج ہو جائیں پھر اللہ نے انکو معاف کردیا بلاشبہ وہ ان پر بہت مہربان رحمت کرنیوالا ہے۔

سورۃ حشر میں ان کے بارے میں اعلان فرمایا

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ — یعنی یہی لوگ سچے ہیں

سورہ مجادلۃ میں انہیں حزب اللہ قرار دیا اور فرمایا

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ — وہی اللہ کی جماعت ہیں، سن لو بیشک اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہوگی

## اصل مؤمن تو وہی تھے

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں مؤمنوں کی جتنی خصوصیات صفات اور اخلاق بیان کیئے گئے ہیں اور ان کیلئے جتنی بھی بشارتیں اور عظمتیں ذکر کی گئی ہیں وہ ساری بشارتیں اور عظمتیں وہ ساری خصوصیات اور صفات سب سے پہلے صحابہ کیلئے ثابت ہونگی بعد میں کسی اور کیلئے ہونگی اگر قرآن یہ بتلاتا کہ مؤمن سچے ہیں، نیکوکار ہیں، ان کے ساتھ اللہ ہے مومنوں کیلئے اجر کریم ہے اجر کبیر ہے اجر عظیم ہے

مؤمنوں کیلئے مغفرت ہے بشارت ہے جنت ہے هدایت ہے راحت ہے عزت ہے مؤمنوں پر اللہ کی رحمت ہے ان کیلئے اللہ کی محبت ہے وہ اللہ کی جماعت ہیں وہ بھائی بھائی ہیں

مؤمن اللہ سے ڈرنے والے ہیں اسکے سامنے جھکنے اور گڑ گڑانے والے ہیں

تو یہ ساری باتیں عالم کیلئے بعد میں

محدّث ، مفسّر ، عابد و زاہد کیلئے بعد میں

مجاہد قطب اور ابدال کیلئے بعد میں ثابت ہونگی

سب سے پہلے یہ بشارتیں اور علامتیں صحابہ کیلئے ثابت ہونگی کیونکہ سب سے پہلے مؤمن صحابہ ہیں باقی سب بعد میں مؤمن ہیں بلکہ صاف بات تو یہ ہے کہ اگر صحابہ مومن نہیں تو دنیا میں کوئی بھی مومن نہیں

سوچیئے تو سہی ! اگر ابو بکرؓ و عمرؓ ، عثمانؓ و علیؓ مؤمن نہ ہوں تو کیا ما دشما مؤمن ہوسکتے ہیں ؟

وہ شخص کتنا احمق ہے جو اپنے زمین بوس جھونپڑے کی چھت کی بلندی کا تو ڈھنڈورا پیٹتا ہے مگر آسمان کی بلندی کا انکار کرتا ہے یا جسے اپنے چراغ کی روشنی پر تو بڑا گھمنڈ ہے مگر آفتابِ جہا نتاب کی روشنی اسے دکھائی نہیں دیتی

**وہ کون تھے ؟**

میں تو سمجھتا ہوں کہ ایسا وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دل میں ایمان سچائی اور عدل و انصاف کیلئے رتی برابر جگہ بھی نہ ہو یا جسے صحابہؓ کی قربانیوں ، ان کے مجاہدوں ، ان کے اخلاق اور صفات کا علم نہ ہو

میرے دوستو ! صحابہ کے واقعات ان کی حکایات ان کے معاملات ان کے اخلاق اور ان کی قربانیوں کے تذکرہ سے کتابیں بھری پڑی ھیں ، اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے تو تفصیل سے ان کا مطالعہ کیجئے انشاء اللہ آپ کے ایمان میں اضافہ ہوگا

اور عمل کا جذبہ دل میں پیدا ہو گا

میں انتہائی اختصار کے ساتھ مستند تاریخ اور واقعات کی روشنی میں اس سوال کا جواب عرض کروں گا کہ صحابہؓ کون تھے ؟

اس سوال کا سیدھا سا جواب تو یہ ہے کہ وہ مؤمنون سابقون تھے وہ مسلمون اولون تھے مگر اس جواب سے سوال کا حق ادا نہیں ہو گا جب تک یہ نہ بتایا جائے کہ وہ کیسے مؤمن تھے کیسے مسلمان تھے ان کا ایمان کیسا تھا انہوں نے ایمان کی خاطر کیا کیا قربانیاں دیں ان کی زندگیوں میں کیسا انقلاب آیا ان کی راتیں کیسے گذرتی تھیں ان کے دن کہاں بسر ہوتے تھے ، آخر ان کے اندر وہ کونسی بات پائی جاتی تھی جسکی وجہ سے انہیں دنیا ہی میں جنت کی بشارت سنا دی گئی اور " رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ " کا سرٹیفکیٹ عطا کر دیا گیا اور یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ ساری دنیا کے عابد زاھد اور مجاھد مل کر بھی ایک صحابی کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے ۔

بس یہی وہ نکتہ ہے جو میں سمجھانا چاہتا ہوں یہی وہ حقیقت ہے جو میں کھولنا چاہتا ہوں ۔

میرے بزرگو اور دوستو ! ایمان تو ہم بھی سینوں میں رکھتے ہیں لیکن صحابہؓ کے ایمان کی بات ہی کچھ اور تھی ، ھم نے ایمان کیلئے کوئی قربانی نہیں دی ھم مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے ھمارا نام مسلمانوں والا رکھ دیا گیا اور ھم مسلمان ہو گئے ھمارے ماحول میں مسلمان کہلوانا یا ہونا مشکل نہیں لیکن صحابہؓ نے جس ماحول میں ایمان قبول کیا اس ماحول میں ایمان قبول کرنا موت کو ، مصیبتوں کو ، تکلیفوں کو اور جبر و تشدد کو دعوت دینا تھا لیکن صحابہ کرامؓ نے یہ سب دیکھتے ہوئے جانتے بوجھتے ہوئے ایمان قبول کیا اور

رسول اکرمؐ کا ڈنکے کی چوٹ پر ساتھ دیا
معاف کیجئے گا، میں تو کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اگر ہم حضورؐ کے زمانے میں ہوتے تو کیا ہوتا

ویسے تو ظاہر ہے کون ایسا مسلمان ہوگا جسکے دل میں یہ حسرت نہ اٹھتی ہو کہ اے کاش میں نے کائنات کے سردار کے منوّر، مقدّس، مطہّر اور حسین و جمیل سراپا کی زیارت کی ہوتی، مگر دل میں خیال آتا ہے کہ اگر ہم جیسے کمزوروں کو آپ کا مبارک زمانہ نصیب ہو جاتا اور ہمیں بھی ویسے ہی مصائب کا سامنا کرنا پڑتا جیسے مصائب اور مخالفتوں کا صحابہ کرامؓ کو سامنا کرنا پڑا تو کیا واقعی ہم استقامت کا ثبوت دیتے؟
اللہ تعالیٰ کے اختیار میں تو سب کچھ ہے وہ چاہے تو کمزور سی چڑیا کو ہاتھی سے لڑنے کی جرأت عطا کر سکتا ہے مگر بظاہر جب اپنی کمزوری پر نظر جاتی ہے تو ان مصائب کے سامنے ڈٹے رہنا بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے اور ان مظالم کے تصوّر سے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے لیکن صحابہ کرامؓ نے وہ سارے مظالم برداشت کئے اور ان کے ایمان میں ذرّہ برابر تزلزل واقع نہیں ہوا۔

## مظالم و مصائب میں استقامت

حضرت بلالؓ کو کفّار نے لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں ڈال دیا، لڑکے ان کو مکّہ کی پہاڑیوں میں گھسیٹتے پھرتے لیکن ان کی قوتِ ایمانی میں کسی قسم کا ضعف نہیں آیا۔

حضرت خبابؓ امّ انمار کے غلام تھے وہ اسلام لائے تو امّ انمار نے لوہا گرم کر کے ان کے سر پہ رکھا ایک دن حضرت عمرؓ نے ان کی پیٹھ دیکھی تو کہا کہ آج تک ایسی پیٹھ میری نظر سے نہیں گزری، حضرت خبابؓ نے جواب

دیا کہ "کفار نے انگاروں پر لٹا کر مجھ کو گھسیٹا تھا۔"

حضرت صہیبؓ اور حضرت عمارؓ کو کفار لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں چھوڑ دیتے تھے لیکن دھوپ کی شدت سے ان کی حرارتِ اسلام میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی تھی

کفار حضرت ابو فکیہہؓ کے پاؤں میں بیڑی ڈال کر دھوپ میں لٹا دیتے پھر پشت پر پتھر کی چٹان رکھ دیتے، یہاں تک کہ وہ مختل الحواس ہو جاتے ایک دن امیہ نے ان کے پاؤں میں رسی باندھی اور آدمیوں کو ان کے گھسیٹنے کا حکم دیا اس کے بعد ان کو تپتی ہوئی زمین پر لٹا دیا اتفاق سے راہ میں ایک گبریلا جا رہا تھا امیہ نے استہزاءً کہا "تیرا پروردگار یہی تو نہیں؟" بولے "میرا اور تیرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے" اس پر اس نے زور سے ان کا گلا گھونٹا لیکن اس کے بے درد بھائی کو جو اس وقت اس کے ساتھ تھا اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور اس نے کہا کہ "اس کو اور اذیت دو"

حضرت سمیہؓ حضرت عمارؓ کی والدہ تھیں ایک دن کفار نے ان کو دھوپ میں لٹا دیا تھا اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا تو فرمایا "صبر کرو صبر، تمہارا ٹھکانہ جنت میں ہے" لیکن ابو جہل کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور اس نے برچھی مار کر ان کو شہید کر دیا۔ چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے شرفِ شہادت ان ہی کو نصیب ہوا۔

حضرت عمرؓ کی بہن جب اسلام لائیں اور حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو اس قدر مارا کہ تمام بدن لہولہان ہو گیا لیکن انہوں نے صاف صاف کہدیا کہ جو کچھ کرنا ہو کر و میں تو اسلام لا چکی

حضرت ابو ذر غفاریؓ نے جب خانہ کعبہ میں اپنے اسلام کا اعلان کیا تو ان پر

کفار ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے زمین پر لٹا دیا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے جب اول اول خانہ کعبہ میں قرآن مجید کی چند آیتیں باآواز بلند پڑھیں تو کفار نے ان کو اس قدر مارا کہ چہرے پر نشان پڑ گئے لیکن انہوں نے صحابہؓ سے کہا کہ " اگر کہو تو کل پھر اسی طرح باآواز بلند قرآن کی تلاوت کر آؤں "

ان اذیتوں کے علاوہ کفار ان غریبوں کو اور بھی مختلف طریقوں سے ستاتے تھے، پانی میں غوطے دیتے تھے، مارتے تھے، بھوکا پیاسا رکھتے تھے، یہاں تک کہ ضعف سے بے چارے بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن میں اکثر یا تو لونڈی غلام تھے یا غریب الوطن لیکن انکے علاوہ بہت سے دولت مند اور معزز لوگ بھی کفار کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ رہ سکے،

حضرت عثمانؓ نہایت معزز شخص تھے لیکن جب اسلام لائے تو خود انکے چچا نے ان کو رسی میں باندھ دیا،

حضرت زبیر بن عوامؓ جب اسلام لائے تو ان کا چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر لٹکا دیتا تھا پھر نیچے سے ان کی ناک میں دھواں دیتا تھا۔

حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی سعید بن زیدؓ اسلام لائے تو حضرت عمرؓ نے ان کو رسیوں میں باندھ دیا۔

حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ اور حضرت سلمہ بن ہشامؓ اسلام لائے تو کفار نے دونوں کے پاؤں کو ایک ساتھ باندھ دیا۔

حضرت ابوبکرؓ اسلام لائے تو ایک تقریر کے ذریعے دعوت اسلام دی کفار نے یہ نامانوس آواز سنی تو اُن پر دفعۃً ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ حضرت ابوبکرؓ کے قبیلہ بنو تیم کو ان کی موت کا یقین آگیا اور وہ ان کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر

گھر لے گئے شام کے وقت ان کی زبان کھلی تو بجائے اس کے کہ اپنی تکلیف بیان کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پوچھا اب خاندان کے لوگ بھی ان سے الگ ہو گئے لیکن ان کو اسی محبوب کے نام کی رٹ لگی رہی بالآخر لوگوں نے ان کو آپ تک پہنچا دیا آپ نے یہ حالت دیکھی تو ان کے اوپر گر پڑے، ان کا بوسہ لیا اور سخت رقت طبع کا اظہار فرمایا۔

صبر و استقامت کی یہ بہترین مثالیں تھیں اور صحابہ کرام کے زمانہ میں خود اہل کتاب تک ان کے معترف تھے چنانچہ استیعاب میں ہے کہ جب صحابہ کرامؓ شام میں گئے تو ایک اہل کتاب نے ان کو دیکھ کر کہا کہ عیسیٰ بن مریم کے وہ اصحاب جو آروں سے چیرے اور سولی پر لٹکائے گئے ان سے زیادہ تکلیف برداشت کرنے والے نہ تھے۔

حضرت ام شریکؓ ایمان لائیں تو ان کے اعزہ واقارب نے ان کو دھوپ میں کھڑا کر دیا اور اس حالت میں روٹی کے ساتھ شہد جیسی گرم چیز کھلاتے تھے اور پانی تک نہیں پلاتے تھے جب اس طرح تین دن گزر گئے تو ظالموں نے کہا کہ "جس مذہب پر تم ہو اب اس کو چھوڑ دو" وہ اس قدر بدحواس ہو گئی تھیں کہ ان جملوں کا مطلب ہی نہ سمجھ سکیں اب ان لوگوں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بتایا تو سمجھیں کہ توحید کا انکار مقصود ہے، بولیں "خدا کی قسم میں اسی عقیدہ پر قائم ہوں"۔

### تعلقات کی قربانی

صحابہ کرامؓ کو ایمان کی خاطر صرف جسمانی تکلیفوں ہی کا سامنا نہیں کرنا پڑا بلکہ اُنہیں عزیزانہ تعلقات کی بھی قربانی دینی پڑی، بہن بھائی چھوڑنے پڑے ماں باپ نے منہ موڑ لئے بیوی بچے روٹھ گئے لیکن صحابہ کے ایمانی قدم پیچھے نہیں ہٹے حالانکہ انسان کا مزاج کچھ ایسا ہے کہ وہ بھوک پیاس، بیماری اور فقر و فاقہ کی سختیاں برداشت کر سکتا ہے لیکن خون کے

رشتے نہیں توڑ سکتا مگر اُن عظیم انسانوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ جوڑنے کی خاطر باقی تمام رشتے توڑ دیئے۔

پھر صرف یہی نہیں کہ ایمان کی وجہ سے یہ خونی رشتے ہی ٹوٹ گئے ہوں بلکہ یوں بھی ہوا کہ جن سے خون، نسل اور نسب کے رشتے تھے انہوں نے ایمان قبول کرنے کے جرم کی وجہ سے اپنے ہاتھوں کوڑے مارے، تن کے کپڑے تک چھین لیئے ہاتھوں اور پیروں میں زنجیریں ڈال دیں، کھانا پینا بند کر دیا۔

ذرا تصور کیجیئے جب باپ کوڑے مارتا ہوگا، جب بھائی لباس چھین کر کہتا ہوگا "جا محمدؐ سے مانگ لے"، تو دل پر کیا گزرتی ہوگی، اپنوں کے دیئے ہوئے زخم کا درد کچھ سوا ہوتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اسلام لائے تو ان کی ماں نے قسم کھالی کہ جب تک وہ اسلام کو نہ چھوڑیں گے وہ اُن سے نہ بات چیت کریں گی نہ کھانا کھائیں گی نہ پانی پئیں گی چنانچہ انہوں نے قسم پوری کی یہاں تک کہ تیسرے دن کے فاقہ میں بے ہوش ہوگئیں لیکن حضرت سعد بن ابی وقاصؓ پر اس کا کچھ اثر نہ پڑا اور انہوں نے اپنی ماں سے صاف صاف کہہ دیا اگر تمہارے قالب میں ہزاروں جانیں بھی ہوں اور ایک ایک کرکے ہر جان نکل جائے تب بھی میں اپنے اس دین کو نہ چھوڑونگا۔

حضرت خالدؓ بن سعید اسلام لائے تو ان کے باپ نے ان کو سخت سرزنش کی کوڑے مارے، قید کیا، کھانا پینا بند کر دیا، اور اپنے دوسرے لڑکوں کو ان سے بات چیت کرنے سے منع کر دیا لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت نہ چھوڑی اور آخر کار حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ      کافرہ عورتوں کو نکاح میں نہ رکھو ۔

اور اس کے ذریعے صحابہ کو حکم دیا گیا کہ مکہ میں ان کی جو کافرہ عورتیں هیں ان کو چھوڑ دیں تو حضرت عمرؓ نے اسی وقت اپنی دو کافرہ بیویوں کو طلاق دے دی بہت سی صحابیات اپنے اپنے شوہروں کو چھوڑ کر ہجرت کر آئیں اور ان میں سے ایک بھی اپنے دین سے برگشتہ نہ ہوئی ۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں

| | |
|---|---|
| ما نعلم ان احدا من المهاجرات ارتدت بعد ایمانها۔ | ہم کو کسی ایسی مہاجرہ عورت کا حال معلوم نہیں جو ایمان لاکر پھر مرتد ہوئی ہو ۔ |

## غربت وافلاس

جسمانی تکلیفوں اور عزیزوں کی بے رُخی کے ساتھ ایک اور خوفناک اژدھا تھا جس کا سامنا ایمان والوں کو کرنا پڑا اس اژدھا کو غربت وافلاس کہتے ہیں جو بڑے بڑے سورماؤں کے کس بَل نکال کر سیدھا کر دیتا ہے ، لوگ اس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی عزت وناموس تک کا سودا کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں کتنے ہی لوگ ہیں جو پیٹ کی خاطر ایمان بیچ دیتے ہیں مگر اس نیلگوں آسمان نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں کہ بھوک کیوجہ سے ان کے پیٹ کمر کو لگ جاتے تھے کئی کئی وقت ان کے منہ میں ایک لقمہ تک نہ جاتا تھا مگر راہِ وفا میں ان کے قدم ڈگمگاتے نہیں تھے ۔

حضرت عتبہ بن غزوانؓ کا بیان ہے کہ میں ساتواں مسلمان ہوں ، اس وقت یہ حالت تھی کہ ہم لوگ درخت کے پتے کھا کر گذر اوقات کرتے تھے ، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہمارے جبڑے پھٹ گئے تھے ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سرورِ کونین کے داماد تھے لیکن فقر وفاقہ کا

یہ حال تھا کہ ایک بار گھر میں آئے تو دیکھا، حضرت حسینؓ اور حسنؓ رو رہے ہیں، حضرت فاطمہؓ سے پوچھا یہ کیوں رو رہے ہیں؟ بولیں بھوک سے بے تاب ہیں گھر سے نکلے تو بازار میں ایک پڑا ہوا دینار پایا، اس کا آٹا اور گوشت خریدا لیکن محبت رسولؐ کا یہ عالم تھا کہ اس حالت میں بھی رسول اللہؐ کو مدعو کئے بغیر کھانا نہ کھایا۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے تو کفن تک میسر نہ تھا، بدن پر صرف ایک چادر تھی اسی کا کفن بنایا گیا لیکن وہ اس قدر مختصر تھی کہ سر ڈھکتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے پاؤں چھپاتے تھے تو سر پر کچھ نہیں رہتا تھا بالآخر آپؐ نے فرمایا کہ چادر سے سر کو اور پاؤں کو گھاس سے چھپا دو لیکن اور شہدائے اُحد کو یہ بھی نصیب نہ تھا اسلئے ایک چادر میں متعدد صحابہ دفن کئے گئے۔

اکثر صحابہ کے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا تھا جس کو گلے سے باندھ لیتے تھے کہ تہبند اور کرتا دونوں کا کام دے، ایک صحابی نے رسول اللہؐ سے دریافت فرمایا کہ ایک کپڑے میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ ارشاد ہوا:۔

اولکلکم ثوبان   کیا تم میں ہر شخص کے پاس دو کپڑے ہیں۔

مہاجرین کو کپڑے کی اس قدر تکلیف تھی کہ جب قرآن مجید کے حلقۂ درس میں شامل ہوتے تھے تو باہم مل جل کر بیٹھتے تھے تاکہ ایک کا جسم دوسرے کے جسم کی پردہ پوشی کر سکے۔

ان بزرگوں کے پاؤں میں جوتے نہ تھے، موزے نہ تھے، سر پر ٹوپی نہ تھی، بدن پر کرتہ نہ تھا چنانچہ ایک بار حضرت سعد بن عبادہؓ بیمار ہوئے تو تمام صحابہ اسی حالت میں ان کی عیادت کو گئے۔

کیا منظر ہوگا جب وہ اللہ والے جن کے قدموں کی خاک جنت کی مٹی سے افضل ہے، بازار سے ننگے پاؤں، ننگے سر اور ننگے بدن گذرتے ہونگے اور اللہ اور رسولؐ کے منکر، قیامت کے منکر، قرآن کے منکر مذاق اڑاتے ہونگے پھبتیاں کستے ہونگے، کہتے ہوں گے:

ارے اس لئے آبائی دین چھوڑا تھا کہ یوں غربت و افلاس کی زندگی گزارو تمہیں کیا دیا اس نئے دین اور نئے نبیؐ کی غلامی نے؟

آؤ ہمارے پاس تمہیں نہال اور مالا مال کر دیں گے کعب بن اشرف نے حضرت حضرت محمد بن مسلمہؓ کو عاص بن وائل نے حضرت خبابؓ کو اور شاہ غسّان نے حضرت کعب بن مالکؓ کو لالچ ہی کے ذریعہ اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا تھا مگر وہ لوگ کچھ عجیب ہی قسم کے تھے نہ انہیں ظلم و ستم حق سے برگشتہ کر سکا، نہ عزیزوں کی جفا کاریاں ان کے ارادوں میں تزلزل پیدا کر سکیں، نہ وطن کی جدائی ان سے ایمان چھین سکی، نہ تحریص و ترغیب انہیں آقائے دو جہاںؐ سے بے وفائی پر آمادہ کر سکی اور نہ ہی مشرکوں کی پھبتیاں انہیں اپنے کئے پر شرمندہ کر سکیں۔

## قربانی کا بے پناہ جذبہ

ان کے دل میں اسلام کے لئے سب کچھ قربان کر دینے کا ایسا جذبہ تھا کہ دنیا کی تاریخ میں کسی لیڈر کسی قائد، کسی گرو کسی پنڈت اور کسی مذہبی یا سیاسی رہبر کے ماننے والے میں نہیں پایا جاتا، ان کی سب سے بڑی خواہش اللہ کے راستے میں شہادت تھی ان میں سے ہر ایک دل میں شہادت کا بے تاب جذبہ لئے ہوئے تھا وہ اس موقع کی تلاش میں رہتے تھے جب انہیں اللہ کی راہ میں ناک کان اور گردن کٹوانے کی سعادت حاصل ہو۔

رسول اللہؐ پر ایک بدو ایمان لایا اور آپؐ کے ساتھ ہجرت پر آمادگی ظاہر کی آپؐ نے اس کو بعض صحابہ کے سپرد کر دیا جن کے اونٹ وہ چرایا کرتا تھا لیکن جب ایک غزوہ میں مالِ غنیمت ہاتھ آیا اور آپؐ نے اس کا بھی حصہ لگایا، تو اس نے کہا میں اسلئے ایمان نہیں لایا میں اسلئے حلقۂ اسلام میں داخل ہوا ہوں کہ میرے حلق میں تیر لگے اور میں شہید ہو کر جنت میں داخل ہوں۔ تھوڑی دیر بعد معرکۂ کارزار گرم ہوا تو وہ ٹھیک حلق پر تیر کھا کر شہید ہوا، صحابہ کرامؓ لاش کو آپ کے سامنے لائے تو آپؐ نے فرمایا کہ "اسنے خدا کی تصدیق کی تو خدا نے بھی اسکی تصدیق کی" یہ کہہ کر خود اپنا جبہ کفن کیلئے عنایت فرمایا۔

غزوۂ اُحد میں ایک صحابی نے آپؐ سے پوچھا "اگر میں شہید ہو جاؤں تو میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟" ارشاد ہوا کہ "جنت میں" کھجوریں ہاتھ میں تھیں، ان کو پھینکا اور لڑ کر شہید ہوئے۔

غزوۂ بدر میں جب مشرکین مکہ قریب آگئے تو آپ نے صحابہ کرامؓ کی طرف خطاب کر کے فرمایا "اٹھو اور وہ جنت لو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے"، حضرت عمیر بن الحمام انصاریؓ نے کہا "یا رسول اللہؐ، آسمان و زمین کے برابر" ارشاد ہوا "ہاں" بولے "واہ واہ"، فرمایا "واہ واہ کیوں کہتے ہو؟" بولے "صرف اس امید میں کہ شاید میں بھی اس میں داخل ہو سکوں" ارشاد ہوا کہ "تم داخل ہو گے" اس سوال و جواب کے بعد انہوں نے جھولی سے کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے، پھر شوق شہادت نے جوش مارا اور بولے کہ "اتنا وقفہ بھی جس میں یہ کھجوریں کھا سکوں میرے لئے بہت ہے" یہ کہہ کر کھجوروں کو پھینکا میدان میں گئے لڑے اور شہید ہوئے۔

حضرت انسؓ کے چچا غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اس لئے ہمیشہ

یہ کانٹا ان کے دل میں کھٹکا کرتا تھا۔ غزوۂ اُحد پیش آیا تو اس میں اس جانبازی کے ساتھ لڑ کر شہید ہوئے کہ ان کی بہن کا بیان ہے کہ تیر، نیزے اور تلوار کے اسّی سے زیادہ زخم جسم پر تھے، میں نے صرف انگلیوں سے ان کو پہچانا۔

ایک بار ایک صحابی نے معرکۂ جنگ میں یہ روایت کی کہ "جنت کے دروازے تلوار کے سایہ کے نیچے ہیں"۔ ایک صحابی اُٹھے اور کہا تم نے اس کو رسول اللہ سے سُنا ہے، بولے "ہاں" وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے رفقاء کے پاس آئے اور سلام کر کے رخصت ہوئے، تلوار کا میان توڑ کر پھینک دیا اور دشمن کی صف میں گُھس کر لڑے اور شہید ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن ثابتؓ کو طاعون ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لئے تشریف لائے تو آثارِ موت طاری ہو چکے تھے، عورتیں رونے پیٹنے لگیں، ان کی صاحبزادی روتی تھیں اور کہتی تھیں کہ "مجھے توقع یہ تھی کہ آپ شہید ہوں گے آپ نے جہاد کا سامان مکمل بھی کر لیا تھا، آپ نے فرمایا ان کو نیت کا ثواب مل چکا"۔

حضرت عمروؓ بن الجموح ایک بوڑھے اور لنگڑے صحابی تھے، غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لنگڑا پن کی وجہ سے ان کو مدینہ ہی میں چھوڑ دیا تھا لیکن غزوۂ اُحد میں انہوں نے بیٹوں سے کہا کہ "مجھے میدانِ جہاد میں جانے دو" سب نے کہا "آپ کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کر دیا ہے"۔ بولے "افسوس تم نے مجھے بدر میں جنت سے محروم رکھا اور اب اُحد میں بھی محروم رکھنا چاہتے ہو؟ یہ کہہ کر روانہ ہوئے جب لڑائی کا وقت آیا تو بولے "یا رسول اللہ اگر میں شہید ہو جاؤں تو اسی طرح لنگڑاتا ہوا جنت میں پہنچ جاؤں گا؟" ارشاد ہوا "ہاں" یہ سن کر آگے بڑھے لڑے اور شہید ہوئے۔

**ہے کوئی مثال** گرامی قدر حاضرین! آپ نے دیکھا ان کے اندر اسلام

کے لئے قربان ہوجانے کا کس قدر جذبہ تھا، یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں بے تاب رہتے تھے کہ کب موقع ملے اور کب وہ جان کا نذرانہ اپنے مالک کے حضور پیش کریں۔

ان کی زندگی کے ایک اور پہلو کی طرف آپ کو متوجہ کرتا ہوں آپ نے عوام کو اپنے قائدین سے، شاگردوں کو اپنے استادوں سے، بچوں کو اپنے والدین سے، مریدوں کو اپنے پیروں سے محبت کرتے دیکھا ہوگا، آپنے اس بارے میں داستانیں بھی سُنی ہوں گی، واقعات بھی نظروں سے گذرے ہوں گے لیکن وہ محبت وعقیدت جو صحابہ کرامؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی اس کی نظیر تاریخ میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ محبت وعقیدت کے ساتھ ادب اور احترام اور ادب واحترام کے ساتھ اتباع اور اطاعت میں بھی صحابہ اپنی مثال آپ تھے۔

حضرت اُسید بن حضیرؓ ایک شگفتہ مزاج صحابی تھے، ایک روز وہ ہنسی مذاق کی باتیں کر رہے تھے کہ آپ نے ان کے پہلو میں ایک چھڑی سے کونچ دیا، انہوں نے اس کا انتقام لینا چاہا، آپ اس پر راضی ہوگئے لیکن انہوں نے کہا کہ آپ کے بدن پر قمیص ہے حالانکہ میں برہنہ تھا آپنے قمیص بھی اٹھائی قمیص کا اٹھانا تھا کہ وہ آپ سے لپٹ گئے، پہلو چومے اور کہا یا رسول اللہ یہی مقصود تھا۔

حضرت زاہرؓ ایک بدوی صحابی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت رکھتے تھے اور آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے، آپ بھی ان سے محبت رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ "زاھر ہمارے بدوی ہیں اور ہم ان کے شہری ہیں" ایک دن وہ اپنا سودا فروخت کر رہے تھے آپ نے پیچھے سے آکر ان کو گود میں لے لیا انہوں نے کہا "کون ہے چھوڑ دو" لیکن مڑ کر دیکھا اور معلوم ہوا کہ آپ ہیں تو اپنی پشت کو بار بار آپ کے سینہ سے چمٹاتے تھے اور تسکین نہیں ہوتی تھی۔

ایک دن آپ نے وضو کیا، پانی بچ گیا تو تمام صحابہؓ نے لے کر جسم پر مَل لیا۔ ایک بار آپ سر مُنڈوا رہے تھے، صحابہ کرامؓ نے آپ کو گھیر لیا، حجام سر مونڈتا جاتا تھا اور صحابہ اوپر ہی اوپر سے بالوں کو اُچک لینا چاہتے تھے۔

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو محذورہؓ کی پیشانی پر ہاتھ پھیر دیا اس کے بعد انہوں نے عمر بھر نہ سر کے آگے کے بال کٹوائے نہ مانگ نکالی بلکہ اس کو بطور متبرک یادگار کے قائم رکھا۔

غزوۂ خیبر میں آپ نے ایک صحابیہ کو خود دستِ مبارک سے ایک ہار پہنایا تھا، وہ اس کی اس قدر، قدر کرتی تھیں کہ عمر بھر گلے سے جدا نہیں کیا اور جب انتقال کرنے لگیں تو وصیت کی کہ ان کے ساتھ وہ بھی دفن کر دیا جائے۔

حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آپ کی ایک قمیص، ایک تہبند، ایک چادر اور چند موئے مبارک تھے، انھوں نے وفات کے وقت وصیّت کی کہ یہ کپڑے کفن میں لگائے جائیں اور موئے مبارک منہ اور ناک میں بھر دیئے جائیں۔

آپ کے چند بال حضرت ام سلمہؓ نے بطور یادگار کے محفوظ رکھے تھے اور جب کوئی شخص بیمار ہوتا تھا تو ایک برتن میں پانی بھر کر بھیج دیتا تھا اور وہ اس میں بالوں کو دھو کر واپس بھیج دیتی تھیں جس کو وہ شفا حاصل کرنے کے لئے پی جاتا تھا اور اس سے غسل کر لیتا تھا۔

ادب کا یہ عالم تھا کہ بغیر طہارت کے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا اور آپ سے مصافحہ کرنا گوارا نہ کرتے، مدینہ کے کسی راستہ میں آپ سے حضرت ابوہریرہؓ کا سامنا ہو گیا ان کو نہانے کی ضرورت تھی گوارا نہ کیا کہ اس حالت میں آپ کے سامنے آئیں اس لئے آپ کو دیکھا تو کترا گئے اور غسل کر کے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے آپؐ نے دیکھا تو فرمایا کہ "ابوہریرہ کہاں تھے؟" بولے "میں پاک نہ تھا اس لئے آپ

کے پاس بیٹھنا پسند نہیں کرتا تھا۔

آپ کے سامنے بیٹھتے تو فرطِ ادب سے تصویر بن جاتے احادیث میں اس حالت کا نقشہ ان الفاظ سے کھینچا گیا ہے کأنما علی رؤسھم الطیر یعنی صحابہ آپ کے سامنے اس طرح بیٹھتے تھے گویا ان کے سروں پر چڑیا بیٹھی ہوئی ہے۔

ادب کے مارے آپ کے سامنے چلنا پسند نہیں کرتے۔ ایک سفر میں حضرت ابن عمرؓ ایک سرکش اونٹ پر سوار تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نکل جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان کو ڈانٹا کہ کوئی آپ سے آگے نہ بڑھنے پائے۔

ایک شخص کا نام محمد تھا، حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ایک آدمی اس کو گالیاں دے رہا ہے بلا کر کہا کہ دیکھو تمہاری وجہ سے محمد کو گالی دی جارہی ہے اب تادمِ مرگ تم اس نام سے نہیں پکارے جاسکتے چنانچہ اسی وقت ان کا نام عبدالرحمٰن رکھ دیا پھر بنو طلحہ کے پاس پیغام بھیجا کہ جو لوگ اس نام کے ہوں سب کے نام بدل دیئے جائیں اتفاق سے وہ لوگ سات آدمی تھے اور ان کے سردار کا نام محمد تھا لیکن انہوں نے کہا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے میرا نام محمد رکھا ہے، بولے اب میرا اس پر کچھ زور نہیں چل سکتا۔

## اطاعت کا یہ حال تھا

محبت وعقیدت اور ادب واحترام کے ساتھ وہ اطاعت میں بے مثال تھے، ہماری طرح زبان سے محبت کے خالی دعوے کرنے والے عاشق نہیں تھے بلکہ وہ حقیقی اور سچے عاشق تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں اپنی مرضی، اپنی خواہش اپنا آرام، اپنا خیال اور اپنی سوچ سب کچھ قربان کردیا تھا وہ زندگی کے ہر باب میں آپ کی اطاعت کے لئے آمادہ اور تیار رہتے تھے۔

آپ نے ایک صحابی کو ایک رنگین چادر اوڑھے ہوئے دیکھا تو فرمایا یہ کیا ہے، وہ

سمجھ گئے کہ آپؐ نے ناپسند فرمایا فوراً گھر میں آئے اور اس کو چولہے میں ڈال دیا۔

وہ چادر کسی دوسرے کے استعمال میں آسکتی تھی، عورتیں پہن سکتی تھیں، گھر کے کسی کام میں آسکتی تھی مگر ان کی سوچ یہ تھی کہ جو چیز سرورِ کون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب بنی وہ باقی ہی کیوں رہے؟

حضرت خریم اسدیؓ ایک صحابی تھے جو نیچی تہبند باندھتے تھے اور لمبے بال رکھتے تھے، ایک روز آپؐ نے فرمایا خریم اسدی کتنا اچھا آدمی تھا، اگر لمبے بال نہ رکھتا اور نیچی تہبند نہ باندھتا، ان کو معلوم ہوا، فوراً قینچی منگوائی اس سے بال کترے اور تہبند اونچی کرلی۔

کوئی تاویل نہیں، کوئی حجت نہیں، کوئی عذر پیش نہیں کیا بس آقا کا حکم تھا فوراً تعمیل کرڈالی۔

حضرت حذیفہؓ کے سامنے مدائن کے ایک رئیس نے چاندی کے برتن میں پانی پیش کیا انھوں نے اس کو اٹھاکر پھینک دیا اور فرمایا کہ میں نے اس کو منع کیا تھا یہ باز نہ آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔

جس چیز سے آقا نے منع فرمادیا ہے وہ ہمارے استعمال میں کیسے آسکتی ہے اور میں نے جب اسے ایک دفعہ بتادیا تھا تو پھر یہ وہی پیالہ میرے پاس کیوں لے کر آیا؟

ایک بار آپ ایک راستہ سے گذرے راہ میں ایک بلند خیمہ نظر سے گذرا تو فرمایا یہ کس کا ہے لوگوں نے ایک انصاری کا نام بتایا، آپ کو یہ شان وشوکت ناگوار ہوئی مگر اس کا اظہار نہیں فرمایا، کچھ دیر کے بعد انصاری بزرگ آئے اور سلام کیا لیکن آپؐ نے ناراضی سے منہ پھیر لیا بار بار یہی واقعہ پیش آیا تو انھوں نے دوسرے صحابہ سے آپ کی ناراضی کی وجہ دریافت کی، ناراضی کا سبب معلوم ہوا تو

انہوں نے خیمہ کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔

گو یا صحابہ کو زبان سے کہنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی تھی وہ تو بس آقا کے چہرے کی سلوٹوں، چہرے کی رنگت اور آپ کے سکوت و تکلم ہی سے آپ کی مرضی اور آپ کا منشا معلوم کرتے تھے۔ اور جب نبوت کی مرضی اور منشا معلوم ہو جاتا تھا تو پھر وہ تعمیل میں لمحہ بھر کی تاخیر نہیں کرتے تھے۔

## یقین ایسا تھا

اصل میں انہیں رسول اکرمؐ فداہ امی وابی کی ہر بات ہر ارشاد اور ہر پیشینگوئی پر ایسا یقین تھا کہ شاید ہمیں آسمان کے بلند ہونے، زمین کے پست ہونے، دن کے روشن ہونے، رات کے تاریک ہونے بلکہ اپنے وجود پر ویسا یقین نہ ہو۔ ان کا یقین تھا کہ ہر بات جھوٹی ہو سکتی ہے، ہر خبر غلط ہو سکتی ہے مگر جو بات آقا کے منہ سے نکلی ہو اور جو خبر آقا نے دی ہو وہ جھوٹ اور غلط نہیں ہو سکتی۔

انہیں یہ بھی یقین تھا کہ ہماری دنیا اور آخرت کی کامیابی صرف اور صرف نبیؐ کی سچی غلامی اور نبیؐ کے ہر حکم کی اتباع اور ماننے میں ہے۔

ایک بار حضرت عمران بن حصین رضؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ "اہل و عیال کے رونے سے مُردے پر عذاب ہوتا ہے" اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا کہ اگر ایک آدمی خراسان میں مر جائے اور اہل و عیال یہاں پر ماتم کریں تو کیا آپ کے خیال میں اس پر خراسان میں عذاب ہوگا، بولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا وہ سچ ہے اور تو جھوٹ بکتا ہے۔

ایک بار آپ نے کسی بدو سے گھوڑا خریدا اور قیمت ادا کرنے کے لئے اس کو ساتھ لے چلے لیکن آپ تیزی سے آگے بڑھ گئے اور بدو پیچھے رہ گیا لیکن جن لوگوں

کو معلوم نہ تھا کہ آپؐ نے اس کو خرید لیا ہے وہ بدو سے بھاؤ تاؤ کرنے لگے خریداروں کو دیکھ کر بدو نے آپؐ کو پکار کر کہا، لینا ہو تو لیجئے ورنہ میں گھوڑے کو فروخت کر ڈالتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تم نے تو اس کو میرے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔ بولا نہیں اگر گواہ ہو تو لائیے حضرت خزیمہؓ ابن ثابت اگرچہ بیع کے وقت موجود نہ تھے تاہم کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ تم نے آپؐ کے ہاتھ گھوڑا فروخت کر دیا ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا خزیمہ! تم تو اس وقت موجود نہ تھے جب میرا بدو کے ساتھ سودا ہوا تھا پھر تم نے یہ شہادت کیوں کر دی؟

عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ کی تصدیق کی بناء پر! گویا وہ یوں کہنا چاہتے تھے کہ جب ہم عالم بالا کی خبروں کے بارے میں آپ کی تصدیق کرتے ہیں اور آپ کو سچا جانتے ہیں تو اس چھوٹی سی خبر میں ہم آپ کی تصدیق کیوں نہیں کریں گے؟
چنانچہ حضرت خزیمہؓ کو تمام صحابہ میں یہ منفرد شرف حاصل ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا۔

**عبادت ایسی تھی**

میں صحابہ کی کس کس ادا کا تذکرہ کروں، حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی ہر ادا مثالی اور ان کی ہر بات بے نظیر تھی، ان کا ایمان ان کا یقین، ان کی صداقت، ان کی دیانت، ان کا ایثار، ان کا جذبہ جہاد ان کی فیاضی ان کے معاملات، ان کی عفت و طہارت، ان کی نمازیں اور ان کا صدقہ و خیرات ہر چیز بے مثال تھی۔ آج ہمارے پاس جو کچھ ہے یہ تو حقیقت میں نقل ہے، اصل تو صحابہ کے ہاں تھی۔ ہماری تقریریں اثر سے خالی، ہماری دعائیں روح سے خالی، ہماری نمازیں خشوع سے خالی، ہماری عبادتیں مغز سے خالی اور ہمارا صدقہ وخیرات اخلاص سے خالی ہے۔

آج بھری مسجد میں کوئی ایک نمازی ایسا نظر نہیں آتا جس کی نماز خشوع

وخضوع والی ہو، کوئی ایک بندہ ایسا دکھائی نہیں دیتا جس کی آنکھیں خوفِ آخرت سے آنسو بہاتی ہوں، مگر وہ کیسا قابلِ رشک وقت تھا جب ہر نمازی خشوع وخضوع کا پیکر ہوتا تھا، جب ہر مؤمن کی آنکھیں بارش برساتی تھیں اور دل کی وادی کو سیراب کرتی تھیں، آج یہ وادی بنجر ہوچکی ہے، وہاں روحانیت کے پھولوں کے بجائے مادیت کے کانٹے اُگ آئے ہیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ نماز سے وہ فائدے اور وہ برکتیں حاصل ہوں جن کا وعدہ اللہ کے سچے رسول نے کیا ہے تو پھر صحابہ جیسی نماز پڑھنے کی کوشش کیجئے۔ ان کی نمازوں کا حال احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتا ہے

حضرت ابوبکرؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ اس خشوع وخضوع کے ساتھ نماز اور قرآن پڑھتے کہ ان پر شدت سے گریہ طاری ہوجاتا اور کفار کی عورتوں اور بچوں پر اس کا اثر پڑتا حضرت عمرؓ نماز میں اس شدت سے روتے کہ پچھلی صف کے لوگ رونے کی آواز سنتے۔ حضرت عبداللہ بن شداد کا بیان ہے کہ میں باوجودیکہ پچھلی صف میں رہتا تھا لیکن حضرت عمرؓ کے رونے کی آواز سنتا تھا

حضرت تمیم داریؓ ایک رات تہجد کے لئے کھڑے ہوئے تو صرف ایک آیت یعنی اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّئَاتِ الخ کی قرأت میں صبح کردی، اسی کو بار بار پڑھتے تھے، رکوع کرتے تھے، سجدے میں جاتے تھے اور روتے تھے۔

محبوب سے محبوب چیز بھی اگر صحابہ کی حضوریٔ نماز میں خلل انداز ہوتی تو وہ ان کی نگاہ میں مبغوض ہوجاتی، ایک دن حضرت ابوطلحہ انصاریؓ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے ایک چڑیا اُڑتی ہوئی آئی اور چونکہ باغ بہت گھنا تھا اور کھجوروں کی شاخیں باہم ملی ہوئی تھیں، پھنس گئی اور نکلنے کی راہیں ڈھونڈھنے لگی ان کو باغ کی شادابی اور اس کی اچھل کود کا یہ منظر بہت پسند آیا اور اس کو تھوڑی دیر تک دیکھتے رہے، پھر نماز

کی طرف متوجہ ہوئے تو یہ یاد نہ آیا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں؟ دل میں کہا کہ اس باغ نے یہ فتنہ پیدا کیا، فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کرنے کے بعد کہا یا رسول اللہ میں اس باغ کو صدقہ کرتا ہوں۔

اسی خشوع وخضوع کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضہ نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے۔ حضرت انس رضہ رکوع کے بعد قیام میں دونوں سجدوں کے درمیان اس قدر دیر لگاتے کہ لوگ سمجھتے کہ کچھ بھول گئے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو معلوم ہوتا تھا کہ ستون کھڑا ہے۔ ایک دن رکوع میں اس قدر جھکے رہے کہ ایک شخص نے بقرہ، آل عمران نساء اور مائدہ جیسی طویل سورتوں کی تلاوت کر ڈالی لیکن انہوں نے اس درمیان سر نہ اٹھایا۔

**معاملات کا یہ حال تھا** آپ نے بہت سارے نمازی ایسے دیکھے ہوں گے جو نماز تو پابندی سے پڑھتے ہیں مگر معاملات میں کمزور ہوتے ہیں، کم تولتے ہیں، ملاوٹ کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں۔ ایسے ہی نمازی حقیقت میں نماز کو بدنام کرتے ہیں۔ مگر صحابہ کرام رضہ کی خشوع وخضوع والی طاقتور نمازیں انہیں گناہوں سے روکتی تھیں، ان کے معاملات کی صفائی کو دیکھ کر ہزاروں لوگوں نے ایمان قبول کیا۔

دورِ صحابہ رضہ میں یہ چیز اتنی عام ہوگئی تھی کہ غلام، لونڈیاں اور عام چرواہے تک دیانت داری کی زندگی بسر کرتے تھے۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضہ مدینہ کے اطراف سے نکلے ایک خدا ترس چرواہا بکریاں چرا رہا تھا انہوں نے اس کو کھانے پر بلایا لیکن اس نے عذر کیا کہ میں روزے سے ہوں اب انہوں نے اس کے ورع و تقویٰ کے امتحان لینے کو کہا

ان بکریوں میں سے ایک بکری فروخت کر دو ہم تمہیں قیمت بھی دیں گے اور افطار کرنے کے لئے گوشت بھی لیکن اس نے کہا کہ بکریاں میری نہیں ہیں، میرے آقا کی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تمہارا آقا کیا کرے گا؟ اب چرواہے نے پیٹھ پھیر لی اور آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا تو خدا کہاں چلا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس فقرے پر محو ہو گئے اور بار بار اس کو دھرانے لگے، مدینہ میں پلٹ کر آئے تو اس کو اس کے آقا سے مع بکریوں کے خرید کر آزاد کر دیا اور بکریاں اس پر ہبہ کر دیں۔

ان حضرات کی یہ سوچ کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے انہیں ہر طرح کی خیانت اور بے احتیاطی سے محفوظ رکھتی تھی۔ اور آج ہمارے اندر یہی سوچ نہیں رہی ہے ہم نے جگہ جگہ اس مضمون کے کتبے لٹکا رکھے ہیں کہ "خدا دیکھ رہا ہے" لیکن یہ مضمون ہماری فکر و نظر میں پیدا نہیں ہو سکا۔ صحابہ کرامؓ نے اس مضمون کے کتبے تو نہیں لٹکائے مگر اللہ کے ہر وقت اور ہر جگہ دیکھنے کا یقین ان کے رگ و ریشہ میں سمایا ہوا تھا اور یہی یقین تھا جو بڑی بڑی آزمائشوں میں ان کے قدموں میں لغزش نہیں آنے دیتا تھا۔

ایک بار حضرت اُبی بن کعبؓ نے سو اشرفیوں کا توڑا پایا اور کمالِ دیانت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا کہ ایک سال تک مالک کی جستجو میں منادی کرتے رہو، انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی۔ دوسرے سال پھر حاضرِ خدمت ہوتے، آپ نے پھر یہی حکم دیا وہ حکم بجا لاتے پھر تیسرے سال آئے آپ نے پھر یہی ارشاد فرمایا۔ جب اب کے بھی مالک نہیں ملا تو آپؐ نے فرمایا کہ بحفاظت رکھ لو، اگر مالک مل گیا تو خیر ورنہ خرچ کر ڈالو۔

ایک صحابی کی اونٹنی گم ہو گئی اور انھوں نے دوسرے صحابی سے کہہ دیا کہ ملے تو پکڑ لینا، ان کو اونٹنی مل گئی لیکن اس کا مالک کہیں چلا گیا انہوں نے اونٹنی اپنے یہاں

رکھ چھوڑی کہ مالک آئے تو حوالہ کر دیں۔ اسی اثناء میں اونٹنی بیمار پڑ گئی، بی بی نے کہا ذبح کر ڈالو۔ فقر و فاقہ کی یہ حالت تھی کہ مردار کھانے پر مجبور تھے۔ چنانچہ اونٹنی مرگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کا گوشت کھانے کی اجازت بھی دے دی لیکن کمالِ دیانت سے ذبح کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ مالک آیا تو انہوں نے تمام سرگذشت کہہ سنائی اس نے کہا ذبح کیوں نہیں کر ڈالا بولے تم سے شرم آتی تھی۔

**ایثار کا یہ حال تھا** وہ دوسروں کا حق تو کیا کھاتے ان کا حال تو یہ تھا کہ وہ اپنا حق بھی دوسروں کے لئے چھوڑ دیتے تھے، خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلانا، خود پیاسے رہ کر دوسروں کو پلانا انہیں بڑا اچھا لگتا تھا۔

ایک بار ایک فاقہ زدہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا سو، اتفاق سے آپکے گھر میں پانی کے سوا کچھ نہ تھا اس لئے آپنے فرمایا آج کی شب کون اس مہمان کا حقِ ضیافت ادا کرے گا ایک انصاری یعنی ابو طلحہ رض نے کہا میں یا رسول اللہ، چنانچہ اس کو ساتھ لے کر گھر آئے، بی بی سے پوچھا کچھ ہے؟ بولیں صرف بچوں کا کھانا ہے۔ بولے بچوں کو تو کسی طرح بہلاؤ جب میں مہمان کو گھر لے آؤں تو چراغ بجھا دو اور میں اس پر یہ ظاہر کروں گا کہ ہم بھی ساتھ کھا رہے ہیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ صبح کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا کہ رات خدا تمہارے اس حسن سلوک سے بہت خوش ہوا اور یہ آیت نازل فرمائی

| | |
|---|---|
| وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ | وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں گو وہ خود تنگ دست ہوں۔ |

ایک غزوہ میں حضرت عکرمہ رض، حضرت حارث بن ہشام رض حضرت سہیل بن عمرو رض زخم کھا کر زمین پر گرے اور اس حالت میں حضرت عکرمہ رض نے پانی مانگا، پانی آیا تو انھوں

نے دیکھا حضرت سہیل رض پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں بولے پہلے ان کو پلاؤ، حضرت سہیل رض کے پاس پانی آیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت حارث بن ھشام رض کی نگاہ بھی پانی کی طرف ہے، بولے ان کو پلاؤ بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کے منہ میں پانی کا ایک قطرہ نہ گیا اور سب نے تشنہ کامی کی حالت میں جان دی۔

حضرت سعد بن عبادہ رض کے قلعہ کے اوپر سے روزانہ ایک آدمی پکارتا کہ جس کو گوشت اور چربی کی خواہش ہو وہ یہاں آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو زیادہ تر دہی کھانا تیار کرواکے بھیجتے تھے۔

اصحاب صفہ کے معاش کا زیادہ تر دار و مدار ان ہی کی فیاضی پر تھا۔ چنانچہ جب شام ہوتی تو اور صحابہ ان میں سے ایک یا دو کو لے جاتے لیکن وہ اسّی اسّی آدمیوں کو لے جا کر کھانا کھلاتے۔

**خلافت یوں نبھائی**

بعض دریدہ دہن لوگ بڑی جرأت سے کہتے ہیں کہ صحابہ آپس میں خلافت کے لئے اور عہدوں کے لیے لڑتے تھے مگر آپ سوچ بھی سکتے ہیں کہ جن کی تربیت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انداز سے فرمائی تھی کہ وہ خود بھوکے اور پیاسے رہ کر دوسروں کو کھلاتے اور پلاتے تھے وہ عہدوں کی خاطر لڑیں گے؟

صحابہ رض خلافت کو ایک مقدّس امانت اور بہت بڑی ذمہ داری سمجھتے تھے، ان میں سے کوئی بھی امارت و حکومت کی خواہش نہیں رکھتا تھا۔

خلافت ملنے کے بعد انھوں نے جس طرح سے اسے نبھایا ہے وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ بعض دنیا پرست لوگ صحابۂ کرام رض کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ جیسے ہم عہدوں کی خاطر لڑتے ہیں، صحابہ رض بھی لڑتے

ہوں گے اور یہ کہ جیسے ہم عہدے حاصل کرنے کے بعد مزے کرتے ہیں، معاذ اللہ صحابہؓ بھی ایسے ہی کرتے ہوں گے حالانکہ خلفاء راشدین کے دور خلافت کی زندگی کو ہم اپنے سامنے رکھیں تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک مزدور کی زندگی بھی ان سے زیادہ مزے میں گذرتی تھی۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ صبح اٹھتے تو پہلا کام یہ انجام دیتے کہ جو لوگ تہجد پڑھ کر سو جاتے تھے ان کو نمازِ فجر کے لئے جگاتے عشاء کے بعد ان کا سب سے آخری فرض یہ تھا کہ مسجد کی دیکھ بھال فرماتے جو لوگ عبادتِ الٰہی میں مصروف ہوتے ان کے سوا دوسرے بیکار آدمیوں کو نہ رہنے دیتے۔ بلکہ ابھی ان کے فرائضِ خلافت ختم نہ ہو جاتے وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر مدینے کا پہرا دیتے۔

صدقہ میں جو جانور آتے تھے ان کی نگرانی اور حفاظت خود فرماتے تھے ایک دن سخت لُو چل رہی تھی اور زمین پر انگارے بچھے ہوئے تھے اسی حالت میں حضرت عثمانؓ نے دیکھا کہ وہ دو اونٹوں کو ہانکے ہوئے لے جا رہے ہیں پوچھا کہ آپ اس وقت گھر سے کیوں نکلے؟ بولے صدقے کے دو اونٹ چھوٹ گئے تھے میں نے خیال کیا کہ ان کو چراگاہ میں پہنچا آؤں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے فرائضِ خلافت کی مصروفیت کی بناء پر بیت المال سے وظیفہ لیا تو اس کے ساتھ یہ تصریح کر دی کہ اس کے بعد ان کی تجارت کی آمدنی بیت المال میں منتقل ہو جائے گی لیکن انتقال کے وقت وظیفہ کی رقم بھی واپس کر دی۔

حضرت عمرؓ بیت المال سے صرف اتنا وظیفہ لیتے تھے جتنا ایک مزدور کو لینا چاہیئے۔

حضرت ابوبکرؓ خلافت سے پہلے بکریاں دوہا کرتے تھے۔ منصبِ خلافت

پر فائز ہونے کے بعد ایک بچی نے کہا اب وہ ہماری بکریاں نہ دوہیں گے۔ انہوں نے سنا تو بولے خدا کی قسم ضرور دوہوں گا، خدا نے چاہا تو خلافت میری قدیم حالت میں کوئی تغیر نہ پیدا کرے گی۔ چنانچہ امورِ خلافت بھی انجام دیتے تھے اور ان کی بکریاں بھی دوہتے تھے، بلکہ اگر ضرورت ہوتی تو ان کو چرا بھی لاتے تھے۔

**خلاصہ** گرامی قدر سامعین! میں نے انتہائی اختصار کے ساتھ صحابہ کرام رضؓ کی سیرت کی چند جھلکیاں آپ کے سامنے پیش کی ہیں جن سے آپ نے یقیناً اس سوال کا جواب جان لیا ہوگا کہ صحابہ رضؓ کون تھے، ان کی سیرت کیسی تھی، ان کا کردار کیسا تھا، ان کی راتیں کیسے گذرتی تھیں، ان کے دن کیسے بسر ہوتے تھے، انہوں نے دین کی خاطر کیا قربانیاں دیں، انہیں کیسے کیسے مصائب اور مظالم کا سامنا کرنا پڑا، وہ غلامیِ رسولؐ میں کتنے پکّے اور کتنے سچّے تھے، ان کے یقین کا کیا عالم تھا، ان کی عبادت کیسی بے مثال تھی، ان کے معاملات کیسے صاف ہوتے تھے ان کے اندر ایثار اور فیاضی کا کتنا جذبہ تھا، انہوں نے خلافت کیسے نبھائی،

صحابہ رضؓ کی ایک ایک ادا کو دیکھئے، ان کی زندگی کے ہر نشیب و فراز کو دیکھئے مکّی زندگی کے مظالم کو دیکھئے، بازاروں میں گھسٹتے دیکھئے، پتھروں کے نیچے تڑپتے دیکھئے ہجرت کے عمل کو دیکھئے، مدنی زندگی کے فتوحات کو دیکھئے، بدر و اُحد کی قربانیوں کو دیکھئے، انہیں میدانِ جہاد میں لڑتے جھپٹتے دیکھئے، مسجد کی خلوتوں میں آنسو بہاتے دیکھئے، آقا پر جان و مال نچھاور کرتے دیکھئے، ان کے معاملات اور لین دین کو دیکھئے زمانۂ خلافت و امارت کو دیکھئے، اشاعتِ اسلام کے لئے ان کی کاوشوں کو دیکھئے، اور پھر فیصلہ کیجئے کہ کیا دنیا میں کوئی دوسرا استاد بھی ایسا گذرا ہے جس کے شاگرد ایسے باکمال اور جان نثار ہوں، کسی یونیورسٹی کے طلبہ کی نشاندہی کیجئے، کسی لیڈر کے ماننے والوں کا نام لیجئے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں آپ پوری انسانی تاریخ

پڑھ جائیے، ملکوں ملکوں پھر جائیے آپ میرے آقا کے غلاموں جیسا کوئی ایک بھی نہ پا سکیں گے۔

میں آپ سے ایک دوسرا سوال بھی کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ کیا آپ کا ضمیر یہ اجازت دیتا ہے کہ :

ایسے بچّوں کو

ایسے سچّوں کو

ایسے جان نثاروں کو

ایسے عبادت گذاروں کو

ایسے محسنوں کو گالیاں دی جائیں، انہیں بُرا بھلا کہا جائے، ان پر کیچڑ اُچھالا جائے۔

یہ محسن کُشی نہیں تو اور کیا ہے

یہ نمک حرامی نہیں تو اور کیا ہے

اور سُن لیجئے بات میرے اور آپ کے فیصلے کی نہیں فیصلہ تو اللہ اور اس کا رسولؐ کر چکے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کہیں تو صحابہ کرام کے بارے میں یہ فیصلہ دیا کہ وہ "خیر امّۃ" ہیں کہیں "امّۃ وسط" قرار دیا کہیں انہیں "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ" کی سند دی، کہیں ان کی خصوصیت یہ بیان کی "اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ" کہیں انہیں "صَادِقُوْن" اور کہیں انہیں "مُفْلِحُوْنَ" قرار دیا۔ اور آقاؐ نے بھی فرما دیا جس نے صحابہ سے محبت کی اس نے میری وجہ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میری وجہ سے بغض رکھا، جس نے ان کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی۔

ہم ہزار برس بھی عبادت کرلیں تو ان کے مقام کو نہیں پہنچ سکتے، ہم پہاڑوں کے برابر صدقہ و خیرات کرلیں تو ان کا مرتبہ نہیں پا سکتے۔ اسی لیے حضرت سعید بن زید رض نے جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، فرمایا تھا: اللہ کی قسم صحابہ کرام رض میں سے کسی شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جہاد میں شریک ہونا جس میں اس کا چہرہ غبار آلود ہو جائے غیر صحابہ سے ہر شخص کی عمر بھر کی عبادت و عمل سے بہتر ہے، اگرچہ اس کو عمرِ نوح علیہ السلام عطا ہو جائے۔

میرے بزرگو اور دوستو! اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم اللہ کے پیارے بن جائیں، اگر ہم چاہتے ہیں کہ فرشتے ہماری مدد کے لئے اتریں

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں،

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں حوضِ کوثر سے پانی نصیب ہو،

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو تو ہم پر انہی کے غلاموں کی غلامی اختیار کرنا فرض ہے۔

اللہ کے بندو! انہیں گالیاں مت دو، وہ تو اللہ کے پیارے ہیں، وہ تو آسمانِ رسالت کے ستارے ہیں، وہ تو ہدایت یافتہ سارے کے سارے ہیں، ان سے محبت عینِ ایمان ہے، ان سے تعلق سرمایۂ اہلِ عرفان ہے، ان کی سیرت تفسیرِ قرآن ہے، انہیں ماننے والا مسلمان ہے، ان سے تعلق توڑنے والا شیطان ہے، ان سے راضی رحمان ہے، ان کا ٹھکانہ جنان ہے۔ سوچو تو سہی ان کا ہم پر کتنا احسان ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔

# توبہ

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
این درگہِ ما درگہ نا امیدی نیست
گر صد بار توبہ شکستی باز آ

مولانا رومی رحمہ اللہ

" جس شخص کے گھر میں آگ لگ جائے وہ آگ بجھانے کے لیے فائر بر گیڈ والوں کو بلاتا ہے، اڑوس پڑوس کو مدد کے لیے پکارتا ہے، خود بالٹی لیکر دوڑتا ہے اور مقدور بھر آگ بجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ گناہ بھی تو ایک آگ ہے۔ صغیرہ گناہ چھوٹی چنگاری ہے اور کبیرہ گناہ بڑا انگارہ ہے مگر ہیں دونوں آگ! اور آگ مسجد میں لگے یا مندر میں اپنا کام کر کے رہتی ہے۔

اور گناہ تو ایک ایسی متعدی آگ ہے کہ افراد سے قوموں تک سرایت کر جاتی ہے اور گھر سے نکل کر محلوں، بستیوں، شہروں اور ملکوں تک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے مگر اس آگ کو بجھانے کے لیے اڑوس پڑوس کو بلانے کی ضرورت نہیں، فائر بر گیڈ اسٹیشن پر فون کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے لیے براہِ راست حاکم اعلیٰ کے حضور ندامت کے ساتھ آنسو بہانے کی ضرورت ہے، اشکِ ندامت کے دو قطرے اس آگ کو بجھانے کے لیے کافی ثابت ہو سکتے ہیں۔"

# توبہ

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم
فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

| | |
|---|---|
| یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا | اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی طرف |
| تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً | صاف دل کی توبہ امید ہے تمہارا |
| نَّصُوْحًا عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ | رب اتار دے تم پر سے تمہاری برائیاں |
| یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَ | اور داخل کرے تم کو باغوں میں جن |
| یُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ | کے نیچے بہتی ہیں نہریں۔ |
| مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ | |

(التحریم : ۸)

| | |
|---|---|
| قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا | کہدے اے بندو میرے جنہوں نے کہ زیادتی |
| عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ | کی ہے اپنی جان پر، آس مت توڑو اللہ کی |
| رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ | مہربانی سے بیشک اللہ بخشتا ہے سب |
| الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ | گناہ، وہ جو ہے وہی ہے گناہ معاف |
| الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (الزمر : ۵۳) | کرنے والا۔ |

عن ابی هریرةؓ قال قال
رسول الله صلی الله علیه وسلم
ان المؤمن اذا اذنب
کانت نکتة سوداء فی
قلبه فان تاب واستغفر
صُقل قلبه و ان زاد زادت
حتی تعلوَ قلبهٗ فذلکم
الران الذی ذکره الله تعالٰی
کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ
مَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا کہ بلاشبہ جب مومن بندہ گناہ
کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ داغ
لگ جاتا ہے پس اگر توبہ و استغفار
کرلے تو اس کا دل صاف ہوجاتا ہے
اور اگر گناہ زیادہ کرلے تو یہ سیاہ
داغ بھی بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ
اس کے دل پر چھا جائے گا، یہی وہ
زنگ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالےٰ
نے فرمایا ہے کہ "ان کے اعمال نے ان
کے دلوں پر زنگ لگا دیا ہے"۔

عن ابی هریرةؓ قال: قال
رسول الله صلی الله علیه وسلم
انی لاستغفر الله واتوب الیه
فی الیوم اکثر من سبعین مرة

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں دن میں
ستر بار سے زیادہ استغفار کرتا ہوں

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! میں آج آپ کے سامنے کتاب وسنت اور اکابر کے فرمودات کی روشنی میں توبہ اور استغفار کی عظمت اور اہمیت بیان کرنا چاہتا ہوں اور یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہمیں توبہ کیوں کرنی چاہیئے۔

گرامی قدر سامعین! اللہ تعالےٰ نے اس دنیا میں نیکی اور بدی

کے اعتبار سے تین قسم کی مخلوق پیدا کی ہے پہلی قسم کی مخلوق وہ ہے جس سے نیکی کا صدور تو ہوتا ہے لیکن اس سے کبھی گناہ نہیں ہو سکتا یہ نورانی مخلوق فرشتے ہیں جن کے بارے میں ربِ کریم فرماتے ہیں :

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ
نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جو بات فرمائے ان کو اور وہی کام کرتے ہیں جو اُن کو حکم ہو۔

(التحریم - ٦)

فرشتوں کے اندر بدی کی صلاحیت ہی نہیں وہ گناہ کر ہی نہیں سکتے، وہ تو نور ہی نور ہیں، ظلمت اور شر کا وہاں بالکل گذر نہیں۔

دوسری قسم کی مخلوق وہ ہے جس کے اندر نیکی کی صلاحیت بھی ہے اور بدی کی بھی۔ یہ مخلوق انسان اور جنّ ہے۔

کتنا ہی بدکار انسان کیوں نہ ہو اس کے اندر نیکی کی صلاحیت بھی ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کثرتِ گناہ کی وجہ سے یہ صلاحیت زنگ آلود ہو جاتی ہے، اور نیکی کے جذبات دب جاتے ہیں۔ اور کتنا ہی نیک انسان کیوں نہ ہو اس کے اندر گناہ کی صلاحیت بھی ہوتی ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا کوئی فردِ بشر ایسا نہیں ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ میں نے کبھی گناہ نہیں کیا۔ بعض صحابہ کرامؓ تک سے گناہ کا صدور ہوا مگر انھوں نے اس طرح توبہ کی کہ ان کی توبہ پر ہزاروں اور لاکھوں نیکیوں کو قربان کیا جا سکتا ہے اور ربِ کریم نے انھیں "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ" کا دائمی سرٹیفکیٹ عطا فرما دیا۔ اسی لئے ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم ان میں سے کسی کی بھی خطاؤں پر انگلی

اٹھائیں، جب ان کا رب ان سے راضی ہے اور وہ اپنے رب سے راضی ہیں تو ہم کون ہیں طعن و تشنیع کی زبانیں دراز کرنے والے۔

**درِ توبہ** جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تک سے گناہ ہو سکتا ہے تو ہم کون ہیں کہ ہم سے کبھی گناہ ہی سرزد نہ ہو، مگر مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ موت کی علامت شروع ہونے سے پہلے تک ہر انسان کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

ترمذی میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، :

| | |
|---|---|
| ان اللہ عزّ وجل یقبل توبۃ العبد مالم یغرغر | بے شک اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک غرغرہ کی حالت نہ ہو جائے۔ |

لیکن موت کی واضح علامات شروع ہونے کے بعد درِ توبہ بند ہو جاتا ہے اس حالت میں تو فرعون نے بھی توبہ کی تھی مگر اس کی توبہ قبول نہ ہوئی جب وہ ڈوبنے لگا تھا تو اس نے کہا تھا :

| | |
|---|---|
| اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ | یقین کر لیا میں نے کہ کوئی معبود نہیں مگر جس پر کہ ایمان لائے بنی اسرائیل اور میں ہوں فرمانبرداروں میں |

لیکن جواب آیا :

| | |
|---|---|
| آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ | اب یہ کہتا ہے اور تو نافرمانی کرتا رہا اس سے پہلے اور رہا گمراہوں میں |

تیری گردن تو کبھی جھکتی ہی نہیں تھی، تجھے تو اپنے اقتدار اور مادی طاقت پر بڑا ناز تھا تم تو ربوبیت کے دعویدار اور انسانوں کو رزق رسانی کے ٹھیکیدار بنتے تھے، موسیٰؑ کی دعوت کو تم حقارت سے ٹھکرا دیا کرتے تھے، اب جبکہ عذاب کی گرفت میں آ چکے ہو اور تمہیں موت آنکھوں کے

سامنے دکھائی دے رہی ہے، اب توبہ کر رہے ہو اس وقت کی توبہ ہرگز قبول نہیں۔

تو میرے دوستو! غرغرہ کی کیفیت ظاہر ہونے کے بعد تو توبہ قبول نہیں ہوتی لیکن اس سے پہلے ہر گنہگار کے لئے درِ توبہ کھلا ہے اور اسے پکار پکار کہا جارہا ہے:

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ — گر کافر و گبر بُت پرستی باز آ
این درگہِ ما درگہ نومیدی نیست — گر صد بار توبہ شکستی باز آ

رحیم و کریم آقا اپنے گنہگار بندوں کو بڑے پیار کے انداز میں خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ

اے میرے گنہگار بندو! تمہیں میری رحمت سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم خطا کار ہو، گناہوں میں زندگی کے قیمتی ماہ و سال بسر کر چکے ہو مگر ہو تو میرے ہی، دنیا والے ممکن ہے تم سے نفرت کریں، وہ تمہیں دیکھ کر نفرت سے منہ موڑیں گے، حقارت سے کہیں گے یہ چور ہے، ڈاکو ہے، زانی ہے، شرابی ہے، بے نماز ہے، مگر میرے در پہ ندامت کے ساتھ توبہ کے لئے آؤ گے تو میں تمہیں طعنے نہیں دوں گا تمہاری حکم عدولیاں نہیں جتلاؤں گا بلکہ تمہیں آغوشِ رحمت میں ڈھانپ لوں گا۔

نوّے سال کا وہ بوڑھا انسان جس نے زندگی میں اپنے مولیٰ کے سامنے ایک سجدہ نہ کیا ہو،

اس کی زندگی کا ہر لمحہ اپنے مالک کی نافرمانیوں میں گذرا ہو،

اس کے نامۂ اعمال میں ایک بھی نیکی نہ ہو ،
اور پھر وہ وقت آجائے کہ پیری سے کمر میں خم آجائے ،
سر پر سفیدی چھا جائے ،
ہاتھوں میں دم نہ رہے ،
بینائی کمزور پڑ جائے ،
شنوائی میں ثقل آجائے
ٹانگوں میں لڑکھڑاہٹ آجائے
زبان بھاری ہو جائے ،
دماغ کام کرنا چھوڑ دے ،
محبت کا دم بھرنے والی بیوی داغِ مفارقت دے جائے ،
دوست احباب بے وفا ہو جائیں ،
اپنے بچے بوڑھے ابّا جان کو عضوِ فضول سمجھنے لگیں ،

یہ لُٹا پٹا اور ٹھکرایا ہوا بوڑھا جب ہر ایک سے کٹ کر ہر طرف سے مایوس ہو کر دل میں خوفِ خدا لئے ہوئے ، گناہوں کا بوجھ اُٹھائے ہوئے ، ندامت کے جذبات دل میں لئے ہوئے ، توبہ کا عزمِ مصمّم کئے ہوئے ، جھکی ہوئی کمر کے ساتھ لاٹھی ٹیکتے ہوئے اللہ کے گھر کی طرف آتا اور وہاں سرِ نیاز جھکا کر اپنے مالک کو پکارتا ہے ،

" اے خالق و مالک میں زندگی کی قیمتی نوّے بہاریں گنوا کر ، لُٹ لُٹا کر تیرے در پر حاضر ہوا ہوں ، میرے پاس سوائے گناہوں کے کچھ نہیں ، مجھے سب نے ٹھکرا دیا ہے ، مگر اے مالک تو نہ ٹھکرانا " خاموش جواب آتا ہے :

"اے گنہگار بوڑھے! تو نے آنے میں ضرور دیر کر دی ہے مگر میری مغفرت میں دیر نہیں ہوگی، اس در پر آنے والوں کو ٹھکرایا نہیں جاتا، گناہوں کی غلاظت میں آلودہ انسانوں کو دُھتکارا نہیں جاتا، ان سے نفرت نہیں کی جاتی، ان کی غلطیوں کو گِنوایا نہیں جاتا۔

تیرے گناہ بہت سہی، مگر میری رحمت کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں،
مجھے تو یوں بھی سفید بالوں سے حیا آتی ہے،
جا میں نے تجھے معاف کر دیا، بلکہ میں نے تیری سچی توبہ کی وجہ سے تیرے نوّے سال کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیا"،

وہ دل شکستہ بوڑھا جو گناہوں کا انبار لے کر آیا تھا اب نیکیوں کا بارِ گراں لے کر واپس پلٹتا ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

| | |
|---|---|
| اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صٰلِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ | مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک، سو ان کو بدلہ دے گا اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔ |

**ایک عجیب بات** | اگر اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کرنے بلکہ گناہوں کو نیکیوں سے بدلنے پر قادر ہے اور یقیناً قادر ہے تو مجھے کہنے دیجئے ایک عجیب بات کہہ رہا ہوں لیکن اگر آپ سنجیدگی سے غور کریں گے تو میری بات کی تصدیق کریں گے، وہ یہ کہ بعض اوقات گناہ بالواسطہ اللہ کو راضی کرنے کا سبب بن جاتا ہے اور کبھی کبھی نیکی بالواسطہ اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب

بن جاتی ہے، آپ کو یقیناً میری بات پر حیرت ہوئی ہوگی، آپ کہیں گے کہ گناہ غلاظت ہے، نجاست ہے، ظلمت ہے، شر ہے ـــــ وہ کیسے اللہ کے قرب کا ذریعہ بن سکتا ہے ؟

اور نیکی طہارت ہے، خوشبو ہے، نور ہے، خیر ہے، وہ کیسے ربِ کریم سے دوری کا سبب بن سکتی ہے ؟

میرے دوست، میرے بزرگ ! میری بات کو غور سے سُن !
جب کوئی شخص گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد اس پر نادم ہو جاتا ہے، اسے یہ احساس ستانے لگتا ہے کہ میں نے اپنے مالک کی نافرمانی کی،

میں غلام ہوں وہ آقا ہے،
میں مرزوق ہوں وہ رازق ہے،
میں مخلوق ہوں وہ خالق ہے،
میں منعم علیہ ہوں وہ منعِم ہے،

مجھ پر اس کے انعامات اور احسانات کی کوئی حد ہی نہیں، پھر میں نے اس کی حکم عدولی کیوں کی، میں قیامت کے دن کیا جواب دوں گا میں عذابِ الیم و عظیم کو کیسے برداشت کر سکوں گا، میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے منہ دکھاؤں گا۔

جب ان احساسات و جذبات کے ساتھ وہ اپنے مالک کو پکارتا ہے اور آنکھوں سے اشکِ ندامت بہاتا ہے تو اس کے آنسو زمین پر گرنے سے قبل ہی بارگاہِ صمدیت میں قبول ہو جاتے ہیں اور ان آنکھوں پر جہنم کی آگ حرام ہو جاتی ہے۔

اور کیا عجب اگر وہ اپنی توبہ پر قائم رہے تو صرف اس کی آنکھوں

پر ہی نہیں اس کے پورے وجود پر آگ حرام ہو جائے، قرآن کریم میں ہے

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (انعام : ۵۴)

اے نبی! جب تیرے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے کہدو کہ تم پر سلامتی ہے، تمہارے پروردگار نے تمہارے اوپر رحمت لازم ٹھہرائی ہے کہ جس نے تم میں سے نادانی سے کوئی برا کام کیا پھر اس نے توبہ کرلی اور اصلاح کرلی تو بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب کوئی گناہ کرلیتا ہے پھر کہتا ہے کہ مولا! میں نے گناہ کرلیا، مجھے معافی دیدے، رب فرماتا ہے کہ کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس کو پکڑ بھی لیتا ہے، میں نے اپنے بندے کو بخش دیا، پھر جتنا رب چاہے بندہ ٹھہرا رہتا ہے پھر کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے، کہتا ہے یا رب میں نے گناہ کرلیا، بخش دے، رب فرماتا ہے کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو بخشتا ہے، اور اس کو پکڑ بھی لیتا ہے، میں نے اپنے بندے کو بخش دیا، پھر بندہ ٹھہرا رہتا ہے جتنا رب چاہے، پھر گناہ کر بیٹھتا ہے، عرض کرتا ہے یا رب! میں نے گناہ کرلیا مجھے معافی دے، تو رب فرماتا ہے کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو بخشتا ہے اور پکڑ بھی لیتا ہے، میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا جو چاہے کرے۔

اس گناہ گار کے برعکس جو انسان نیکی کرتا ہے مگر اپنی نیکی پر اتراتا ہے، فخر کرتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے تو اس کی نیکی اس کے لئے وبال بن جاتی ہے اور وہ بارگاہِ صمدیت سے بہت دور ہو جاتا ہے

**مقربین کا معاملہ** | اللہ کے ایک نیک بندے کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے بعض لوگ حضرت امیر معاویہؓ کا نام بھی لیتے ہیں، واللہ اعلم ان کا واقعہ ہے یا کسی دوسرے بزرگ کا ہے کہ ایک رات انہیں ایسی گہری نیند آئی کہ نماز تہجد قضا ہو گئی اس پر بے تحاشا روئے اور گڑگڑا کر اپنے مولا سے معافی مانگی

ممکن ہے آپ میں سے کچھ لوگ سوچیں کہ بھلا یہ کونسا گناہ تھا جس پر معافی مانگنے اور توبہ کرنے کی ضرورت پیش آئی ہم تو فرض نمازیں ہضم کر جاتے ہیں، مگر ڈکار نہیں مارتے اور ہمیں توبہ کرنے کی کبھی توفیق نہیں ہوتی اور وہ تہجد کے قضا ہونے پر آہ وزاری کرنے لگتے تھے۔

تو اصل بات یہ ہے کہ جو مقربینِ بارگاہ ہوتے ہیں ان کا معاملہ عام لوگوں سے مختلف ہوتا ہے انھیں سنتوں کے فوت ہونے کا جس قدر قلق اور افسوس ہوتا ہے شاید ہمیں فرائض و واجبات کے فوت ہونے کا بھی اتنا افسوس نہ ہو۔

میں بتا رہا تھا کہ گناہ پر ندامت انسان کو اللہ کا قرب عطا کر دیتا ہے اور نیکی پر تفاخر اسے اللہ سے دور کر دیتا ہے۔

بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کا واقعہ حدیث میں بیان ہوا ہے جن میں سے ایک انتہائی نیک اور پارسا اور دوسرا انتہائی بدکار اور فاسق و فاجر شخص جنگل سے گزر رہا تھا اس نے اس انسان کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ ایک جگہ بیٹھا ہے اور اس پر بادل سایہ کئے ہوئے ہے اس کے

دل پر بڑا اثر ہوا، دل میں سوچا ہو گا کہ ایک طرف مجھ جیسا بدبخت انسان ہے جس کی زندگی کا ہر لمحہ فسق و فجور اور مالک کی معصیت میں گزرتا ہے دوسری طرف یہ نیک انسان جس کی نیکی اور پارسائی سے اس کا مالک اس قدر خوش ہے کہ بادل اس پر سایہ فگن ہے، اس کا جی چاہا کہ میں بھی چند ساعتیں اس کی صحبت میں بیٹھوں تاکہ مجھے بھی سعادت حاصل ہو، وہ خطاکار انسان جب اس زاہدِ خشک کے پاس بیٹھنے کے لئے آگے بڑھا تو اس نے بڑی نفرت کا اظہار کیا اور اسے اپنے قریب آنے سے منع کر دیا۔

آواز آئی کہ آج سے تم دونوں اپنی زندگی کا آغاز نئے سرے سے کرو، اے زاہدِ شب زندہ دار تیرے تکبر اور دوسروں کو حقیر سمجھنے نے تمہاری نیکیوں کو برباد کر دیا اور اے خطاکار انسان! تیرے عجز و انکسار کی وجہ سے ہم نے تمہارے گناہوں کو معاف کر دیا۔ لہٰذا تم دونوں اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کرو نہ اس کے اعمال نامہ میں نیکیاں رہیں اور نہ اس کے اعمال نامہ میں برائیاں رہیں، دونوں کا رجسٹر صاف ہو گیا۔

بتائیے ان میں سے کون زیادہ خسارے میں ہے، وہ جس کی سالہا سال کی محنت برباد ہو گئی یا وہ جس نے اپنے آپ کو گناہوں کی غلاظت سے یکسر پاک کر لیا۔

**اللہ کی رحمت پر نظر** ہمیں گناہوں سے بچنا تو ضرور چاہئے لیکن گناہوں کی کثرت کی وجہ سے مایوس نہیں ہونا چاہئے، بلکہ ہر وقت اپنے مالک حقیقی کی رحمت پر نظر رہنی چاہئے جو اس قدر رحیم ہے کہ کبائر سے بچنے کی وجہ سے صغائر کو از خود معاف کر دیتا ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ جن کاموں سے تم کو منع کیا جاتا ہے

عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيْمًا (النساء)

ان میں سے جو بھاری کام ہیں (یعنی بڑے بڑے گناہ اگر تم ان سے بچتے رہے تو ہم تمہاری خفیف برائیاں (یعنی چھوٹے چھوٹے گناہ) تم سے دور کر دیں گے اور ہم تم کو ایک معزز جگہ میں داخل کر دیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور گناہ تحریر فرما دیئے ہیں تو جو نیکی کا ارادہ کرے مگر کرے نہیں تو اسے اللہ تعالیٰ اپنے ہاں ایک پوری نیکی لکھتا ہے، پھر اگر ارادہ کرے اور نیکی کرے تو اسے اپنے ہاں دس سے سات سو گنا تک بلکہ بہت زیادہ گنا تک لکھ لیتا ہے اور جو گناہ کا ارادہ کرے پھر کرے نہیں، تو اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ ایک پوری نیکی لکھ لیتا ہے، پھر اگر گناہ کا ارادہ کرے پھر کر بھی لے تو اسے اللہ تعالیٰ ایک گناہ لکھتا ہے (مسلم شریف)

رحمت کا کوئی ٹھکانہ بھی ہے؟ گناہ کا ارادہ کیا مگر اللہ کے ڈر سے باز آگیا تو اس پر بھی نیکی مل جاتی ہے، گناہ کے بعد نیکی کر لی تو اس سے گناہ بھی معاف ہو جاتا ہے اور ثواب بھی مل جاتا ہے۔

وعن ابی ذر و معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال اتق اللہ حیثما کنت واتبع السیئۃ الحسنۃ تمحہا وخالق الناس بخلق حسن

حضرت ابوذر اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سے ڈر تو جہاں بھی ہو اور برائی کے بعد نیکی کر، یہ نیکی اس برائی کو مٹا دیگی اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آ

اس حدیث میں تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے بعد نیکی کر لے۔ یہ نیکی گناہ کی مغفرت اور کفارہ کا باعث ہوگی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اِنَّ الحَسَنَات یُذھِبنَ السَّیِّاٰت بلاشبہ نیکیاں گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

یہ بھی اللہ جل شانہ کا بہت بڑا انعام ہے کہ نیکیوں کے ذریعہ گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں، متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جب کوئی مؤمن بندہ وضو کرتا ہے تو اس کی آنکھوں سے اور ہاتھوں سے اور پاؤں اور چہرے سے اور سر اور کانوں سے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

(مؤطا مالک)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی مسلمان کو فرض نماز حاضر ہو جائے (یعنی نماز کا وقت حاضر ہو جائے) پھر وہ نماز کے لئے اچھی طرح وضو کرے اور نماز کا رکوع سجدہ بھی اچھی طرح سے کرے تو یہ نماز اس کے گذشتہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی، جب تک کہ گناہ کبیرہ نہ کرے اور یہ کفارۂ سیئات ہمیشہ اسی طرح ہوتا رہے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک ان گناہوں کا کفارہ ہے جو ان کے درمیان ہو جائیں جبکہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے۔

(مسلم شریف)

**بہترین گنہگار** | حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم — نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
قال کل بنی آدم خطاء وخیر — کہ ہر انسان خطا کار ہے اور بہترین خطا کار
الخطائین التوابون (ترمذی) — وہ ہیں جو خوب زیادہ توبہ کرنے والے ہیں

گنہگار مگر بہترین گنہگار وہ شخص ہے جو گناہوں پر نادم ہوکر توبہ کرلیتا ہے، کیونکہ گناہ پر نادم ہوکر توبہ کرلینا یہ آدم علیہ السلام کا طریقہ ہے اور گناہ پر ڈٹ جانا اور اس کی الٹی سیدھی تاویلیں پیش کرنا یہ ابلیس کا طریقہ ہے

آدم علیہ السلام سے معمولی سی اجتہادی خطا ہوگئی تو وہ اس قدر روئے کہ رونے سے چہرے پر نشان پڑگئے، اور ابلیس سے بہت بڑا گناہ ہوگیا مگر اس کے چہرے پر ندامت کی زردی بھی نہیں چھائی۔

آدم علیہ السلام کو اپنی اجتہادی خطا پر ندامت ہوتی ہے تو ربِّ کریم معافی مانگنے کا طریقہ اور الفاظ خود سکھاتے ہیں رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔
یہ بھی ان کی ذرّہ نوازی ہے کہ اپنے کمزور بندوں کو راضی کرنے کا طریقہ بھی خود بتلاتے ہیں۔

**انبیاء کا شیوہ** اور بات صرف حضرت آدم علیہ السلام ہی کی نہیں ہے بلکہ آپ جس نبی کے حالات کا بھی مطالعہ کریں وہ آپ کو اپنے بے مثال آقا کے سامنے عاجزی سے جھکے ہوئے اپنے لئے اور اپنے متعلقین کے لئے معافی مانگتے ہوئے دکھائی دیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی سرکش قوم کو اپنے پروردگار سے مغفرت کی دعائیں مانگنے کے لئے کہا تھا مگر جب قوم نے تمرّد اور استکبار کا راستہ اختیار کیا تو انہوں نے اپنے لئے اور اپنے والدین کے لئے اور

ایمان لانے والوں کے لئے بخشش کی دعا کی

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًاo (نوح : ۲۸)

اے میرے رب! مجھے اور میرے والدین کو اور جو شخص میرے گھر میں بحالتِ ایمان داخل ہو اس کو اور تمام مؤمنین و مؤمنات کو بخش دے اور ظالموں کی بربادی اور بڑھا دے۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام اپنے مالک کو یوں پکارا کرتے تھے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُo

اے ہمارے رب! مجھے اور میرے والدین کو اور اہل ایمان کو جس دن حساب ہوگا بخش دے۔

وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ

اور ہم کو ہمارے حج کے احکام بتا اور ہماری توبہ قبول فرما تو ہی بڑا درگذر کرنے والا مہربان ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طلبِ مغفرت کا انداز یہ تھا۔

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ

اے میرے رب! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا پس تو مجھے بخش دے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی نے اللہ کے حضور یہ دعا کی

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِکَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ اعراف ؛ (۱۵۱)

اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر دے اور ہم کو اپنی رحمت میں داخل فرما لے اور تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے

حضرت ایوب علیہ السلام نے رحمتِ باری کو یوں متوجہ کیا تھا

| | |
|---|---|
| اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ (الانبیاء: ) | مجھ پر پڑی ہے تکلیف اور تو ہے سب رحم والوں سے رحم والا۔ |

حضرت یونس علیہ السلام نے یوں توبہ کی تھی :

| | |
|---|---|
| لَاۤ اِلٰـہَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَکَ اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ۔ (الانبیاء : ۸۷) | تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بیشک میں ہی زیادتی کرنے والوں سے ہوں ۔ |

اور سرورِ انبیاء علیہ السلام کی وہ پُراثر اور پُردرد دعائیں جن کے ذریعہ آپ توبہ و استغفار کیا کرتے تھے ان سے قرآن کریم اور کتبِ احادیث بھری پڑی ہیں۔

کبھی آپؐ اس جامع دعا کے ذریعہ توبہ اور استغفار کیا کرتے تھے :

| | |
|---|---|
| رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَاۤ اِنۡ نَّسِیۡنَاۤ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحۡمِلۡ عَلَیۡنَاۤ اِصۡرًا کَمَا حَمَلۡتَہٗ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ ۚ وَاعۡفُ عَنَّا ٜ وَاغۡفِرۡ لَنَا ٜ وَارۡحَمۡنَا ٜ اَنۡتَ مَوۡلٰٮنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ ۝ (البقرہ ۲۸۶) | اے ہمارے پروردگار ! نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں، اے ہمارے رب نہ رکھ ہم پر بھاری بوجھ جیسا کہ رکھا تو نے ان پر جو ہم سے پہلے ہوئے اور اے ہمارے رب نہ اٹھوا ہم سے وہ چیز کہ نہیں طاقت ہم کو اس کے اٹھانے کی اور درگذر فرما ہم سے اور بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر، تو ہی ہمارا مالک ہے پس کافروں کی قوم پر ہماری مدد کر۔ |

اور آپ کو چونکہ صرف اپنی ذات ہی کی فکر نہیں تھی، بلکہ پوری اُمّت بلکہ ساری انسانیت کا غم آپ کو لاحق تھا، اس لئے آپ رات کی تنہائیوں میں ان

کے لئے بھی مغفرت کی دعائیں کیا کرتے تھے، حدیث میں آتا ہے کہ ایک شب آپ رات بھر یہ آیت کریمہ پڑھتے رہے اور گریہ وزاری کرتے رہے :

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

اور کبھی کبھی آپؐ کے لبوں پر یہ استغفار ہوتا تھا جسے سید الاستغفار بھی کہا جاتا ہے، اور اسے حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ (بخاری)

اے اللہ! تو میرا پروردگار ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے عہد اور تیرے وعدے پر قائم ہوں، جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا، میں نے جو گناہ کئے ان کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں میں تیری نعمتوں کا بھی اقرار کرتا ہوں، لہذا مجھے بخشدے کیونکہ تیرے علاوہ کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا۔

صحابہ بتاتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات صرف ایک نشست میں ہی سو سو بار توبہ اور استغفار کرتے تھے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: کنا لنعد لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المجلس یقول رب اغفر لی وتب علیّ انك انتَ التوّابُ الغفورُ مائة مرة

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ بلا شبہ ہم مجلس میں یہ شمار کرتے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سو مرتبہ یہ الفاظ ادا فرماتے ہیں، رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ

اللہ تعالیٰ کا وہ مقدس پیغمبر جو ہر خطا سے دور، ہر گناہ سے معصوم اور ہر نجاست سے پاک تھا وہ طاہر و مطہر نبی جس کی طہارت پر چاند کی کرنیں، ستاروں کی روشنی، سحر کی نورانیت، بادِ صبا کی نظافت، پھولوں کا حُسن کلیوں کا بانکپن، صلحاء کی صالحیت، اولیاء کی ولایت اور اتقیاء کا تقویٰ قربان کیا جا سکتا ہے۔

وہ مغفور و مرحوم انسان جسے مغفرت کی بشارت قرآن حکیم میں بار بار سُنائی گئی اور جو صرف خود ہی مغفور نہیں بلکہ اس کے مقدس لبوں کی برکت سے لاکھوں اور ہزاروں کو بخشش کے پروانے ملے۔ اُسی طاہر، مطہر، مقدّس، معصوم، مبشّر اور مغفور و مرحوم انسان کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ کے خوف سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتا ہے، اس کی راتیں اپنے مالک کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے گزرتی ہیں، کثرتِ قیام سے اس کے پاؤں متورّم ہو جاتے ہیں۔ وہ ایک دن میں ستّر بار اور کبھی سو بار توبہ و استغفار کرتا ہے، مگر اس عظیم پیغمبر کا نام لینے والے ہم گناہ گاروں کا یہ حال ہے کہ بال بال گناہوں میں جکڑا ہوا ہے، نامۂ اعمال میں سیاہی ہی سیاہی ہے، لمبا سفر درپیش ہے مگر زادِ راہ کچھ بھی نہیں ہے، زندگی گناہوں میں گذار دی ہے مگر ہمیں کبھی بھول کر بھی یہ توفیق نہیں ہوتی کہ ہم گناہوں پر ندامت کریں، توبہ و استغفار کریں، گڑگڑا کر اپنی حکم عدولیوں کی تلافی کریں، بلکہ آپ کو ایسے پھنّے خان مل جائیں گے جو گناہوں پر اتراتے پھرتے ہیں، سینہ پھلا پھلا کر بتاتے ہیں کہ ہم نے فلاں فلاں گناہ کیا ہے۔

**حماقت یا وقاحت** اس اترانے کو حماقت کہا جائے یا وقاحت؟ جو شخص غلطی سے یا جان بوجھ کر زہر کھا بیٹھے یا جس کے گھر میں آگ لگ

گئی ہو جس میں اس کی زندگی بھر کی متاع کے جلنے کا اندیشہ ہو مگر وہ قہقہے لگا رہا ہو تو آپ اسے کیا کہیں گے ؟ عقل مند یا بے وقوف ؟ ذی شعور یا بے شعور ؟

گناہ بھی ایک زہر ہے اور جو شخص یہ زہر کھا بیٹھا اسے اپنی روحانی زندگی کے بارے میں فکر مند ہونا چاہیے ۔

جو شخص زہر کھا لیتا ہے، ڈاکٹر اسے قے آور دوا دیتا ہے تاکہ بار بار کی قے سے اس کا معدہ صاف ہو جائے ، اور زہر کے اثرات ختم ہو جائیں ۔

اسی طرح جو شخص گناہ کر بیٹھے اسے بار بار توبہ و استغفار کرنا چاہیے تاکہ گناہ کے زہریلے اثرات سے نجات مل جائے ، افسوس یہ ہے جسمانی زندگی بچانے کے لئے ایک عام ڈاکٹر کے کہنے پر ہم قے جیسا تکلیف دہ عمل بار بار کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن معالجِ حقیقی نے روحانی شفا کے لئے ہمیں توبہ و استغفار کا جو آسان نسخہ بتایا ہے ہم اسے برتنے اور استعمال کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں

جس شخص کے گھر میں آگ لگ جائے وہ آگ بجھانے کے لئے فائر برگیڈ والوں کو بلاتا ہے ، اڑوس پڑوس کو مدد کے لئے پکارتا ہے ، خود بالٹی لے کر دوڑتا ہے اور مقدور بھر آگ کو بجھانے کی کوشش کرتا ہے ۔

گناہ بھی تو ایک آگ ہے ، صغیرہ گناہ چھوٹی چنگاری ہے اور کبیرہ گناہ بڑا انگارہ ہے مگر ہیں دونوں آگ ! اور آگ مسجد میں لگے یا مندر میں اپنا کام کر کے رہتی ہے ۔

اور گناہ ایک ایسی متعدّی آگ ہے، کہ افراد سے قوموں تک سرایت کر جاتی ہے اور گھر سے نکل کر محلّوں ، بستیوں ، شہروں اور ملکوں تک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے ۔

مگر اس آگ کو بجھانے کے لئے اڑوس پڑوس کو پکارنے کی ضرورت

نہیں، فائر بریگیڈ اسٹیشن پر فون کرنے کی ضرورت نہیں، اس کے لئے تو صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ جو کچھ کیا ہے اس پر ندامت کے جذبات دل میں لیکر اور آئندہ کے لئے گناہ سے بچنے کا عزم کر کے یوں کہدے

| | |
|---|---|
| اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔ (ترمذی) | میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ زندہ اور قائم رکھنے والا ہے اور میں اس کے حضور توبہ کرتا ہوں۔ |

سچے دل سے اگر یہ الفاظ کہے جائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان میں ایسی تاثیر رکھی ہے کہ گناہوں کی بھڑکتی ہوئی آگ یکایک راکھ بن جاتی ہے۔ اور اس راکھ میں سے نیکیوں کے گل و لالہ پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی جان لیں کہ ظاہری آگ پانی سے، گیس سے یا کسی کیمیکل وغیرہ سے بجھ سکتی ہے مگر گناہ کی آگ بجھانے اور اس کے زہریلے اور تباہ کن اثرات مٹانے کے لئے سوائے توبہ اور استغفار کے کوئی علاج نہیں۔

**توبہ کی ترتیب** | یوں تو ہر شخص ہی کو توبہ اور استغفار کرنا چاہیئے، لیکن پھر بھی علماء نے توبہ کی ایک ترتیب بتائی ہے۔ فیلسوفِ اسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ توبہ کی ترتیب مقرر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان سب سے توبہ کرنی چاہیئے۔

۱۔ سب سے پہلے کفر اور شرک سے توبہ کرنی چاہیئے۔

۲۔ تمام گناہوں سے توبہ خواہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ۔

۳۔ ظاہری گناہوں کے ساتھ ساتھ باطنی گناہوں سے بھی توبہ کریں، مثلاً حسد، کینہ، بغض وغیرہ۔ ہم لوگ اندر ہی اندر آگ لئے بیٹھے ہیں، باہر کسی کو معلوم ہی نہیں، گالی نہیں دی، لیکن اندر سے دل چاہ رہا ہے

کہ قتل ہی کردوں سب باطنی گناہ ہیں۔

۴۔ توہمات سے توبہ کریں۔ یعنی یوں خیالی پلاؤ پکاتے رہنا کہ یہ کردوں گا وہ کروں گا، اس کو حدیث کی زبان میں "طولِ امل" کہتے ہیں یعنی لمبی لمبی امیدیں باندھ لینا۔

توبہ کے سلسلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ وہ گناہ جو اعلانیہ کئے ہیں ان کی اعلانیہ توبہ کریں، جو چھپ کر کر چکے ہیں ان کی چھپ کر توبہ کریں۔ جو گناہ چھپ کر کر چکے ہیں ان کی اعلانیہ توبہ نہیں کرنی چاہیئے۔

**شانِ مغفرت** جب یہ سب کچھ کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت جوش میں آجاتی ہے۔

یہ جو باتیں میں نے بیان کی ہیں جس توبہ کے اندر موجود ہوں اسے توبۃ نصوح کہتے ہیں یعنی پکی اور سچی توبہ۔ ایسی توبہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کی شانِ کریمی جوش میں آتی ہے۔ حدیثِ قدسی ہے :

رحمتی وَسِعَت غضبی — میری رحمت میرے غضب پر بھاری ہے

رحمت اور محبت اللہ تعالیٰ کی اصل صفتیں ہیں، فرماتے ہیں :

مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ۔ (النساء : ۱۴۷) — اگر تم شکر گذار بندے بنو اور ایمان لے آؤ تو وہ تمہیں عذاب دیکر کریگا کیا؟

اللہ تعالیٰ کی اصل صفات رحمانیت اور رحیمیت ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہت عمدہ مثال ارشاد فرمائی۔ آپؐ کے پاس عورتیں اور مرد قیدی بن کر آئے، ایک عورت پریشان بھاگتی پھر رہی تھی، اس کا بچہ گم ہوگیا تھا، وہ بیچاری مامتا کی ماری کبھی اس بچے کو چومتی کبھی اُس بچے کو اٹھاتی اور چھاتی سے لگاتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس عورت کی حالت

کو دیکھا تو صحابہؓ سے فرمایا کہ بتاؤ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈالے گی؟ صحابہ نے جواب دیا ہرگز نہیں، آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کو سو حصوں میں تقسیم کیا، اور سو حصوں میں سے ایک حصہ اپنی مخلوق پہ منعکس فرمایا تو وہ ایک حصہ روئے زمین کے جانداروں میں، ماؤں کی ممتا، والدوں کی شفقت بھائیوں اور بہنوں کی محبت بن گیا، کروڑہا کروڑ ماؤں کی ممتا اس کی رحمت کے سوویں حصے سے بھی کم ہے، وہ تو سراپا رحمت ہے سراپا رحمت ہے

حدیث شریف میں ہے کہ

اللہ تعالیٰ اپنے گناہ گار بندے کی توبہ سے بہت خوش ہوتے ہیں، اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں کہ جو سفر پر جا رہا ہے اور سامانِ سفر اونٹ پر لدا ہوا ہوتا ہے اور راستے میں قیلولے کے لئے رُک جاتا ہے تھوڑی سی اونگھ آجاتی ہے، اس دوران اس کا اونٹ کہیں چلا جاتا ہے وہ شخص جب جاگتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اونٹ غائب ہے، ادھر بھاگتا ہے اُدھر بھاگتا ہے کہیں اسے اونٹ نظر نہیں آتا، پریشان ہو جاتا ہے، کہیں دُور دُور تک آب و دانہ نہیں رہائش کا کوئی انتظام نہیں، پریشان اور زندگی سے مایوس ہو کے اسی جگہ آکر وہ موت کے انتظار میں لیٹ جاتا ہے۔ اس کی آنکھ لگ جاتی ہے، جب آنکھ کھلتی ہے تو دیکھتا ہے کہ اونٹ سامان سمیت وہیں آکے کھڑا ہوا ہے تو اتنا خوش ہوتا ہے کہ کہتا ہے کہ اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب، یعنی فرطِ مسرت میں اسے ہوش نہیں رہتا وہ آپے سے باہر ہو جاتا ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جتنی خوشی اس آدمی کو اونٹ کے ملنے پر ہوتی ہے، اس سے کہیں زیادہ خوشی اللہ تعالیٰ

کو اپنے گنہگار بندے کی توبہ سے ہوتی ہے، وہ تو سراپا مغفرت ہے۔

**بہانہ، نہ کہ بہا** حقیقت تو یہ ہے کہ رحمتِ باری بندے کی مغفرت کا بہانہ تلاش کرتی ہے بہا (یعنی قیمت) تلاش نہیں کرتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ننانوے قتل کیے، آخر وہ توبہ کی غرض سے نکلا اور ایک زاہد و عابد کے پاس حاضر ہوا، اپنا حال بتاکر توبہ کی قبولیت کا راستہ پوچھا تو اس نے کہا کہ تیری توبہ قبول نہیں ہوسکتی، اس نے عابد کو بھی قتل کر دیا، اور پھر کسی اللہ والے کی تلاش شروع کر دی چنانچہ ایک شخص نے اسے کہا کہ تو فلاں گاؤں چلا جا کہ وہاں ایک بزرگ عالم ہے جو تجھے توبہ کا طریقہ بتلائے گا، اس پر وہ اس گاؤں کی طرف روانہ ہوا، جب آدھی راہ طے کر لی تو اس کی موت آگئی اور اس نے اپنا سینہ اس گاؤں کی طرف جھکا دیا۔

اس وقت رحمت اور عذاب کے فرشتے اس کے پاس جمع ہو گئے اور عذاب کے فرشتوں نے اسے قاتل اور مجرم ٹھہرایا لیکن رحمت کے فرشتوں نے اسے تائب بتایا کیونکہ وہ توبہ کے لئے اس گاؤں کی طرف جارہا تھا چنانچہ اس کی بستی اور جس بستی کو جارہا تھا دونوں کا فاصلہ ناپنے کا حکم ہوا اور ساتھ ہی اللہ نے اس عالم کی بستی کو قریب ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ اس بستی کے بالشت بھر قریب نکلا۔ اس طرح اللہ عزوجل نے اس کی بخشش کے سامان پیدا کر دیئے اور اس کی روح رحمت کے فرشتے لے گئے (مشکوٰۃ ص۲۰۳)۔

**استغفار کی برکتیں** میرے بزرگو اور دوستو! توبہ سے صرف گناہ ہی معاف نہیں ہوتے، بلکہ اس سے بے شمار دینی، دنیاوی، مادی اور روحانی فائدے اور برکتیں بھی حاصل ہوتی ہیں، ربِ کریم کا وعدہ ہے:

وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ

(ھود : ۳)

اور یہ کہ تم لوگ اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اس کی طرف متوجہ رہو، وہ تم کو وقت مقرر تک خوش عیش زندگی بخشے گا اور زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا :

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝

اے میری قوم! مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر توبہ کرو اس کے حضور میں، وہ بھیج دے گا تمہارے اوپر خوب بارشیں اور بڑھا دے گا تمہاری قوت میں زیادہ قوت اور منہ مت پھیرو مجرم بنتے ہوئے

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بار بار تلقین کی تھی

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝

(نوح : ۱۰ - ۱۲)

پس میں نے کہا تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا ہے وہ کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغات بنا دے گا اور اور تمہارے لئے نہریں جاری فرما دے گا

غالباً حسن بصریؒ کا واقعہ ہے کہ ان کے سامنے کسی شخص نے قحط سالی اور بارش نہ ہونے کی شکایت کی، آپ نے فرمایا استغفار کی کثرت کرو۔
دوسرے نے فقر و فاقہ کا رونا رویا آپ نے اسے بھی استغفار کی تلقین کی۔

تیسرے نے حصولِ اولاد کا وظیفہ بتانے کی درخواست کی آپ نے اسے بھی کثرت سے استغفار کا حکم دیا۔ حاضرین میں سے کسی نے تعجب سے دریافت کیا کہ یا حضرت! یہ کیا معاملہ ہے، سائلین مختلف ہیں مگر آپ ہر شخص کو ایک ہی جواب دے رہے ہیں، ایک ہی وظیفہ بتا رہے ہیں، ایک ہی دعا سکھا رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا کیا تم نے سورہ نوح میں نہیں پڑھا کہ استغفار کرو گے تو تمہارا رب بارش برسائے گا، مال دے گا، اولاد عطا کرے گا، باغات پھل دیں گے، نہریں پانی سے بھر جائیں گی۔ یہ سب استغفار کی برکتیں اور ثمرات ہیں۔

**ہر مشکل کا حل** خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی توبہ اور استغفار کو ہر پریشانی کا حل بتایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لزم الاستغفار جَعَلَ اللہ لہ من کلّ ھَمٍّ فَرَجًا وَرِزْقَہ من حیث لا یحتسب۔

(ابوداود)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص استغفار کو اپنے اوپر لازم کرلے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر دشواری سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دے گا اور ہر دکھ سے نجات دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہو گا۔

آج کون شخص ہے جو پریشان نہیں،
کون ہے جو حالات سے شکوہ کناں نہیں،
کون ہے جسے کوئی مشکل درپیش نہیں،
کون ہے جسے اولاد کی نافرمانی یا رزق کی تنگی کی شکایت نہیں،
اللہ کے سچے رسول ؐ نے ان سب مسائل کا ایک مؤثر علاج بتلا دیا

ہے اور وہ یہ ہے کہ مالکِ حقیقی سے ہی حکم عدولیوں کی سچے دل سے معافی مانگ کر اسے راضی کرلے، جب وہ راضی ہوجائے گا تو تمام مشکلات ھباءً منثورًا ہوجائیں گی، اور تمام مسائل حل ہوجائیں گے۔

ظاہر ہے کہ تمام مسائل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور انہیں حل کرنا بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا اِدھر اُدھر ہاتھ مارنے کے بجائے اسی کی طرف رجوع کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی گرفت سے بچنے کا طریقہ بھی یہی ہے کہ استغفار کا التزام کرے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم انزل اللہ علیٰ امانتین لأمتی وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ فَاِذَا مَضَيْتُ ترکت فیھم الاستغفار الیٰ یوم القیامۃ

ترمذی

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میری امّت کے لئے دو امانتیں نازل فرمائی ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے، وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ پس جب میں دنیا سے پردہ کرجاؤں (تو ایک امان اٹھ جائے گی اور دوسری امان) یعنی استغفار قیامت تک کے لئے اپنی امت کے اندر چھوڑ جاؤں گا۔

اس حدیث میں عذابِ دنیاوی سے محفوظ رہنے کے لئے دو چیزیں ارشاد فرمائیں ایک غیر اختیاری یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی دنیا میں تشریف فرما ہونا، یہ امر بندوں کے اختیار میں نہیں، جب اللہ نے چاہا اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بلالیا، دوسری اختیاری یعنی استغفار کرتے رہنا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وفات دیکر اٹھالیا جس کی وجہ سے امان کا ایک ذریعہ

جاتا رہا، اور دوسرا ذریعہ باقی ہے جو اپنے اختیار میں ہے یعنی استغفار کرتے رہیں اور عذاب سے بچتے رہیں ۔

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو امانیں نازل فرمائیں، جن میں سے ایک آپ کا وجود گرامی ہے اور دوسرا استغفار ہے آپ کے تشریف لے جانے کے بعد قیامت تک کے لئے اُمت کے لئے ایک امان یعنی استغفار باقی ہے

اہل مکہ مشرک تھے، ابوجہل ان کا سردار تھا، اس نے پتھر برسنے یا دردناک عذاب آنے کی دعا مانگی تھی، اللہ تعالیٰ نے یہ گوارا نہ فرمایا کہ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے اور استغفار میں مشغول ہوتے ہوئے ان پر عذاب بھیجے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے ان کے اندر موجود تھے، یہ تو ظاہر ہی ہے، اور استغفار کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ زمانۂ شرک میں جو حج کرتے تھے اس میں غُفْرَانَکَ غُفْرَانَکَ کہتے جاتے تھے ۔ یہ الفاظ طلبِ مغفرت کے لئے بولے جاتے ہیں، جب مشرکوں کو امان دی گئی کہ جب تک استغفار کرتے رہیں گے عذابِ دنیا میں مبتلا نہ ہوں گے تو مومنین بطریقِ اَولیٰ استغفار کی وجہ سے عذابِ دنیا سے محفوظ رہیں گے ۔

**کثرتِ استغفار رحمتوں کی آبشار**

میں اگر یوں کہوں کہ کثرتِ استغفار رحمتوں کی آبشار ہے تو یہ قطعاً مبالغہ نہیں ہوگا۔ وہ لوگ دنیا اور آخرت میں مبارک اور خوش قسمت ہیں جنہیں کثرتِ استغفار کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے ۔ عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

| | |
|---|---|
| قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم طوبیٰ لمن وجد فی صحیفتہ استغفارًا کثیرًا ۔ (ابن ماجہ) | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کے لئے بہت بہتر ہے جو قیامت کے دن اپنے نامۂ اعمال میں کثیر استغفار پائے ۔ |

دل کی ظلمت اور کدورت کا علاج بھی یہ ہے کہ استغفار کیا جائے۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المؤمن اذا اذنب کانت نکتۃ سوداء فی قلبہ فان تاب واستغفر صُقل قلبہ وان زاد زادت حتی تعلو قلبہ فذلکم الران الذی ذکرہ اللہ تعالیٰ کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ٥ (ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب مومن بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ داغ لگ جاتا ہے، پس اگر توبہ استغفار کرلے تو اس کا دل صاف ہوجاتا ہے اور اگر گناہ زیادہ کرے تو یہ سیاہ داغ بھی بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جائے گا، یہی وہ زنگ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کے اعمال نے ان کے دلوں پر زنگ لگا دیا۔

خلاصہ یہ کہ توبہ ولایت کا پہلا زینہ ہے،
توبہ گناہوں کی غلاظت سے پاک ہونے کے لئے آبِ زم زم ہے،
توبہ سے پریشانیاں دُور ہوتی ہیں،
توبہ انبیاء کرام علیہم السلام کا شیوہ ہے،
توبہ اولیاءِ عظام کا زیور ہے
توبہ روح کے زنگ کا مؤثر علاج ہے۔
توبہ رفعِ درجات کا مؤثر ذریعہ ہے۔
توبہ سیئات کو حسنات میں بدلنے کا مؤثر نسخہ ہے۔

**توبہ سے غفلت کے اسباب** جب توبہ کے اس قدر فضائل وثمرات ہیں تو آخر کیا وجہ ہے کہ لوگ توبہ نہیں کرتے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے توبہ نہ کرنے کے

مختلف اسباب بیان فرمائے ہیں۔

توبہ نہ کرنے کا پہلا سبب یہ ہے کہ آخرت پر کامل ایمان نہیں ہوتا، اگر انسان کا آخرت پر، وہاں کے حساب اور جزا سزا پر کامل ایمان ہو تو وہ کبھی توبہ سے غافل نہیں رہ سکتا۔ جس شخص کو یقین ہے کہ گناہوں سے توبہ نہ کرنے کی وجہ سے ہی دہکتے شعلوں کی نذر ہو سکتا ہوں، لوہے کے کوڑوں سے میری پٹائی ہو سکتی ہے کھولتا ہوا گندہ پانی اور جہنمیوں کی پیپ میرا مشروب بنے گی، خوف ناک اژدہے مجھ پر مسلّط کر دیئے جائیں گے،

اور اگر میں توبہ کر لوں تو ان ہولناک عذابوں سے بچ جاؤں گا، تو بتایئے وہ توبہ کرنے کو ترجیح دے گا یا توبہ سے غافل رہے گا؟

توبہ سے غفلت کا دوسرا سبب خواہشات کی غلامی ہے، سب کچھ جانتے بوجھتے انسان شہوات و خواہشات کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے اور اس سے نکلنے کے لئے تیار نہیں ہے، حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنّت اور جہنم کو بنانے کے بعد جبرئیل کو اس کے معائنہ کے لئے بھیجا، جبرئیل نے جنّت کی نعمتیں اور اسباب عیش دیکھ کر عرض کی کہ ان کے بارے میں جو بھی سنے گا وہ وہاں جانے کی ضرور کوشش کریگا۔

اور جہنم کی کلفتیں اور ہولناک سزاؤں کے معائنہ کے بعد عرض کیا کہ ان کے بارے میں جو بھی سُن لے گا وہ کوئی ایسا عمل نہیں کرے گا جو جہنم میں لے جانے کا سبب بنے۔

پھر رب تعالیٰ نے جنت کو مکارہ (ایسے اعمال جو نفس پر شکل ہوں) کے ساتھ اور جہنم کو شہوات و مرغوبات کے ساتھ ڈھانپ دیا اور جبرئیل کو دوبارہ معائنہ کا حکم دیا۔

جبرئیل علیہ السلام نے مشاہدہ کے بعد عرض کیا کہ اے ربّ العالمین! اب

تو ایسے لوگ بہت کم ہوں گے جو جہنم سے بچ سکیں اور جنت میں داخل ہو سکیں۔

توبہ سے غفلت کا تیسرا سبب یہ مفروضہ ہے کہ دنیا نقد ہے اور آخرت ادھار ہے، ادھار کے وعدے پر نقد سے کیوں محروم ہوا جائے۔

تیری گلی چھوڑ کر باغِ جنان میں جائے کون
نقد کا سودا چھوڑ کر وعدہ پہ دل لگائے کون

**وساوس** توبہ سے غفلت کا چوتھا سبب یہ وسوسہ ہے کہ توبہ تو کرلوں مگر ٹوٹ جائے تو کیا فائدہ ؟ یہ بالکل ایسے ہے کہ بھوک لگی ہوئی ہے کھانا نہیں کھاتے اس لئے کہ شام کو پھر بھوک لگ جائے گی، پھر کھانا کھانے سے کیا فائدہ ؟ ملیریا ہو رہا ہے، بیمار ہیں لیکن اس دفعہ علاج نہیں کراتے اس لئے کہ اگلے موسم میں پھر ملیریا ہو جائے گا، یہ شیطان کی چالیں اور نفس کے وسوسے ہیں، اس وقت تو علاج کرو بعد کا بعد میں دیکھا جائے گا، اس وقت تو روحانی بھوک کا ازالہ کرو بعد میں پھر بھوک لگی تو پھر توبہ کریں گے۔ قرآن مجید میں ہے :

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ ۝ (البقرہ) — اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں ان لوگوں سے جو بار بار توبہ کرنے والے اور پاکیزگی اختیار کرنے والے ہیں

بعض نکتہ رس علماء کہتے ہیں کہ اس آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو بار بار توبہ کرتے ہیں کیونکہ ان کی توبہ بار بار ٹوٹتی ہے۔ ایک عجیب حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم سارے کے سارے نیک بن جاؤ، اتنے نیک بن جاؤ کہ تم سے کوئی گناہ بھی سرزد نہ ہو تو میں تم سب کو ختم کروں گا اور ایک ایسی امت پیدا کروں گا جو یذنبون ویستغفرون ثم یذنبون ثم یستغفرون ثم یذنبون ثم یستغفرون

یعنی وہ لوگ گناہ کریں گے اور معافی مانگ لیں گے، پھر گناہ کریں گے پھر معافی مانگیں گے

پھر گناہ کریں گے پھر معافی مانگیں گے۔ توبہ ٹوٹتی ہے تو ٹوٹتی رہے ایک بار تو پکی توبہ کریں گے، اس وقت پورے اخلاص اور عزم کے ساتھ توبہ کریں گے خواہ دس منٹ کے بعد ہی ٹوٹتی ہے تو ٹوٹ جائے

مسئلہ یہ ہے کہ کچھ ایسے لوگ ہیں جن کی پوری زندگی گناہ میں گذرتی چلی آرہی ہے، مثلاً چالیس سال سے شراب پیتے چلے آرہے ہیں وہ توبہ کرنا چاہتے ہیں، شراب چھوڑنا چاہتے ہیں لیکن چھوٹتی نہیں توبہ بار بار ٹوٹ جاتی ہے، یہ لوگ کیا کریں؟

حضرتِ واعظ کے نزدیک شاید یہ مسئلہ سیدھا اور آسان ہو مگر اس کو آسان سمجھنا سادہ لوحی ہے۔ اس سے بھی زیادہ سادہ لوحی کی بات وہ ہے جو اکثر واعظ صاحبان دیرینہ گناہ گاروں کی اصلاح فرماتے ہوئے کرتے ہیں کہ "بھائی اللہ کے حضور پکی توبہ کرو۔ اگر توبہ ٹوٹ گئی تو قسمت پھوٹ گئی" نتیجہ یہ ہے کہ بیچارہ گنہگار یہ کہتا ہے کہ میاں توبہ تو ضرور ٹوٹے گی، سالہا سال کی بُری عادت اتنی جلدی تو چھوٹ نہیں سکتی، پھر میں ایسی کچی توبہ کیوں کر دوں کبھی موقع آیا تو پکی اور نہ ٹوٹنے والی توبہ کر دوں گا، اور وہ موقع کبھی نہیں آتا۔ وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ توبہ کرنے کا خیال بھی جاتا رہتا ہے۔

دیکھئے نیم خواندہ واعظ کی نادانی نے ایک اچھے بھلے شریف آدمی کو جو توبہ کر کے متقی بننا چاہتا تھا ہمیشہ کے لئے توبہ سے محروم کر دیا، ایسے دیرینہ مریض (CHRONIC PATIENT) کا علاج زیادہ احتیاط سے کرنا چاہیئے۔

ایسے شخص کا اصولی علاج یہ ہے کہ اس سے صاف صاف کہدینا چاہیئے کہ بھائی اس وقت تو خلوص اور عزم کے ساتھ توبہ کر لو، گذشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے، اگر خدانخواستہ توبہ ٹوٹ بھی گئی تو کیا ہوا؟ پھر اللہ کے حضور چلے

آنا اور صدقِ دل سے پھر توبہ کرلینا، آخر اس میں رکاوٹ کیا ہے؟ ایسا کہنے کی تو گنجائش نہیں کہ ؎

در کوئے نیک نامی مارا گذر نہ دادند
گر تو نہ پسندی تغییر کن قضا را

ایک قاعدے کی بات یوں ہے کہ جو چیز انتہائی اہم اور ضروری ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو عام فرما دیتے ہیں۔ جیسے ہوا انسانی زندگی کے لئے ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے عام اور بلاقیمت مہیا فرما دیا ہے، پانی بھی اسی طرح بہت ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے بھی عام فرما دیا، بالکل اسی طرح سے گناہوں کو چھوڑنے کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے بھی بہت آسان اور عام فہم نسخہ تجویز فرمایا ہے، وہ نسخہ یہ ہے کہ جب بھی گناہ سرزد ہو، دو نفل توبہ کی نیت سے فوراً پڑھیں اور پورے اخلاص کے ساتھ توبہ کرلیں، جب توبہ ٹوٹ جائے تو پھر سے فوراً یہی عمل کریں، پھر گناہ سرزد ہو جائے پھر توبہ کریں اور اسی وقت روتے ہوئے اللہ کے پاس آجائیں۔ اس عمل کو چھوڑنا نہیں ہے، آپ کہیں گے یہ تو تماشا ہوگیا کہ اِدھر توبہ کی ادھر توبہ ٹوٹ گئی اور پھر سے دو رکعت نفل پڑھ کے توبہ کرلی، میں کہتا ہوں یہ تماشا کرکے دیکھئے، اس میں بات یہ ہے کہ گناہ کے بعد جونہی آپ توبہ کریں گے اللہ کے سامنے روئیں گے، دو رکعت نماز نفل پڑھیں گے تو گناہ کو تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے، اور وہ نفل، وہ آنسو اور رونا دھونا منافع میں آجائیں گے، یہ سودا شیطان کو بھی منظور نہیں ہے، وہ بھی گناہ چھڑوا دے گا اور آئندہ گناہ کا موقع فراہم کرکے نہیں دیگا یہ بہت آسان اور مجرب نسخہ ہے، ضرور کریں۔

اس بارے میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن رحؒ نے بہت عجیب بات فرمائی ہے

کہ اگر کوئی شخص زندگی بھر توبہ کرتا رہے اور اس کی توبہ ٹوٹتی رہے تو پھر بھی گناہ کے فوراً بعد توبہ کرے اور پھر توبہ ٹوٹ جائے زندگی ساری اگر اس کی ایسی گذر جائے تو بھی یہ اس کی استقامت ہے، اس شخص کے بارے میں اللہ تعالےٰ فرمائیں گے کہ یہ شخص میری راہ میں آخر دم تک لڑتا تو رہا، اس نے ہتھیار تو نہیں پھینکے۔ مستقل طور پر باطل پرست تو نہیں ہوگیا۔ اس راہ میں بدترین صورت ہوگی تو یہی ہوگی، اس میں بھی اللہ تعالیٰ استقامت کا اجر عطا فرما دیں گے کہ میری راہ میں چلتے ہوئے یہ شخص کبھی سر کے بل کبھی منہ کے بل گرتا رہا لیکن پھر بھی توبہ کرتا رہا اور میری ہی طرف آگے تو بڑھتا رہا۔ تو مولانا مرحوم فرماتے تھے کہ توبہ کا بار بار کرنا خواہ توبہ ٹوٹتی رہے توبہ کے نہ کرنے سے بہت بہتر ہے۔

توبہ سے غفلت کا پانچواں سبب یہ وسوسہ ہے کہ اللہ غفور رحیم ہے، گناہ کئے جاؤ، وہ معاف کر دے گا، یہ حماقت کی بات ہے۔ قرآن مجید میں غفور رحیم کا استعمال مشروط معانی میں ہوا ہے۔

وَاِنِّیْ غَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی۔ (طٰہٰ : ۸۲)

میں غفور رحیم ہوں صرف اس شخص کے لئے جو توبہ کرے ایمان لے آئے، عمل صالح کرے اور پھر ہدایت یافتہ ہو جائے

ایک مثال عرض کرتا ہوں کہ جس طرح سے عام لوگ اللہ تعالیٰ کو غفور رحیم سمجھتے ہیں ایسے ہی اگر ہم اللہ کو غفور رحیم سمجھتے ہیں تو لیجئے میں ایک گناہ بتاتا ہوں وہ آپ کرکے دکھائیں، زہر ذرا کھا کے بتائیں، دیکھیں سزا دیتا ہے یا غفور رحیم ہونے کی وجہ سے معاف کر دیتا ہے، ذرا چھت پر سے چھلانگ لگا کر دیکھیں یہ بھی ایک غلطی ہے وہ معاف کر دے گا، وہ غفور رحیم ہے، آپ کہیں گے کہ یہ تو معاف نہیں کرے گا اس لئے کہ یہ تو جسمانی غلطی ہے تو وہ روحانی غلطی کو کیوں

معاف کرے گا؟ اگر اللہ تعالیٰ مادی زہر کو معاف نہیں کرتے ہیں تو روحانی زہر کو کیوں معاف کریں گے۔ اگر سنکھیا مادی زہر ہے تو شراب روحانی زہر ہے، کیا وجہ ہے کہ وہ جسمانی زہر کا استعمال تو معاف نہ کرے اور روحانی زہر کا استعمال معاف کردے۔ تمام گناہ روحانی زہر ہیں یہ ساری خودکشیاں ہیں یہ اس وقت تک قابلِ معافی نہیں جب تک ان سے صدق دل سے توبہ نہ کرلی جائے۔

توبہ سے غفلت کا چھٹا سبب شیطان کا یہ وسوسہ ہے کہ میاں توکّل سے کام لو، تقدیر میں جو لکھا ہے ہوجائے گا۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ رازق بھی تو ہے، توکل کرکے گھر بیٹھ جاؤ رزق کمانے کے لئے ہاتھ پاؤں نہ ہلاؤ اور یہ کہو کہ تقدیر میں جو لکھا ہے وہ گھر پہنچ جائے گا۔ یہاں تو بڑے سیانے ہیں فوراً جواب دیتے ہیں کہ بھائی جب تک ہاتھ پاؤں نہیں ماریں گے اللہ کی رزاقیت سامنے نہیں آئے گی۔ دوستو! جیسے رزّاق اس کی ایک صفت ہے ویسے ہی غفور رحیم بھی اس کی صفت ہے، جب تک مغفرت کے لئے ہاتھ پاؤں نہیں ماریں گے، اس کی مغفرت کی شان سامنے نہیں آئے گی۔

توبہ سے غفلت کا ساتواں سبب قنوطیت ہے۔ انسان گناہوں میں ڈوب جانے کے بعد اللہ کی رحمت سے مایوس ہوجاتا ہے اور پھر جو جی میں آتی ہے کر گذرتا ہے، سوچتا ہے کہ اب نجات ہے تو گئے ساری حسرتیں تو پوری کرلیں، یہ مایوسی کی کیفیت ہے، اور انتہائی مہلک کیفیت ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے مجرم مثلاً چنگیز، ہلاکو اور فرعون سب اسی قنوطیت کا شکار تھے، انھیں یقین تھا کہ ہماری مغفرت نہیں ہوسکتی، اب جو جی میں آئے وہ ظلم کرو، پھر وہ ظلم کرکے اس سے مزہ لیتے تھے

قرآن مجید میں اسی مایوسی کی کیفیت کو ختم کیا گیا ہے، اور بدترین مجرم کے لئے بھی توبہ کا راستہ کھلا ہوا ثابت کیا ہے۔
جیسا کہ میں آغاز ہی میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈال چکا ہوں۔

گرامی قدر حاضرین! میں نے اپنے ناقص مطالعہ کے مطابق آپ کے سامنے توبہ کی اہمیت وعظمت اور توبہ سے غفلت کے اسباب بیان کردیئے ہیں کوشش کیجئے اور دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سچے دل سے توبہ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

# نماز

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برقِ طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

شاعرِ مشرق

" نماز میں بے شمار فوائد ہیں دنیا کے بھی اور آخرت کے بھی،
نماز طہارت اور پاکیزگی کی عادت ڈالتی ہے،
نماز انسان کو وقت کا پابند بناتی ہے ،
نماز کی وجہ سے صبح خیزی کی عادت پڑ جاتی ہے ،
نماز کی برکت سے گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے ،
نماز با جماعت ادا کرنے سے معاشرے میں محبت کے جذبات فروغ پاتے ہیں ،
نماز قبر کی ظلمت میں چراغ کا کام دیتی ہے،
نماز آخرت کا بہترین توشہ ہے ،
نماز سے دل کو وہ سکون حاصل ہوتا ہے جو ہفت اقلیم کی دولت خرچ کرنے سے بھی حاصل نہیں ہوتا ،
سب سے بڑھ کر یہ کہ نماز سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے ،
نماز کی پابندی کرنے سے روزِ محشر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا حصول ممکن ہے ۔ "

# نماز

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَ اَقِیْمُوْا وُجُوْھَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ کَمَا بَدَاَکُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ (الاعراف)

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور نیز یہ کہ تم ہر نماز کے وقت اپنا رُخ سیدھا رکھا کرو اور اللہ کی عبادت اس طور پر کیا کرو کہ اس کی عبادت کو خالص اسی کے لیے کرنے والے ہو جس طرح اس نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اسی طرح پھر لوٹو گے۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔ (العنکبوت)

اور نماز قائم کریں بے شک نماز بے حیائی سے اور بُری باتوں سے باز رکھتی ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (البقرہ)

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے قوت حاصل کرو، بے شک اللہ تعالےٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

عن ابن مسعود قال سألتُ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم أیّ الاعمال احبّ الی اللہ قال الصلٰوۃ لوقتہا قلتُ ثمّ ایٌّ قال برّ الوالدین قلتُ ثمّ ایٌّ قال الجہاد فی سبیل اللہ۔ (البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کونسا عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے آپؐ نے فرمایا کہ نماز جس کو وقت پر ادا کیا جائے عرض کیا پھر کونسا عمل، فرمایا ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا، عرض کیا پھر کونسا عمل، فرمایا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا۔

عن ثوبانؓ قال قال رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استقیموا ولن تحصوا واعلموا ان خیر اعمالکم الصلاۃ ولا یحافظ علی الوضوء الا مؤمن

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! استقامت پر رہو اور تم ایسی حالت پوری طرح شمار نہیں کر سکتے (تمہاری طاقت میں نہیں) اور جان لو تمہارے بہترین اعمال میں نماز ہے اور وضو کی حفاظت نہیں کر سکتا مگر مؤمن۔

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! جتنے بھی آسمانی مذاہب ہیں ان سب میں نماز کا حکم دیا گیا ہے، ہوسکتا ہے ادائیگی کے طریقے میں، ارکان اور واجبات میں، اذکار اور اوراد میں کچھ فرق ہو لیکن جہاں تک نفسِ نماز کا تعلق ہے تو اس کا حکم ہر آسمانی وحی کو ماننے والی ملّت اور قوم میں رہا ہے

**تمام مذاہب میں نماز** حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم میں ہے فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ

حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو حکم ہوا اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ

حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کی قوم نے طعنہ دیا تھا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو بے آباد وادی میں چھوڑنے کا مقصد یہ بیان کیا تھا : رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے : وَکَانَ یَاْمُرُ اَھْلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے گہوارے میں کہا تھا : وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ

حضرت لقمان ؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی : یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ



بنی اسرائیل سے وعدہ لیا گیا تھا : اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ

**نماز اسلام میں** لیکن نماز کو جتنی اہمیت اسلام میں دی گئی ہے اتنی کسی دوسرے مذہب میں نہیں دی گئی ہے ۔ توحید کے بعد سب سے پہلا حکم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا وہ نماز کا حکم تھا ۔ آپ پر نبوت کے بالکل ابتدائی زمانے میں سورۂ مدثر نازل ہوئی جس میں اشارۃً نماز کا حکم دے دیا گیا تھا ۔ ارشادِ باری ہے :

یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ۔ اے لحاف میں لپٹے ہوئے اٹھ اور ہوشیار کر اور اپنے رب کی بڑائی بول ۔

رب کی بڑائی بولنا ہی نماز کی بنیاد ہے ، نماز کی ابتداء اَللّٰہُ اَکْبَرُ سے ہوتی ہے اور چار رکعت والی نماز میں تقریبًا بائیس بار یہ کلمہ دہرایا جاتا ہے ، نماز کی طرف بلانے کے لئے جب اذان کہی جاتی ہے تو اس میں بھی

چھ بار یہ کلمہ دہرایا جاتا ہے اور جب نماز کے لیے اقامت کہی جاتی ہے تو اس میں بھی چھ بار اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔

نماز کا ہر رکن اس بات کا سبق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے بڑائی نہیں،

اسلام نے سونے چاندی اور اینٹ اور پتھر کے ان تمام بتوں کو عقیدۂ توحید کی ٹھوکر سے گرا دیا جن کی پوجا کی جاتی تھی اور صرف ایک اللہ کی نماز کو باقی رکھا تا کہ جس کو جھکنا ہو وہ صرف اللہ کے سامنے جھکے اور جسے مانگنا ہو وہ صرف اللہ سے مانگے اور اللہ کے سوا کسی کے بھی سامنے سجدے کو حرام قرار دیا خواہ وہ ولی قطب، ابدال، صحابی اور نبی ہی کیوں نہ ہو۔

**نماز اور قرآن** اور نماز کی اتنی تاکید کی گئی کہ صرف قرآن میں صراحۃً ایک سو نو مقامات میں نماز کا ذکر ہے اور اشارۃً کنایۃً تو سات سو کے قریب نماز کا ذکر ہے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر پینتالیس میں فرمایا: نماز اللہ سے ڈرنے والوں کے علاوہ سب پر بھاری ہے۔

سورۃ العنکبوت کی آیت نمبر پینتالیس میں فرمایا: بے شک نماز بے حیائیوں اور گناہ سے روک دیتی ہے۔

سورۂ مائدہ کی آیت نمبر پچپن میں فرمایا: بے شک تمہارے دوست تو صرف اللہ اور اس کے رسول اور وہ مسلمان ہیں جو نماز کو قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرتے ہیں۔

سورۂ توبہ کی آیت نمبر اکہتر میں مومنوں کی صفت یہ بتائی کہ وہ نماز پڑھتے ہیں۔

سورۂ مؤمنون کی آیت نمبر نو میں نمازیوں کو بہشت کا وارث قرار دیا۔
سورۂ توبہ کی آیت نمبر اٹھارہ میں نماز قائم کرنے والوں کو ہدایت یافتہ قرار دیا۔
سورۃ البقرہ کی آیت نمبر دو سو ستتر میں بتایا کہ نمازی بے خوف اور بے غم ہوں گے۔
سورۂ زمر کی آیت نمبر نو میں سمجھایا کہ نمازی اور بے نمازی برابر نہیں ہو سکتے۔
سورۂ مدثر کی آیت نمبر بیالیس میں خبر دی کہ بے نمازی دوزخ میں جلیں گے۔
یونہی پورے قرآن میں نماز کی اہمیت اور عظمت اور نماز چھوڑنے کا وبال اور عذاب مذکور ہے
اگر میں یہ دعویٰ کروں تو قطعاً بے جا نہ ہوگا کہ قرآن کریم میں کسی دوسری عبادت کے متعلق اتنے تفصیلی احکام نہیں ہیں جتنے تفصیلی احکام نماز اور نماز کے متعلقات کے ہیں۔

نماز کے لباس کی طہارت کا حکم قرآن میں ہے،
وضو، غسل اور تیمم کا حکم قرآن میں ہے،
مسجد میں نماز پڑھنے اور مسجدوں کو آباد کرنے کا حکم قرآن میں ہے،
نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانے کا حکم قرآن میں ہے،
نمازِ جمعہ اور تہجد کا حکم قرآن میں ہے،
سفر میں قصر کرنے اور خوف کی حالت میں سوار یا پیادہ نماز پڑھنے کا حکم قرآن میں ہے،
قیام، قعود، رکوع، سجود، تکبیر، تسبیح اور تحمید کا حکم قرآن میں ہے،
یہاں تک کہ قرآن نے یہ چھوٹا سا مسئلہ بھی بتا دیا کہ خوف کے وقت نماز میں ہتھیار ساتھ رکھنے چاہئیں۔

اس کے مقابلے میں آپ دوسری عبادات کو دیکھ لیں روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ آپ کو اتنی تفصیل اور اتنی تاکید کے ساتھ کسی دوسری عبادت کے احکام نہیں ملیں گے۔

**ہر حالت میں فرض** اس کی یوں تو کئی وجہیں ہو سکتی ہیں لیکن ایک بڑی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ دوسری عبادتیں مخصوص حالات میں مخصوص شرائط کے ساتھ فرض ہیں جس انسان کے اندر وہ شرائط نہ پائی جائیں اسے مستثنیٰ کر دیا جاتا ہے یا کم از کم اسے مہلت دے دی جاتی ہے۔

روزے سال بھر میں صرف ماہِ رمضان کے فرض ہیں لیکن مسافر، بیمار شیخ فانی اور حیض نفاس والی عورت پر روزہ نہیں ہے، یہ قضا کر سکتے ہیں بلکہ جو شخص بہت بوڑھا ہو یا ایسا بیمار ہو جائے کہ موت تک صحت ہی نصیب نہ ہو وہ روزوں کا فدیہ دے سکتا ہے۔

حج زندگی بھر میں ایک بار فرض ہے وہ بھی اس شخص پر جو سفر کے اخراجات برداشت کر سکتا ہو اور راستہ بھی پُرامن ہو۔

زکوٰۃ پورے سال میں ایک دفعہ فرض ہوتی ہے اور اس کی فرضیت کی بھی بہت ساری شرائط ہیں ـــــ مالدار ہو، اتنا مقروض نہ ہو کہ سارا پیسہ قرض میں ڈوب جائے، اس کے پاس جو کچھ ہے وہ ضروریاتِ اصلیہ سے زائد ہو، وہ پیسہ سال بھر سے اس کے پاس ہو۔

جہاد بھی مخصوص حالات میں فرض عین ہوتا ہے اور عام حالات میں بوڑھا، عورت اور بیمار اس سے مستثنیٰ ہے ـــ لیکن نماز ہر حالت میں فرض ہے خواہ بیماری ہو یا سفر ہو، جنگ ہو یا امن ہو۔

نماز ہر شخص پر فرض ہے۔ امیر ہو یا غریب، بوڑھا ہو یا جوان، مرد ہو

یا عورت، عالم ہو یا جاہل ،

نماز پورے سال کے بارہ مہینے اور ہر مہینے کے ہر دن اور ہر رات میں فرض ہے ،

جب تک کسی مسلمان کے ہوش وحواس باقی ہیں اور جب تک اس کے جسم میں جان ہے اس کے لئے نماز کا پڑھنا ضروری ہے ، کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھے ، بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کر پڑھ لے ، رکوع سجدہ نہیں کر سکتا تو اشاروں سے پڑھ لے ، وضو نہیں کر سکتا تو تیمم سے پڑھ لے ، ستر ڈھانپنے کے لیے کپڑے نہ ہوں تو ننگے بدن ہی پڑھ لے ، قبلہ کی جہت معلوم نہ ہو تو جس طرف زیادہ دھیان جائے اُسی رُخ پڑھ لے ، میدانِ جنگ میں رُکنے کا موقع نہ ہو تو سواریوں پر سوار چلتے پھرتے پڑھ لے ،

دوسرے مذاہب میں عبادت کے لیے گرجے اور مندر میں جانا ضروری ہے کاہنوں، پنڈتوں اور راہبوں کو خوش کرنا ضروری ہے ،

لیکن نماز ر روئے زمین کے ہر حصے پر ادا ہو سکتی ہے بلکہ سمندر کی لہروں اور ہواؤں کے دوش پر بھی نماز ادا ہو سکتی ہے جس جگہ مسلمان سرِ نیاز کو سراپا ناز کے سامنے جھکا دے گا وہی مسجد بن جائے گا ۔

مولوی صاحب کو خوش کرنے کی ضرورت نہیں اگر خود نمازی کے اندر امامت کی شرائط پائی جاتی ہوں تو وہ بھی امام بن سکتا ہے لیکن ایسے نہ ہو کہ مصلے پر کھڑے ہونے کا شوق تو ہو مگر امامت کی شرائط ندارد ۔ جیسے ہمارے ہاں آج کل ہو رہا ہے ڈاڑھی غائب ، قرآن کا تلفظ غلط ، فرائض اور واجبات کا علم نہیں مگر کوٹ اور پتلون پہن کر امامت کا شوق فرما رہے ہیں ۔

**ماڈرن امام** مجلس تحفظِ ختم نبوّت کے سابق امیر مولانا لال حسین اختر مرحوم ایک ایسے ہی ماڈرن امام صاحب کا واقعہ سنایا کرتے تھے کہ کسی باہر کے ملک میں ہم نے ان کی اقتداء میں نماز پڑھی انہوں نے نماز کے آخر میں سجدۂ سہو ادا کیا جبکہ بظاہر انہوں نے کوئی ایسی غلطی نہیں کی تھی جس پر سجدۂ سہو واجب ہوتا ہو۔ ہم نے نماز کے بعد ان سے پوچھا حضرت بظاہر تو آپ سے کوئی غلطی صادر نہیں ہوئی پھر آپ نے سجدۂ سہو کیوں کیا تو انہوں نے بڑے بھولپن سے جواب دیا: اصل میں دورانِ نماز میری ہوا خارج ہو گئی تھی اس لیے میں نے سجدۂ سہو کر لیا۔

تو اس قسم کے جہلاء کو تو امام بنانا جائز نہیں ورنہ ہر وہ شخص جو امامت کی شرائط پر پورا اترتا ہو وہ امام بن سکتا ہے خواہ مولویت اس کا پیشہ ہو یا نہ ہو۔

**ایک اور فرق** دوسری عبادات اور نماز کے درمیان ایک اور فرق ملاحظہ کیجئے اور یہ بڑا عجیب فرق ذہن میں آرہا ہے، اگر یہ درست ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور اگر غلط ہو تو میرے ذہن اور سوچ کی غلطی ہو گی۔

وہ یہ کہ حج صرف مکۃ المکرمہ اور اس کے مضافات ہی میں ادا ہو سکتا ہے اور کہیں بھی حج نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں بھی حج نہیں ہو سکتا بلکہ اگر کوئی شخص نو ذی الحجہ کو میدانِ عرفات میں نہ جائے اور سارا دن کعبہ کا طواف کرتا رہے اور حجرِ اسود کو بوسے دیتا رہے تو بھی اس کا حج ادا نہیں ہو سکتا خواہ وہ معذور ہو یا بیمار ہو۔

اسی طرح اگر کوئی شخص غیر مستحق کو زکوٰۃ دے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی

اس کے لیے صحیح مصرف اور جائز مستحق کو تلاش کرنا ہوگا اور آپ حضرات جانتے ہیں کہ بعض اوقات مصرف کا تلاش کرنا کتنا مشکل مرحلہ ہوتا ہے انسان پریشان ہو جاتا ہے کہ کس کو زکوٰۃ دے اور کس کو نہ دے، بعض سفید پوش، غریب اور مستحق ہوتے ہیں اور بعض پھٹا پرانا لباس پہننے والے حقیقت میں مالدار ہوتے ہیں۔

یونہی روزوں کا معاملہ ہے، ایک ایسا شخص جو جیلخانے میں محبوس ہے اور سحری و افطاری جس کے اختیار میں نہیں ہے اس کے لیے سنت کے مطابق روزے کا اہتمام بڑا مشکل ہے اور اگر وہ کمزور ہے تو اس کے لیے بغیر سحری کھانے کے روزہ رکھنا ویسے ہی ناممکن ہے،

میری اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ دوسری عبادات میں ایسی مخصوص شرائط ہیں جن کی وجہ سے ایک شخص چاہت کے باوجود بھی ان کی ادائیگی نہیں کر سکتا۔ لیکن نماز میں کوئی ایک شرط بھی ایسی نہیں جس کا پورا کرنا کسی کیلئے ناممکن ہو، جو شرطیں شریعت نے لگائی ہیں وہ بھی صاحبِ عذر سے ساقط ہو جاتی ہیں۔

طہارت، ستر، توجہ الی القبلہ، قیام، قعود، قرأت یہ سب نماز کے ارکان ہیں۔

لیکن اگر پانی نہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

کپڑا نہ ہو تو ننگے بدن نماز پڑھ سکتے ہیں،

قبلہ کی جہت معلوم نہ ہو تو تحرّی سے نماز پڑھ سکتے ہیں،

قیام نہ کر سکے تو بیٹھ کر اور بیٹھ بھی نہ سکے تو لیٹ کر نماز پڑھ سکتے ہیں

گونگا ہے قرأت نہیں کر سکتا تو بغیر قرأت کے بھی نماز پڑھ سکتا ہے،

لیکن پڑھنی ضروری ہے، کسی حالت میں بھی نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں کیونکہ نماز چھوڑنے سے اس کا ایمان کامل نہیں رہے گا، اس کے دین میں نقص آجائے گا کیونکہ دین میں نماز کی وہی حیثیت ہے جو جسم میں سر کی ہے۔

**نماز احادیث میں** حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

| | |
|---|---|
| قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ولاصلوٰۃ لمن لا طہور لہ ولا دین لمن لاصلوٰۃ لہ انما موضع الصلوٰۃ من الدین کموضع الرأس من الجسد۔ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس کی طہارت نہیں اس کی نماز نہیں اور جس کے لیے نماز نہیں اس کے لیے دین نہیں، نماز کا مقام دین میں ایسا ہے جیسے سر کا مقام جسم میں |

(الترغیب والترہیب بحوالہ طبری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

| | |
|---|---|
| قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا سہم فی الاسلام لمن لاصلوٰۃ لہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام میں اس کا حصہ نہیں جس کی نماز نہیں۔ |

(الترغیب بحوالہ مسند بزاز)

جو شخص نماز کا پابند نہیں ہوتا اس کا ایمان ہمیشہ خطرے میں رہتا ہے وہ کسی وقت بھی شیطان کے جال میں آکر کفر و شرک کی وادیوں میں گر سکتا ہے جبکہ نماز انسان کے اردگرد ایک مضبوط حصار بنا دیتی ہے جس کی وجہ سے وہ کفر و شرک سے بچا رہتا ہے۔ یہ حصار نہ ہو تو خطرات ہی خطرات ہیں اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں نماز چھوڑنے والے کے متعلق کفر و

شرک کا ڈر ظاہر فرمایا ہے۔ حضور علیہ السلام کی وہ مشہور حدیث تو آپ نے سُنی ہو گی کہ "جس نے جان بوجھ کر نماز کو چھوڑا اس نے کفر کیا" اس حدیث کا ایک مطلب علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص عمداً نماز چھوڑتا ہے وہ بتدریج کفر کی طرف چلا جاتا ہے۔ اسی طرح آپ نے ایک حدیث میں نماز کو دین کا ستون قرار دیا ہے جس طرح ستون کے گر جانے سے عمارت گر جاتی ہے۔ اسی طرح نماز کے چھوڑنے سے دینداری بھی رخصت ہو جاتی ہے۔

طائف والوں کا ایک وفد آپؐ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور اس نے صلح کی بات چیت شروع کی بات چیت کے دوران انہوں نے اصرار کیا کہ ہمیں فی الحال نماز سے اور جہاد اور صدقات سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ آپؐ نے انہیں جہاد اور صدقات سے تو مستثنیٰ کر دیا مگر نماز سے مستثنیٰ کرنے سے انکار فرما دیا آپؐ نے فرمایا "جس دین میں اللہ کے سامنے جھکنا نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں" اسلام تو نام ہی تسلیم اور جھکنے کا ہے، جب جھکنا ہی نہ ہو تو اسلام کیسا؟

**ایک اشکال** کہیں آپ کے ذہن میں یہ اشکال نہ آئے کہ جہاد اور صدقہ جیسی عظیم عبادت کی ان کو کیسے چھٹی دے دی؟

اصل بات یہ تھی کہ آپ جانتے تھے کہ جب یہ ہر روز پانچ وقت اللہ کے سامنے جھکیں گے، اس کی تسبیح و تحمید کریں گے، اس سے مانگیں گے، اس کی چوکھٹ پر اپنا سب کچھ نثار کریں گے تو اس کی رضا کی خاطر مال اور جان قربان کرنے کے لیے بھی تیار ہو جائیں گے،

کیوں کہ جب نماز کو اس کی روح کے ساتھ ادا کیا جائے تو پھر نماز کہیں اور کا رہنے نہیں دیتی بلکہ اسی کا بنا کر چھوڑتی ہے مگر واقعی نماز ہو!

رکوع اور سجدوں سے بھی اللہ کی پرستش ہو اور دل سے بھی اس کی پرستش ہو ایسے نہ ہو کہ ظاہری جسم تو اس کے سامنے جھکا ہوا ہو مگر دل جھکا ہوا ہو۔

دولت کے سامنے ،

اقتدار کے سامنے ،

شہرت و نمود کے سامنے بقول حضرت اقبالؒ ؎

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو ، زمین سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا ، تجھے کیا ملے گا نماز میں

جو صحیح نماز ہوتی ہے وہ دین کی حفاظت کرتی ہے، وہ ایمان کی حفاظت کرتی ہے، وہ دوسرے نیک کاموں پر آمادہ کرتی ہے۔

حضرت عمر بن خطابؓ ایسے لوگوں کو ذمہ داری سونپا کرتے تھے جو نمازی ہوتے اور اپنے گورنروں اور وزراء کو نماز کی تاکید کرتے رہتے تھے، مؤطا امام مالک میں ہے کہ آپ نے اپنے تمام عمال کے نام یہ سرکلر جاری کیا

اِنَّ اَهَمَّ اُمُوْرِكُمْ عِندِي الصَّلٰوةَ مَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا حَفِظَ دِيْنَهٗ وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا اَضْيَعُ۔

تمہارے کاموں میں میرے نزدیک سب سے اہم کام نماز ہے جس نے اس کی حفاظت کی اور اس کی نگرانی کی تو اس نے اپنے سارے دین کو محفوظ کر لیا اور جس نے اس کو ضائع کر دیا تو وہ باقی باتوں کو بہت زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا

**تارکِ صلوٰۃ کے لئے وعیدیں** یہ تو آپ سن ہی چکے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو نماز کا تارک ہے اس کے دین کا اعتبار نہیں اور یہ کہ جو نماز چھوڑتا ہے اس کا اسلام میں حصّہ نہیں۔

اس کے علاوہ بھی آپؐ نے تارکِ صلوٰۃ کے لیے متعدد وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں ۔حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :

| | |
|---|---|
| اوصانی خلیلی (صلی اللہ علیہ وسلم) ان لاتشرك باللہ شیئًا وان قُطعتَ وحُرّقتَ ولا تَترك صلوٰۃً مکتوبۃً متعمّدًا فمن تَرَکھَا مُتعَمِّدًا فقَدْ برئَتْ منہُ الذِمّۃُ (زجاجۃ المصابیح بحوالہ ابن ماجہ) | مجھے میرے پیارے دوست (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نے وصیت فرمائی ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا، چاہے تجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے یا تجھے آگ میں جلا دیا جائے اور فرض نماز کو قصدًا نہ چھوڑنا کیونکہ جس نے فرض نماز کو قصدًا چھوڑا اس سے اللہ تعالیٰ کا ذمہ (حفاظت) اٹھ گیٔ ۔ |

اسی طرح حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ مجھے بھی آپ نے وصیت کی تھی کہ قصدًا فرض نماز نہ چھوڑنا ورنہ اللہ کا ذمہ ٹوٹ جائے گا

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب میری بینائی جاتی رہی تو بعض لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کا علاج کرنا چاہتے ہیں مگر کچھ دنوں کے لئے آپ کو نماز چھوڑنی ہوگی، اس پر حضرت ابن عباسؓ نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تارکِ صلوٰۃ قیامت کے دن ایسی حالت میں اللہ سے ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک ہو گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جس نے نماز کی حفاظت نہ کی اور اسے وقت پر ادا نہ کیا تو قیامت میں اس کے لیے کوئی حجت اور برہان نہیں ہوگی اور اس کا حشر قارون، ہامان اور اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

کس قدر سخت وعیدیں ہیں؟ کیا ان وعیدوں کو سننے کے بعد کوئی بھی مسلمان نماز چھوڑنے کی جرأت کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ مگر افسوس کہ ہمارا ایمان اتنا ضعیف ہو گیا ہے کہ وہ ہمیں نماز کی پابندی پر آمادہ نہیں کرسکتا ورنہ جس شخص کے سینے میں ایمان قرار پاچکا ہو اس کی زندگی نماز کے بغیر گذر ہی کیسے سکتی ہے

**صحابہؓ اور نماز کا اہتمام** میرے آقا کے جانثاروں کو دیکھئے وہ نماز کا کس قدر اہتمام کرتے تھے اس لیے کہ سینوں میں ایمان راسخ ہو چکا تھا سخت سے سخت مصروفیت کی حالت میں بھی اگر نماز کا وقت آجاتا تو وہ تمام کاروبار چھوڑ کر سیدھے مسجد کی طرف روانہ ہو جاتے تھے۔ حضرت سفیان ثوریؒ سے روایت ہے،

كَانُوا يَتَبَايَعُوْنَ وَلَا يَدَعُوْنَ الصلوات المكتوبة في الجماعة صحابہ خرید و فروخت کرتے تھے (لیکن اس کے باوجود) فرض نماز کو جماعت کے ساتھ کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔

یعنی نماز تو رہی ایک طرف، جماعت تک سے محرومی گوارا نہیں تھی،

کاروبار اپنی جگہ،

تجارت اپنی جگہ،

مصروفیات اور مشاغل اپنی جگہ

مگر نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام تھا،

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں ایک دفعہ میں بازار میں تھا کہ نماز کا وقت آگیا تمام صحابہؓ نے دوکانیں بند کیں اور فوراً مسجد میں چلے گئے، اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ ان کی شان میں یہ آیتِ کریمہ نازل فرمادی:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا صحابہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور کاروبار

بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ اللہ کی یاد سے اور نماز قائم کرنے سے نہیں روکتے

اور آگے گویا وجہ بھی بتادی کہ تجارت اور بیع وشرا ان کو اللہ کے ذکر اور نماز کے قائم کرنے سے کیوں نہیں غافل کر پاتے، فرمایا:

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ وہ ڈرتے رہتے ہیں ایسے دن سے جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔

جس انسان کے دل میں قیامت کا خوف اور اللہ کی ذات کا ڈر پیدا ہو جائے وہ کبھی اس کی یاد سے غافل ہو ہی نہیں سکتا۔

ہم پر جو غفلت اور مدہوشی طاری ہو جاتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دل میں ڈر نہیں ہے قیامت کی جزا سزا اور حساب کتاب کا خوف نہیں ہے

لیکن صحابہ کے دل میں چونکہ اللہ کی پکڑ کا ڈر تھا اس لیے وہ کسی حالت میں بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے تھے

تجارت،

ملازمت،

مزدوری،

گھریلو مصروفیات،

اور سخت سے سخت مصیبت اور پریشانی، ان کے اور نماز کے درمیان رکاوٹ نہیں بن سکتی تھی۔

جس دن امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کو زخم لگا اسی رات کی صبح کو لوگوں نے آپ کو نمازِ فجر کے لیے جگایا، باوجودیکہ سخت زخمی تھے، زہر میں بجھا ہوا تیر جسم میں اتر گیا تھا مگر آپ فوراً نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس حالت میں نماز ادا فرمائی کہ جسم سے مسلسل خون جاری تھا اور اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ

"ہاں جو شخص نماز چھوڑ دے اس کا اسلام میں کوئی حصّہ نہیں" اگر کسی رکاوٹ کی وجہ سے نماز قضا ہو جاتی تو صحابہ کرامؓ کو سخت غصّہ آتا تھا۔ غزوۂ بدر میں حضرت عمرؓ کی نمازِ عصر قضا ہو گئی تو کفار کو بُرا بھلا کہتے ہوئے بڑے رنج سے کہا: "یا رسول اللہ! سورج غروب ہو رہا ہے اور میں نے اب تک نمازِ عصر نہیں پڑھی"

ہم سیّدنا حسینؓ بن ابی طالب کے ساتھ عقیدت و محبت کے بڑے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں ان کے نام پر کھچڑے اور حلیم پکا پکا کے کھاتے اور کھلاتے ہیں اور بعض سینئر قسم کے عاشق تو ان کے نام پر پیٹ پیٹ کر اپنے سینے بھی لہولہان کر لیتے ہیں لیکن حیرت ہے کہ انہیں نماز پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی، حالانکہ وہ خود بڑے جوش و خروش کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور سنتے سناتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے عین میدانِ جنگ میں بھی نماز ترک نہیں کی، حالانکہ اس وقت ان کا ایک ایک ساتھی اور عزیز ان کی نظروں کے سامنے شہید ہو رہا تھا، خاندان کے بچے پیاس سے تڑپ رہے تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے نماز نہیں چھوڑی۔ مگر ہمارا حال یہ ہے کہ ہم عین اس وقت جب ہم شہیدِ کربلا کے نام پر جلسہ کر رہے ہوتے ہیں، ان کے نام پر جلوس نکال رہے ہوتے ہیں اس وقت بھی نماز قضا کر دیتے ہیں۔

حیرت ہے کہ شہیدِ کربلا نے تو تلواروں کی چھاؤں اور تیروں کی بارش میں بھی نماز نہ چھوڑی لیکن ہم امن اور سکون کی حالت میں بھی نماز ترک کر دیتے ہیں۔

اصل وجہ وہی ہے جو میں عرض کر چکا ہوں کہ ایمان کمزور ہو گیا ہے اور دلوں سے اللہ کا ڈر اور قیامت کا خوف نکل گیا ہے اگر ایسے نہ ہوتا تو ہم نماز چھوڑنے کا تصوّر بھی نہ کر سکتے۔

**فرض تو فرض نفل کا بھی اہتمام** وہ خوش قسمت انسان جو ہر وقت اللہ کی محبت میں سرشار رہتے ہیں وہ فرض تو فرض نفلی نمازوں کا بھی اتنا اہتمام کرتے ہیں کہ ہم نے شاید کبھی فرض نمازوں کا بھی اتنا اہتمام نہیں کیا ہوگا۔ انہیں نماز میں وہ سکون وہ لذت اور وہ کیف و سرور حاصل ہوتا ہے جو کسی دوسری چیز میں حاصل ہو ہی نہیں سکتا

ہم راتوں کو نیند کا لطف اٹھاتے ہیں لیکن اللہ والے رات کے سناٹے میں اپنے مالک کے سامنے رکوع و سجود میں مصروف رہتے ہیں، انہیں جو کچھ مانگنا ہوتا ہے وہ اپنے مالک سے رات ہی کو مانگتے ہیں، صحابۂ کرامؓ کے بارے میں تو خود رب کریم نے اپنے کلام میں گواہی دی ہے

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ یہ لوگ (عبادت میں مشغول رہنے کی وجہ سے) راتوں کو بہت ہی کم سوتے ہیں



جب شروع شروع میں سورۂ مزمل کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں تو صحابہ کرامؓ راتوں کو دیر تک تراویح کی طرح نماز پڑھتے رہتے تھے یہاں تک کہ پاؤں پھول جاتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے کیسے پیارے انداز میں ان کی عبادت کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ان کے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں، وہ لوگ خوف اور امید سے اللہ کو پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں

خوف اور امید یہ دونوں صفتیں مسلمان میں ہونی چاہئیں، صرف خوف ہی خوف ہو تو انسان مایوس ہو جاتا ہے، صرف امید ہی امید ہو تو انسان بے عمل ہو جاتا ہے۔ صحابہؓ میں دونوں چیزیں تھیں امید بھی تھی خوف بھی تھا، وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے تھے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے تھے اور یہی دو چیزیں ان کو اس وقت مصلّے پر لا کھڑا کرتی تھیں جب ساری دنیا میٹھی نیند کے مزے لے رہی

ہوتی تھی۔

اہل وعیال کی فکر وہ خود بھی راتوں کو اٹھ کر عبادت کرتے تھے اور دوسروں کو بھی خاص طور پر اپنے اہل وعیال کو بھی بیدار کر کے اپنے ساتھ نماز میں شریک کر لیتے تھے۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک رات حضور علیہ السلام گھر سے نکلے تو حضرت ابوبکرؓ کو دیکھا کہ نہایت پست آواز کے ساتھ نماز میں قرأت کر رہے ہیں، کچھ آگے بڑھے تو حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ نہایت بلند آواز کے ساتھ قرأت کر رہے ہیں، صبح کو جب دونوں حضرات آپ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا "ابوبکر! نماز میں تمہاری آواز اتنی پست کیوں تھی؟ عرض کیا یا رسول اللہ میں جسے سُنا رہا تھا وہ میری سرگوشی کو سن رہا تھا"۔

حضرت عمرؓ سے پوچھا "تمہاری آواز اتنی بلند کیوں تھی؟ عرض کیا یا رسول اللہ! میں سونے والوں کو جگاتا اور شیطان کو دھتکارتا ہوں"۔

دونوں حضرات کے جواب ان کے اپنے اپنے مزاج کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے مزاج میں جمال تھا اور حضرت عمرؓ کے مزاج میں جلال تھا۔ حضرت عمرؓ کو گوارہ نہ تھا کہ لوگ ساری رات غفلت کی نیند سوتے رہیں وہ اپنے اہل وعیال کو رات کے آخری حصّے میں خود جگا دیا کرتے تھے کہ اٹھو اور تم بھی مالکِ حقیقی کے سامنے مناجات کرو اور یہ آیت پڑھا کرتے تھے:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ — اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم دیجئے اور
وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا۔ — اور اس پر جمے رہئے۔

حضرت ابوہریرہؓ اور ان کی بیوی اور ان کے خادم نے رات کے تین حصے کر رکھے تھے، ہر حصّے میں ان میں سے ایک عبادت کرتا تھا اور دوسرے

دونوں سوتے تھے ، جب ایک نماز سے فارغ ہو جاتا تو دوسرے کو نماز کے لیے جگا دیتا تھا، دوسرے کے بعد تیسرا۔ یونہی رات بھر ان کے گھر میں اللہ کی عبادت ہوتی رہتی۔

اُس گھر پر اللہ تعالیٰ کی کتنی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہوں گی جس گھر میں رات کے ہر حصے میں کوئی نہ کوئی اللہ تعالیٰ کی حمد و مناجات میں مشغول رہتا تھا۔

آیئے ہم بھی اپنے گھروں کا جائزہ لیں کہ ہمارے ہاں رات بھر کیا ہوتا ہے، کیا اللہ کی عبادت ہوتی ہے یا معصیت کا ارتکاب ہوتا ہے۔ جب کبھی چھٹی کا دن ہو اگر آپ محلے کے ایک ایک گھر کا جائزہ لیں تو بعض محلّوں میں آپ کو بلامبالغہ اسّی فیصد بلکہ نوّے فیصد گھرانوں سے فلموں، گانوں اور ڈراموں کی آوازیں سنائی دیں گی، ان خرافات میں باپ سے اولاد تک پورا گھرانہ شریک ہوتا ہے، گھر کے سرپرست کو اس چیز کا قطعاً احساس نہیں کہ میرے گھر میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا میں ذمّہ دار ہوں اور یہ کہ اولاد کی اور گمراہی کا وبال میرے سر پر ہوگا۔

اور حیرت یہ ہے کہ ہمیں پھر بھی شکوہ ہے کہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں

یہودی ، عیسائی اور ہندو ہم پر کیوں مسلّط ہیں

گھروں سے اور دلوں سے سکون کیوں اٹھ گیا ہے ،

لڑائی جھگڑے اور خون خرابہ کیوں عام ہو گیا ہے ،

رزق میں برکت کیوں نہیں رہی ،

اس ملک میں اسلامی قانون کیوں نافذ نہیں ہوتا ،

ہم پر عدل و انصاف کرنے والے حکمراں کیوں نہیں آتے ،

یہ شکوے تو ہیں مگر

کوئی اللہ کا بندہ اپنے اعمال کی طرف نہیں دیکھتا، کیا واقعی ہم اس قابل ہیں کہ ہم پر نیک اور زاہد وپارسا حکمران آئیں ؟ کیا آپ نے سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان برحق نہیں سُنا کہ " اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ " تمہارے اعمال ہی تمہارے حکمران ہیں، عوامی زبان میں کہا جاتا ہے :"جیسا منہ ویسا تھپڑ"، اور جیسی روح ویسے فرشتے "

**فرصت** اور حیرت یہ ہے کہ بعض حضرات نماز نہ پڑھنے کا عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ ان کے پاس اتنی فرصت نہیں کہ وہ نماز پڑھ سکیں۔

کیسی دیدہ دلیری سے کہدیا جاتا ہے کہ ہمارے پاس فرصت نہیں۔

ارے اُس اللہ کی عبادت کے لیے تمہارے پاس فرصت نہیں جس نے تمہیں زندگی کی فرصت اور مہلت عطا کر رکھی ہے۔

سر اُسی کا،

جسم اُسی کا،

زندگی اس کی،

ہم اُس کے

ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ سب اس کا،

اور پھر ہم یہ کہیں کہ ہمارے پاس اس مالکِ حقیقی کے سامنے سجدہ کرنے کے لیے وقت نہیں، تو یہ طوطا چشمی نہیں تو اور کیا ہے

- نمک حرامی اور احسان فراموشی نہیں تو اور کیا ہے

آج ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس وقت نہیں ایک منظر وہ بھی ہوگا جب اللہ کے سامنے سجدے سے انکار کرنے والوں کو سجدے کے لیے بلایا جائے گا وہ سجدہ کرنا چاہیں گے مگر نہیں کر سکیں گے۔

وَيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سَالِمُوْنَ ۝

اور انہیں سجدہ کی طرف بلایا جائے گا تو سجدہ نہ کر سکیں گے، ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی اور اُن پر ذلت چھائی ہوگی اور یہ سجدہ کی طرف بلائے جاتے تھے اس حال میں کہ وہ صحیح سالم تھے۔

جب ہم یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرصت نہیں تو اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہوتا ہے کہ نماز پڑھنا تو نکموں اور بے کاروں کا کام ہے ہم تو کام والے ہیں ہمارے پاس نماز پڑھنے کا وقت کہاں،

ارے اللہ کے بندو! وہی وقت تو باکار رہے گا جو اللہ کی یاد میں بسر ہوگا اور وہ وقت تو بے کار اور فضول ہے جو یادِ حق سے غفلت میں گذر گیا،

مادیت پرستی نے ہماری سوچ کو کیسا پلٹ دیا ہے کہ جو وقت بے کار گذرتا ہے ہم اسے باکار کہتے ہیں اور جو وقت باکار بن سکتا ہے اُسے ہم بے کار سمجھتے ہیں

پھر یہ بھی تو سوچو کہ کیا ہماری مصروفیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصروفیات سے بھی زیادہ ہیں؟

آپ لاکھوں مربع میل کے حکمران تھے،

ملاقات کے لیے آنے والے وفود کا رش رہتا تھا،

اصلاح وتزکیہ کی خانقاہ بھی آباد رہتی تھی،

تعلیم وتدریس کی درسگاہ میں طلباء کی ایک بڑی تعداد بھی موجود رہتی تھی

جہاد کے لیے جانے والے لشکر کا نظم بھی آپؐ کے ہاتھ میں ہوتا تھا،

تبلیغ ودعوت کے لیے جماعتوں اور افراد کو آپؐ روانہ فرماتے تھے،

حکمرانوں اور رؤساء کے ساتھ خط وکتابت کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا

یتیموں اور بیواؤں کی خبرگیری بھی آپؐ فرماتے تھے ،
گیارہ بیویوں کے حقوق بھی ادا فرماتے تھے ،
لیکن یہ تمام ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھانے کے ساتھ نمازوں کا بھی اہتمام فرماتے تھے اور صرف نمازوں کا نہیں بلکہ نفلی نمازوں کا بھی اہتمام فرماتے تھے اور اس قدر اہتمام کہ نفلی نمازیں متروک نہیں ہوتی تھیں ،
قیام اللیل تو زندگی بھر آپؐ کا معمول رہا ، اور اتنا طویل قیام فرماتے کہ پیروں میں ورم آجاتا تھا ، سورۂ بقرہ ، سورۂ آل عمران اور سورہ نساء پوری پوری پڑھتے اگر کوئی خوف کی آیت آجاتی تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور اس سے پناہ مانگتے اور اگر کوئی بشارت کی آیت آتی تو دعا کرتے اور اس کی آرزو فرماتے ، سجدے میں جاتے تو روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتیں ۔ یوں آپ کی نماز تہجد ادا ہوتی تھی ۔
یہ اس عظیم پیغمبرؐ کی نماز کا حال تھا جس کی مغفرت کا اعلان ربِّ کریم نے قرآن کریم میں کیا ہے ،
جس کے سر پر ختم نبوّت کا تاج رکھا گیا ہے ،
جو سیّد الاوّلین والآخرین ہے ،
اور امت کا حال یہ ہے کہ اس کے پاس نماز کی فرصت نہیں ،
ٹی وی ، وی سی آر اور لغویات کے لیے فرصت ہے ،
ایک دوسرے کی غیبت ، چغلی اور بہتان تراشی کے لیے فرصت ہے ،
ڈائجسٹوں ، ناولوں ، افسانوں اور فلمی میگزینوں کے لیے فرصت ہے ،
کلبوں اور ہالوں میں پوری پوری شب گذارنے کے لیے فرصت ہے ،
مگر حیف صد حیف کہ ہمیں نماز کی فرصت نہیں ۔

## وہ جن سے تاریخ روشن ہے

ہمارے پاس تو نماز کے لیے وقت نہیں مگر ہمارے اور حق و بشر کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی راتوں کا بیشتر حصہ نماز میں گذرتا تھا

کہیں یہ نہ سوچیئے گا کہ آپ تو رسول اللہ تھے اور ہم عام انسان ہیں ہم آپ کی پیروی کر سکتے ہیں۔

معاذ اللہ اگر یہ خیال ہمارے دل میں آگیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں حضور علیہ السلام کی پیروی کا حکم دیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

پھر صحابہ کو دیکھیئے کیا ان کی کوئی مصروفیات نہیں تھیں۔

کیا ان کی کوئی ذمہ داریاں نہیں تھیں۔

اور کیا ان مصروفیات اور ذمہ داریوں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ وہ نمازوں کا اہتمام نہیں کرتے تھے،

صحابہؓ کے علاوہ ان بزرگوں کے حالات پڑھیئے جن کے ہم نام لیوا ہیں اور جن کے ناموں سے تاریخ روشن ہے، ان کا عبادت میں کیا حال تھا، میں صرف نمازوں کی بات نہیں کر رہا کیونکہ فرض نمازوں کے چھوڑنے کا تو ان کے ہاں تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا، میں ان کی نفلی نمازوں کی مثالیں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔

امام ابو حنیفہؒ دن بھر درس و تدریس میں اور فقہی مسائل کے سلجھانے میں لگے رہتے تھے لیکن ان کی تجارت بھی وسیع تھی مگر ان تمام مصروفیات کے باوجود بسا اوقات ان کی پوری پوری رات عبادت و مناجات میں گذر جاتی تھی۔

امام ابو حنیفہ رح کے تلمیذ رشید امام ابو یوسف قاضی القضاۃ تھے لیکن اس عظیم منصب کی ذمہ داریاں نبھانے کے باوجود محمد بن سماعہ کہتے ہیں کہ وہ روزانہ دو سو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دوسرے شاگرد امام محمدؒ دن بھر تدریس اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہنے کے باوجود ہر رات قرآن مجید کا ایک تہائی حصہ تلاوت فرماتے تھے۔ ان کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ انہوں نے رات کے تین حصے کر رکھے تھے۔ ایک حصہ سونے اور آرام کرنے کے لیے تھا، دوسرا حصہ نماز اور عبادت کے لیے اور تیسرا حصہ پڑھنے پڑھانے کے لیے تھا۔

**بائیس برس کے بعد تکبیر تحریمہ فوت ہوئی** آپ سوچیں گے کہ یہ تو پرانے زمانے کی بات ہے، میں آپ کو قریب کے زمانے کا واقعہ سناتا ہوں۔

فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا شاید آپنے نام سنا ہوگا وہ مرشد اور پیر بھی تھے، ہر وقت مریدوں کا جمگھٹا لگا رہتا تھا، اصلاح اور تزکیہ کا سلسلہ جاری رہتا تھا، وہ اپنے دور کے مفتی اعظم بھی تھے، پورے ہندوستان بلکہ بیرون ہندوستان سے بھی استفتاء آتے رہتے تھے جن کے وہ علمی اور تحقیقی جوابات دیا کرتے تھے،

وہ ایک کامیاب مدرس اور استاد بھی تھے، علم کے پیاسے دور دور سے آتے تھے اور پیاس بجھاتے تھے،

اس کے ساتھ ساتھ آپ صاحب عیال تھے اس لیے ظاہر ہے کہ اہل و عیال کے حقوق بھی ادا فرماتے تھے اور گھر میں بھی کچھ نہ کچھ وقت دیتے تھے،

لیکن ان تمام ذمہ داریوں اور مشاغل کے باوجود صرف نماز کا نہیں بلکہ نماز باجماعت کا اس قدر اہتمام تھا کہ بائیس برس تک تکبیر تحریمہ فوت نہیں ہوئی۔ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ دیوبند میں دستار بندی کا جلسہ ہو رہا تھا اس میں ایک دن غالباً عصر کی نماز میں ایسا اتفاق پیش آیا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نماز پڑھانے کے لیے مصلے پر کھڑے ہو گئے حضرت گنگوہی کسی عذر کی وجہ سے

تھوڑی سی تاخیر سے پہنچے لیکن آپ کے نماز میں شامل ہونے سے پہلے تکبیر تحریمہ ہوگئی تھی، سلام پھیرنے کے بعد دیکھا گیا کہ وہ عظیم انسان جو بڑے بڑے حوادث میں پریشان نہیں ہوتا تھا،

جو عزیزوں کی موت کی خبر بھی بڑے صبر اور سکون سے سُنا کرتا تھا۔

جس کے چہرے پر غربت اور تنگدستی کی وجہ سے کبھی پریشانی کے اثرات ظاہر نہیں ہوتے تھے،

جو بیماریوں اور تکلیفوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا

آج اس کے چہرے پر رنج وغم کے بادل چھائے ہوئے تھے،

تلامذہ کو فکر لاحق ہوئی، مرید پریشان ہوگئے۔ اہل تعلق نے رنج وغم کی اس کیفیت کو فوراً پہچان لیا۔

پوچھا گیا حضرت اتنے غمزدہ کیوں ہیں، کیا حادثہ پیش آگیا ہے۔

آپ نے بڑے رنج کے ساتھ فرمایا: "افسوس بائیس برس کے بعد آج تکبیر تحریمہ فوت ہوگئی"

"بائیس" برس زبان سے کہدینا آسان ہے مگر اس پر عمل کرکے دکھانا مشکل ہے۔

عام لوگوں کے ہاں بزرگی کا معیار کرامت ہے، وہ بزرگ ایسے شخص کو مانتے ہیں جس سے کوئی کرامت ظاہر ہو جس سے زیادہ کرامتیں ظاہر ہوں وہ بڑا بزرگ اور جس سے کم کرامتیں ظاہر ہوں وہ چھوٹا بزرگ اور جس سے کوئی کرامت بھی ظاہر نہ ہو وہ بزرگی سے خارج!

ہماری اس غلط سوچ کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ایسے ایسے لوگ بھی بزرگ بنے پھرتے ہیں جو زندگی بھر نماز کے قریب نہیں جاتے اور بعض تو ایسے ہوائی بزرگ بھی

ہیں جن کی پاکستان کی کسی مسجد میں نماز ہی نہیں ہوتی وہ مدینے جاکر نماز ادا کرتے ہیں۔

کھاتے یہاں ہیں پیتے یہاں ہیں، پیٹ یہیں سے بھرتے ہیں البتہ نماز مدینے میں جاکر پڑھتے ہیں۔

کوئی اللہ کا بندہ ان بہروپیوں سے پوچھے ظالمو! جب نماز وہاں جاکر پڑھتے ہو تو تمہیں کھانا وہاں کا اچھا نہیں لگتا؟ پانی مدینے کا اچھا نہیں لگتا؟ روٹیاں مدینے کی اچھی نہیں لگتیں؟

اور کچھ تو ایسے بھی ہیں جو دل میں پڑھتے ہیں، خورد و نوش منہ مبارک سے مگر نماز دل میں!

شیطان نے بے عملی کا کیا خوب صورت طریقہ اور حیلہ سمجھایا ہے کہ تمہیں نہ وضو کی ضرورت، نہ غسل کی ضرورت، نہ علی الصباح اٹھنے کی ضرورت، نہ مسجد میں جانے کی ضرورت، نہ رکوع سجود کی ضرورت۔ چونکہ تم پہنچے ہوئے ہو اس لئے تم دل کی نماز پڑھ لیا کرو۔

پتہ نہیں یہ کہاں پہنچے ہوئے ہیں۔

اس نماز کا نسخہ نہ حضور علیہ السلام کو معلوم،

نہ صحابہ کو معلوم،

نہ اولیاء اور صلحاء کو معلوم،

نہ علماء اور مشائخ کو معلوم،

سینہ بسینہ منتقل ہونے والا یہ نسخہ تو صرف ان نام نہاد ملنگوں کو معلوم ہے۔

اور دیدہ دلیری دیکھئے کہ حیلوں بہانوں سے نمازیں ہضم کر جانے

والے یہ ملنگ اوران کے بھولے بھالے بےعلم عقیدت منداں کوتو اولیاء اورعشاقِ رسول کہتے ہیں اور وہ جن کی بائیس سال تک تکبیر تحریمہ فوت نہ ہو اور زندگی قال اللہ وقال الرسولؐ کا درس دینے میں گذر جائے وہ معاذاللہ گستاخانِ رسول !

میرے بزرگو ! یہ سب جہالت کے کرشمے ہیں ورنہ وہ شخص عشقِ رسول کا دعویٰ ہی کیسے کرسکتا ہے جو نماز کے قریب بھی نہ پھٹکتا ہو ،

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ حال کہ وفات سے قبل جب بار بار غشی طاری ہورہی تھی تب بھی نماز کی ادائیگی کی فکر

اوراس حالت میں مسجد میں تشریف لاتے ہیں کہ خود چل کر نہیں آسکتے ، حضرت عباسؓ اور حضرت علی رضؓ کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہیں ، قدم مبارک صحیح طرح زمین پر ٹک نہیں سکتے ، زمین پر گھسٹ رہے ہیں مگر آپ پھر بھی مسجد میں حاضر ہوتے ہیں اور نماز باجماعت ادا فرماتے ہیں ۔

اور جب زندگی کے چند لمحے باقی تھے اور فرضِ نبوّت کے آخری حروف زبانِ مبارک سے ادا ہورہے تھے تو آپ جانتے ہیں وہ آخری حروف کیا تھے ؟ وہ آخری وصیت کیا تھی جو آپؐ نے اپنی امت کو فرمائی تھی ؟

اَلصَّلٰوۃَ وَ مَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُم     نماز کا اور جن کے تم مالک ہو ان کے حقوق کا خیال رکھنا ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو نماز کی اتنی تاکید فرمائیں اور ہم جیسے بناسپتی عاشقوں کا یہ حال کہ ہم نماز کے قریب بھی نہ جائیں اور ہمارے عشق پر بھی کوئی حرف نہ آئے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمائیں کہ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہمیں

نماز پہاڑ جیسا بوجھ محسوس ہوتی ہو اور بہانہ یہ کہ جناب ہمیں فرصت نہیں ہے

**جامع العبادات** اصل بات یہ ہے کہ ہم نے نماز کی قدر و منزلت کو نہیں پہچانا، ہم نے کبھی سوچا ہی نہیں کہ کس قدر عظیم عبادت سے ہمیں نوازا گیا ہے

عبادت تو شجر و حجر بھی کرتے ہیں،

عبادت تو حیوانات اور حشرات بھی کرتے ہیں،

عبادت تو ملائکہ بھی کرتے ہیں،

عبادت تو پہلی امتیں بھی کرتی تھیں لیکن نماز ایسی عبادت ہے کہ وہ تمام عبادات کی جامع ہے، اس میں تمام مخلوقات کی عبادت آگئی ہے

درختوں کی عبادت ان کا قیام ہے،

پہاڑوں کی عبادت ان کا قعود ہے،

چوپاؤں کی عبادت ان کا رکوع ہے،

حشرات کی عبادت ان کا سجود ہے

اور نماز میں یہ سب کچھ ہے۔ اس میں قیام بھی ہے، قعود بھی ہے، رکوع بھی ہے، سجود بھی ہے۔

ملائکہ کے بارے میں ہمیں جو کچھ معلوم ہے وہ یہ کہ ان میں سے کوئی بارگاہِ صمدیت میں مسلسل کھڑا ہے، کوئی حالتِ رکوع میں ہے، کوئی سجود میں ہے، کوئی قعود میں ہے، کوئی تسبیح کر رہا ہے، کوئی تحمید کر رہا ہے، کوئی تکبیر میں مصروف ہے، کوئی مناجات میں مشغول ہے۔

ان میں سے ہر ادا ہی بڑی پیاری اور قابلِ رشک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کتنا فضل و احسان فرمایا کہ نماز میں ان تمام اداؤں کو جمع فرما دیا اور وہ نماز ایک عظیم اور بے مثال تحفے کے طور پر ہمیں عطا فرما دی۔

اس کے علاوہ پہلی امتوں کی نمازوں کو دیکھ لیجئے ان میں عجز و نیاز، دعا و مناجات اور حمد و ثنا کے جو ارکان تھے جو اذکار تھے وہ سارے کے سارے بتمام و کمال نماز میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔

ایک اور پہلو کی طرف بھی آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اسلام کی جتنی عبادات ہیں ان سب کی جھلک نماز میں پائی جاتی ہے۔

زکوٰۃ میں پیسہ خرچ ہوتا ہے، نماز کے لیے لباس اور مسجد وغیرہ کی تعمیر میں پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔

روزے میں خورد و نوش سے احتراز کیا جاتا ہے، نمازی کے لیے بھی حالتِ نماز میں کھانا پینا جائز نہیں۔

حج ایک عاشقانہ عبادت ہے وہی عاشقوں جیسی حالت، وہی وارفتگی وہی چاہت کے انداز، وہی بے تابی اور بے قراری،

نماز میں بھی محبوبِ حقیقی کو منانے کے لیے اور اس کے وصل کے لیے بندہ یہ سارے انداز اختیار کرتا ہے۔

مسکینی کی تصویر بن کر کھڑا ہوتا ہے،
اس کی ذاتِ والا صفات کی تعریف کرتا ہے،
پھر جھک جاتا ہے،
پھر پیشانی خاک پر رگڑتا ہے،
مقصد صرف یہ ہے کہ وہ راضی ہو جائیں،
وہ کہدیں جا تو ہمارا ہے،
ہم نے تجھے اپنا بنا لیا ہے اور ہم تجھ سے راضی ہو گئے ہیں،
یہ عشق و محبت کا پہلو بھی نماز کے اندر ہونا ضروری ہے، تواضع اور خوف

وخشیت بھی ہو اور ساتھ ساتھ شوق ومحبت بھی ہو تب عبادت کا مزہ آتا ہے اور حلاوت نصیب ہوتی ہے، اس کے بغیر ایک قسم کا بُعد اور حجاب سا رہتا ہے بقول شاعرِ مشرق ؎

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب! میرا سجود بھی حجاب!

بلکہ شاعرِ مشرق کا تو خیال ہے کہ انسان اور فرشتے کی نماز میں فرق ہی یہ ہے ؎

پیکرِ نوری کو ہے سجدہ میسّر تو کیا
اس کو میسّر نہیں سوز و گدازِ سجود

میری اس سمع خراشی سے آپ یقیناً یہ بات سمجھ گئے ہوں گے کہ نماز واقعی جامع العبادات ہے اس میں ساری عبادتیں آگئی ہیں اور عبادت کے سارے انداز اس میں جمع ہو گئے ہیں تو اب یہ خود سوچئے کہ اگر ہم نماز سے محروم رہتے ہیں تو یہ کتنی بڑی محرومی ہوگی۔

ایک شخص نماز سے محروم ہو کر ان تمام عبادات اور روحانی کیفیات سے محروم ہو جاتا ہے جن کی نماز جامع ہے ۔

تسبیح وتحمید سے محروم ،
دعا اور استغفار سے محروم ،
درود وسلام سے محروم ،
ذکر وتلاوت سے محروم ،
دل کے خشوع وخضوع سے محروم ،
اس کے علاوہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت ورحمت سے محروم ،

اس کی برأت اور ذمہ سے محروم

گھر کے سکون اور رزق کی برکت سے محروم

قیامت کے دن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور نظرِ شفقت سے محروم۔

**شکر و امتنان واجب ہے** میرے بزرگو اور دوستو! نماز کا پڑھنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہم ان تمام محرومیوں سے بچ سکیں اور اس لیے بھی ضروری ہے کہ نماز کا حکم ہمارے سب سے بڑے محسن نے دیا ہے، اگر ہم اس کے احسانات کو شمار کرنا چاہیں تو شمار نہیں کر سکتے اور محسن کا حکم ماننا اور اس کا شکریہ ادا کرنا یہ انسان کی فطرت میں داخل ہے۔

اگر کسی شخص کو سخت بھوک میں ایک وقت کا کھانا کھلا دیا جائے یا سخت پیاس میں ایک گلاس پانی پلا دیا جائے تو وہ ہمارے سامنے بچھ بچھ جائیگا اور شکریہ ادا کرنا اپنا اخلاقی فرض سمجھے گا۔ انسان کو چھوڑیئے کتے کو دیکھئے جسے ہم حیوانوں میں سے بدترین سمجھتے ہیں اس کا حال یہ ہے کہ وہ جس گھر سے کھالیتا ہے اس گھر کی چوکھٹ پر بیٹھ جاتا ہے اور وہاں سے ٹلنے کا نام نہیں لیتا، اپنے مالک کے پیچھے پیچھے بڑی خوشامد سے دُم ہلاتا پھرتا رہتا ہے مگر کتنی حیرت کی بات ہے کہ ہم اور ہمارے بچے جس مالک کا دن رات کھاتے ہیں اس کے سامنے دن میں پانچ بار سر جھکانے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔

**غلام** نماز کی پابندی اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہم ایک عظیم آقا کے ادنیٰ سے غلام ہیں اور غلام جو ہوتا ہے وہ ہر وقت کا غلام ہوتا ہے اس کی اپنی مرضی اور اپنی رائے تو ہوتی ہی نہیں ہے وہ تو آقا کے اشارے کا پابند ہوتا ہے

اس کے بالمقابل جو ملازم ہوتا ہے وہ کسی کام کے لیے ہوتا ہے کام کے بعد اس کی ذمہ داری

ختم ہو جاتی ہے لیکن غلام تو چوبیس گھنٹے غلام ہوتا ہے۔ اس پر اپنے آقا کی بندگی لازم ہے۔

ہم میں سے کوئی تاجر ہے کوئی مدرس ہے، کوئی ڈاکٹر ہے، کوئی انجنیر ہے کوئی پائلٹ ہے، کوئی کاشتکار ہے، کوئی ملازم ہے لیکن یہ ساری باتیں یہ ساری نسبتیں بعد میں ہیں سب سے پہلے تو ہم اللہ کے بندے اور غلام ہیں سب کاموں پر اس کی بندگی کو ترجیح دینا ہم پر فرض ہے، ہم ہر وہ کام چھوڑ سکتے ہیں جو اس کی بندگی میں رکاوٹ بنتا ہو لیکن ہم اس کی بندگی نہیں چھوڑ سکتے۔

ابو منصور جو سلطان طغرل کا وزیر تھا اس کا ایک نصیحت آموز واقعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ نماز کا بہت پابند تھا اور نمازِ فجر کے بعد اس کے کچھ معمولات تھے جو وہ پورے کیا کرتا تھا۔ ایک دن طغرل کو کوئی اہم معاملہ پیش آگیا اس نے ابو منصور کو بُلا بھیجا مگر اس نے سُنی اَن سُنی کر دی اور بدستور اپنے معمولات میں مشغول رہا، حاسدوں کو موقع مل گیا انہوں نے لگائی بجھائی سے بادشاہ کو خوب بھڑکا دیا، ابو منصور معمولات سے فارغ ہو کر جب خدمت میں حاضر ہوا تو طغرل نے سختی سے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی، ابو منصور نے بڑے اطمینان سے جواب دیا کہ "جناب عالی میں اللہ کا بندہ ہوں اور آپ کا چاکر (ملازم) ہوں جب تک اللہ کی بندگی سے فارغ نہ ہو جاؤں آپ کی چاکری نہیں کر سکتا" بادشاہ اس کے اس سچے اور دلیرانہ جواب سے بڑا متاثر ہوا اس کی بہت تعریف کی اور کہا بہت خوب تم اپنی یہ روش مت بدلنا اللہ کی بندگی کو ہماری چاکری پر ہمیشہ مقدم رکھنا انشاء اللہ اسی کی برکت سے ہمارے سب کام ہو جائیں گے۔

دوئی میں یک دلی کا رنگ پیدا ہو نہیں سکتا
شناسا غیر کا تیرا شناسا ہو نہیں سکتا

ہاں، تو حاضرینِ گرامی! ہم ملازم نہیں ہم تو بندے اور غلام ہیں اور اس آقا کے غلام ہیں کہ ہماری زندگی اس کے قبضے میں ہے

ہمارا رزق اس کے قبضے میں ہے،

ہماری عزت و ذلت اُس کے اختیار میں ہے

تو یہ کیسی غلامی ہے کہ وہ ہمیں اپنے دربار میں بلائے مگر ہم جانے سے انکار کر دیں

کیا ایسا غلام زندہ رہنے کے قابل ہے؟ اس کی تو گردن اڑا دینی چاہیے

مگر ہمارا مہربان آقا ہمیں مسلسل مہلت دے رہا ہے۔

**فوائد ہی فوائد** نماز کی پابندی اس لیے بھی ضروری ہے کیونکہ نماز میں فوائد ہی فوائد ہیں، منافع ہی منافع ہیں، دنیا کے فائدے بھی ہیں اور آخرت کے بھی۔

نماز طہارت اور پاکیزگی کی عادت ڈالتی ہے؛

نماز انسان کو وقت کا پابند بناتی ہے،

نماز کی وجہ سے صبح جلد اٹھنے کی عادت بن جاتی ہے،

نماز کی برکت سے دوسرے گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے

نمازی شخص نشہ آور چیزوں سے بچا رہتا ہے،

نماز باجماعت ادا کرنے سے معاشرے میں محبت و الفت کے جذبات فروغ پاتے ہیں،

نماز قبر کی ظلمت میں چراغ کا کام دے گی،

نماز آخرت کے لیے بہترین توشہ ثابت ہو گی،

نماز سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے،

نماز سے دل کو وہ سکون حاصل ہوتا ہے جو ہفت اقلیم کی دولت خرچ کرنے سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

نماز کی پابندی کرنے سے قیامت کے دن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت حاصل ہوگی۔

آیئے ہم عہد کریں کہ آج کے بعد نماز کی پابندی کریں گے اور اُس طریقے سے نماز ادا کریں گے جس طریقے سے نماز ادا کرنے کا حکم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔

اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ سب کو سنّت کے مطابق اور پابندی کے ساتھ نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

# اصلاحِ عالم کے لئے
# قرآن کا چھ نکاتی پروگرام



اصلاحِ عالم کا بس اب سامان ہونا چاہیے
سب کا دستور العمل قرآن ہونا چاہیے
بس یہی دھن تجھ کو اب ہر آن ہونا چاہیے
حق کا جاری ہر جگہ فرمان ہونا چاہیے
مسلم خوابیدہ اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ

"حقیقت یہ ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں اصلاحِ عالم کے لیے اسلام کا عالمی پروگرام بیان کیا گیا ہے، اگر کوئی غیر مسلم ہم سے بہت مختصر الفاظ میں اسلام کا عالمی پروگرام بیان کرنے کے لیے کہے تو اس کے سامنے اس آیت کریمہ کا مفہوم بیان کر دینا کافی ہو گا۔

یہ آیت کریمہ حضرت اکثم صیفیؓ اور ان کی قوم کے ایمان لانے کا سبب بن گئی تھی۔

یہ آیت کریمہ جب آپؐ نے ولید بن مغیرہؓ جیسے سنگدل انسان کے سامنے پیش کی تو وہ پکار اٹھا تھا "اللہ کی قسم اس میں ایک خاص حلاوت ہے، اس کے اوپر ایک خاص رونق ہے، اس کی جڑ سے شاخیں اور پتے نکلنے والے ہیں اور شاخوں پر پھل لگنے والا ہے اور یہ کسی انسان کا کلام ہرگز نہیں ہو سکتا"

اسی آیت کو سُن کر حضرت عثمانؓ بن مظعون کے دل میں ایمان جڑ پکڑ گیا تھا،

اسی آیت کو مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اسلام کا عالمی پروگرام قرار دیا تھا کہ مسلمان یہ پروگرام لے کر آگے بڑھیں تو فلاح و کامیابی ان کے قدم چومے گی۔"

# اصلاح عالم کے لیے قرآن کا چھ نکاتی پروگرام

نَحمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلیٰ رَسُولِہِ الکَرِیم امّا بعد

فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیم

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۝

اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا اور قرابت والوں کے دینے کا اور منع کرتا ہے بے حیائی سے اور نامعقول کام سے اور سرکشی سے اور تم کو سمجھاتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔

گرامی قدر حاضرین! میں نے آپ کے سامنے جو آیتِ کریمہ تلاوت کی ہے یہ وہ آیت ہے جسے آپ حضرات تقریبًا ہر جمعہ کے خطبہ میں سماعت فرماتے ہیں۔

بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحؒ کے زمانے سے خطبۂ جمعہ میں اس آیتِ کریمہ کی تلاوت کا سلسلہ چلا آرہا ہے۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ چونکہ اس آیت کریمہ میں اسلام کی ساری تعلیمات اور اصلاحِ عالم کے لئے قرآن کے پروگرام کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے۔ تو ہر جمعہ کے اجتماع میں اس آیتِ کریمہ کے ذریعہ مسلمانوں کو یاددہانی کرادی جاتی ہے کہ وہ اُن

چھ باتوں کو کبھی بھی فراموش نہ کریں جو اس آیتِ کریمہ میں بیان کر دی گئی ہیں

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں اس آیت کریمہ کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے، فرماتے ہیں :

هٰذا اجمع آية فى القرآن لخير يمتثل ولشرّ يجتنب۔

یعنی یہ قرآن کریم کی وہ جامع ترین آیت ہے جس میں ہر اس خیر کو بھی بیان کر دیا گیا ہے جسے کرنا چاہئے اور ہر اُس شر کو بھی بیان کر دیا گیا ہے جس سے بچنا چاہئے

یہ آیتِ کریمہ جس وقت نازل ہوئی تھی اس وقت اس کی جامعیت اور تاثیر نے کئی لوگوں کو متاثر کیا۔ حضرت اکثم بن صیفیؓ تو اس آیت کو سُن کر اسلام میں داخل ہوئے تھے، امام ابن کثیرؒ نے ان کا واقعہ اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے وہ اپنی قوم کے سردار تھے، جب انھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کے بارے میں خبر ملی تو انہوں نے از خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا مگر قوم کے لوگ کہنے لگے کہ چونکہ ہمارے سردار ہیں اس لئے آپ کا خود جانا مناسب نہیں۔ اکثم رضؓ نے کہا چلو میں تمہاری بات مان لیتا ہوں مگر تم یوں کرو کہ قبیلے کے دو ہوشیار منتخب کر کے وہاں بھیجو جو کہ وہاں کے حالات کا جائزہ لے کر مجھے بتلائیں۔ چنانچہ دو سمجھدار آدمی منتخب کر لیے گئے جنہیں اکثمؓ نے اچھی طرح سمجھا کر روانہ کر دیا۔ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اکثم بن صیفی کی طرف سے دو باتیں دریافت کرنے کے لئے آئے ہیں وہ یہ کہ مَنْ اَنْتَ وَمَا اَنْتَ —— آپ کون ہیں اور کیا ہیں۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے سوال کا تو جواب یہ ہے کہ میں محمد بن عبداللہ ہوں اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں

اس کے بعد آپؐ نے سورۂ نحل کی وہ آیت تلاوت فرمائی جو میں نے ابھی ابھی خطبہ میں آپ کے سامنے پڑھی ہے یعنی اِنَّ اللّٰہَ یَأمُرُ بِالعَدلِ وَالاِحسَانِ الخ ان دونوں قاصدوں نے دوبارہ سنانے کی درخواست کی تو آپؐ نے اتنی بار اس آیتِ کریمہ کی تلاوت کی یہاں تک کہ انہیں یاد ہوگئی۔ دونوں قاصد اکثم بن صیفی کے پاس واپس آئے اور بتلایا کہ ہم نے آپ کا نسب معلوم کرنا چاہا مگر آپ نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی صرف باپ کا نام بیان کردینے پر اکتفا کیا مگر جب ہم نے دوسروں سے آپؐ کے نسب کے بارے میں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ بڑے عالی نسب اور شریف ہیں، اور پھر بتلایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کچھ کلمات بھی سنائے تھے وہ ہم آپ کو سناتے ہیں۔

ان قاصدوں نے جب اکثم بن صیفی کو یہ آیتِ کریمہ سناتی تو آیت سنتے ہی اکثم رضؓ نے کہا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکارمِ اخلاق کی ہدایت کرتے ہیں اور بُرے اور رذیل اخلاق سے روکتے ہیں تم سب اُن کے دین میں جلدی داخل ہوجاؤ تاکہ تم دوسرے لوگوں سے آگے رہو اور کسی سے پیچھے نہ رہو۔

تو اکثم بن صیفی اور ان کی قوم کے ایمان لانے کا سبب یہی آیت بن گئی اس آیت میں جن بنیادی اعلیٰ اخلاق کی ہدایت دی گئی ہے کہ جن اخلاق کو اپنانے کے بعد بہت سارے اخلاق خود بخود انسان میں پیدا ہوجاتے ہیں اور جن مخصوص رذائل سے بچنے کے بعد باقی اخلاقی بُرائیوں سے بچنا آسان ہوجاتا ہے اسی چیز نے اکثم بن صیفی کی فکر و نظر کے زاویوں کو بدل کر رکھ دیا اور ان کے دل میں ایمان کی شمع روشن کردی۔

مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون رضؓ کے دل میں بھی اسی آیت کی وجہ سے

ایمان نے قرار پکڑا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ شروع میں میں نے دوست احباب کے کہنے سننے سے بس ایسے ہی شرما شرمی میں اسلام قبول کر لیا تھا مگر دل میں اسلام راسخ نہیں ہوا تھا یہاں تک کہ ایک روز میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا کہ اچانک آپؐ پر وہ کیفیت اور وہ آثار ظاہر ہونا شروع ہوئے جو نزولِ وحی کے وقت ظاہر ہوتے تھے، جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قاصد میرے پاس آیا تھا اور یہ آیت مجھ پر نازل ہوئی۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ دیکھ کر اور یہ آیت سن کر میرے دل میں ایمان مضبوط اور مستحکم ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی

اوروں کو تو چھوڑیئے ولید بن مغیرہ جیسا سخت سنگدل انسان جو قوم کا نمائندہ بن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھانے آیا تھا اور اس نے آپؐ کو اپنے عظیم مشن سے باز رکھنے کے لئے تحریص و ترغیب کا ہر حربہ آزمایا تھا، جب اس کے سامنے آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو اس نے قوم کے سامنے جا کر اس کلام کے بارے میں جو اپنے تاثرات بیان کئے تھے وہ سُننے کے قابل ہیں کیونکہ جادو وہ ہوتا ہے جو سر چڑھ کر بولے، کمال وہ ہوتا ہے جس کا دشمن بھی اقرار کرے۔ اس نے کہا تھا:

| | |
|---|---|
| وَاللّٰهِ اِنَّ لَهٗ لَحَلَاوَةً وَاِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةً وَاِنَّ اَصْلَهٗ لَمُوْرِقٌ وَ اَعْلَاهُ لَمُثْمِرٌ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ بَشَر | اللہ کی قسم اس میں ایک خاص حلاوت ہے اور اس کے اوپر ایک خاص رونق ہے اس کی جڑ سے شاخیں اور پتے نکلنے والے ہیں اور شاخوں پر پھل لگنے والا ہے اور یہ کسی انسان کا کلام ہرگز نہیں ہو سکتا |

**عالمی پروگرام** | حقیقت یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں اسلام کا عالمی پروگرام بیان کیا گیا ہے، اگر کوئی غیر مسلم ہم سے مختصر الفاظ میں اسلام کا عالمی پروگرام بیان کرنے کے لئے کہے تو اس کے سامنے اس آیتِ کریمہ کا مفہوم بیان کر دینا کافی ہوگا۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ جن کی کئی باتوں اور کئی نظریات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے اور اختلاف کیا بھی گیا ہے مگر اس میں شک نہیں کہ انھوں نے قرآن کریم کی بہت زیادہ خدمت کی ہے، انہوں نے زندگی کا بیشتر حصہ جلا وطنی میں گذارا مگر ہر جگہ قرآن پاک کو سینے سے لگائے رکھا۔ پینتالیس برس تک قرآن کی تعلیم دی، سات ہزار علماء نے ان سے فیض حاصل کیا یہ بھی اللہ کی شان دیکھئے کہ اللہ نے سکھ خاندان میں پیدا ہونے والے ایک فرد کو قرآن کی تعلیم و تدریس کے لئے قبول فرمالیا۔ روس گئے تو وہاں پر دوسرے لوگوں کے علاوہ موسیٰ جار اللہ جیسے بڑے عالم نے آپ سے قرآن پڑھا ہے ــــــ اللہ کے نرالے فیصلوں پر قربان جائیے کہ اس نے بڑے بڑے علماء کو سکھ مذہب سے اسلام کی طرف آنے والے ایک شخص کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔

آپ چار سال تک ترکی میں رہے تو اربابِ حکومت کو خبردار کیا کہ تم الحاد کے سیلاب میں بہتے جا رہے ہو، آؤ میں تمہیں قرآن پاک کی چالیس سورتوں کا ایسا خلاصہ بتاتا ہوں کہ اس کو اپنے پروگرام میں شامل کر لو گے تو بے دینی سے بچ جاؤ گے مگر مصطفےٰ کمال پر اس وقت مغربیت اور عرب دشمنی کا بھوت سوار تھا اس نے آپ کی دعوت کی طرف توجہ نہ دی، ترکی سے آپ مکہ مکرمہ آگئے اور بارہ برس تک لوگوں کو قرآن پاک کی تفسیر پڑھاتے

رہے ، جب وطن واپس آئے تو فرمایا کہ بڑھاپے کی اس عمر میں کوئی شخص حرم شریف چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا مگر میرے سینے میں قرآن کریم کا ایک پروگرام ہے میں چاہتا ہوں کہ یہ پروگرام موت سے پہلے تمہیں بتا دوں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ سورۃ النحل کی یہ آیت اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ الخ اسلام کا عالمی پروگرام ہے ، مسلمانوں کے پاس یہ فخریہ پروگرام ہے جو کسی دوسری قوم کے پاس نہیں ہے اس کو لے کر آگے بڑھو تو فلاح وکامیابی تمہارے قدم چومے گی مگر افسوس کہ مسلمان ایسا نہ کر سکے

**چھ باتیں** محترم سامعین ! میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ کے سامنے اس آیتِ کریمہ کی مختصر تفسیر عرض کروں تاکہ آپ علی وجہ البصیرت جان لیں کہ واقعی اس آیت میں ایسی جامعیت اور تاثیر ہے کہ کسی بھی ہوش مند اور صاحبِ عقل انسان کو متأثر کر سکتی ہے ۔ اور حقیقۃً اس میں انسانیت کی فلاح و بہبود کا ایسا عالمی پروگرام پیش کیا گیا ہے جو انسانوں کے تمام مسائل حل کر سکتا ہے ۔ اور صاحبِ عقل انسان کو متأثر کر سکتی ہے ۔

اسی لئے تو اکثم بن صیفیؓ کی زندگی میں انقلاب آگیا ،

اسی لئے تو عثمان بن مظعونؓ کے دل میں ایمان قرار پکڑ گیا ،

اسی لئے تو ولید بن مغیرہ دشمن ہونے کے باوجود اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا

یقین جانیں اگر ہم میں سے ہر شخص اس آیت کو اپنی زندگی کی بنیاد بنا لے تو اس کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں قابلِ رشک تبدیلی آسکتی ہے ۔

میں حاضرین میں سے ہر شخص سے درخواست کرتا ہوں کہ اس آیت کو یاد کر لیں اور اپنے ہر دن کا آغاز کرتے ہوئے اس کے معانی میں ڈوب کر کم از کم ایک بار اس کی تلاوت ضرور کر لیا کریں ، ان شاء اللہ عجیب فوائد حاصل ہوں گے ۔

اس آیت میں چھ چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ تین چیزوں کا حکم دیا گیا ہے اور تین چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔

**عدل** سب سے پہلی چیز جس کا حکم دیا گیا ہے وہ ہے عدل۔ عدل کا لفظ بڑا مختصر ہے صرف تین حروف سے مل کر بنا ہے لیکن اس کے دامن میں معانی کی ایک پوری دنیا آباد ہے۔

مشہور مفسر امام ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں عدل کا معنی ہے برابری کرنا، لیکن مختلف نسبتوں سے اس کا مفہوم مختلف ہو جاتا ہے مثلاً عدل کا پہلا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے خالق و مالک کے درمیان عدل کرے۔ انسان اور اس کے خالق و مالک کے درمیان عدل یوں ہوگا کہ اللہ کی ذات پر ایمان رکھے، اسے ایک مانے، اس کی ذات و صفات میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرے۔

ایمان بھی اسی پر،
توکل اور یقین بھی اسی پر،
عبادت بھی اسی کی،
دعا اور التجا بھی اسی سے،
نذر، منت اور تمام مرادیں بھی اسی سے،
اطاعت بھی اسی کی،
محبت بھی اسی کی،
اگر یوں زندگی گذارے گا تو یہ عدل والی زندگی ہوگی،
ایمان، یقین اور توحید والی زندگی ہوگی،
لیکن اگر نفع نقصان کا مالک کسی اور کو سمجھا،

ایمان و یقین کسی اور پر رکھا ،
عبادت و اطاعت میں کسی دوسرے کو شریک کرلیا
دعا ، التجا ، نذر ، منّت اور مرادیں کسی دوسرے سے مانگتا رہا ،
وہ محبت جو صرف اللہ سے کرنی چاہیے تھی اس میں کسی دوسرے کو بھی شریک کر لیا
تو ایسے شخص کی زندگی عدل والی زندگی نہیں ہوگی بلکہ ظلم والی زندگی ہوگی ۔
اسی لئے تو قرآن کریم میں شرک کو ظلم عظیم قرار دیا گیا ہے ۔
توحید عدل ہے اور شرک ظلم ہے ،
موحّد عادل ہوتا ہے اور مشرک ظالم ہوتا ہے ۔
حضرت ابن عباسؓ جن کی تفسیر قیامت تک شائع ہونے والی تمام تفاسیر کا ماٰخذ ہے ان سے اگر پوچھیں کہ عدل کیا ہے تو وہ جواب دیتے ہیں :
شهادة ان لا اله الا اللہ ۔ عدل یہ ہے کہ اللہ کے ایک ہونے کی اور اس کے سوا کسی کے معبود نہ ہونے کی گواہی دی جائے ۔
آپ نے بارہا خطیبوں ، واعظوں اور علماء سے سُنا ہوگا کہ حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں نظام عدل قائم کرنے کے لئے تشریف لائے ، تو جس قسم کا نظام عدل وہ دنیا میں قائم کرنا چاہتے تھے اس کی پہلی بنیاد یہ تھی کہ انسان اور اس کے رب کے درمیان عدل قائم کیا جائے اور چونکہ باغ لگانے کے لئے پہلے زمین کو جھاڑ جھنکاڑ سے صاف کرنا پڑتا ہے ، رنگ لگانے کے لئے عمارت کو ہر طرح کی آلودگی سے صاف کرنا پڑتا ہے اس لئے حضراتِ انبیاء علیہم السلام نے ہر نوع کے شرک کی تردید کی ، خواہ وہ شرک فی العبادۃ تھا یا شرک فی الاطاعۃ ، شرک فی العقائد تھا یا شرک فی الربوبیۃ ، شرک فی السیاسۃ تھا یا شرک فی المحبۃ ـــــ ہر قسم کے شرک کی تردید فرمائی ، کیونکہ یہ انسانیت پر ظلم ہی کی مختلف صورتیں ہیں ۔ اور انسانوں

کو توحید کی دعوت دی جو کہ عدلِ کامل ہے۔ ہر در پر جُھکنے والوں کو ایک ہی چوکھٹ پر جُھکنے کی تلقین فرمائی، ہر ایک سے مانگنے والوں کو ایک ہی سے مانگنے کا سبق سکھایا، ہر ایک سے ڈرنے والوں کو ایک ہی سے ڈرنے کا درس دیا، ہر ایک کے لئے جینے اور مرنے والوں کو ایک ہی کے لئے جینے اور مرنے کا راستہ دکھایا، ان کے ضمیر کو جھنجوڑا، انہیں غیرت دلائی

ارے انسان ہو کر اپنے ہی جیسے کمزور انسانوں کے سامنے جُھکتے ہو،

انسان ہو کر مٹی اور پتھر کی مورتیوں کے سامنے انسانیت کو پامال کرتے ہو،

ہوش کرو، انسانیت پر ظلم نہ کرو، تم تو عدل کے قیام کے لئے آئے ہو۔

**خدا چاہی زندگی** انسان اور اس کے مالک و خالق کے درمیان عدل کا تقاضا جہاں یہ ہے کہ اسی کو مانے، اسی سے مانگے، اسی سے ڈرے، اسی کے سامنے جھکے، اسی کے سامنے دامن پھیلائے۔ امام ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کو اپنی تمام خواہشات پر مقدم رکھے، اس کے حکموں کو بجالائے اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے اپنے آپ کو بچائے، مأمورات کو تسلیم کرے اور منہیات سے اجتناب کرے۔ اگر کسی مرحلے پر نفس کی خواہشات اور اللہ تعالیٰ کے احکام میں ٹکراؤ کی صورت پیدا ہو جائے تو نفس کی خواہشات کو مغلوب کر دے اور اللہ کے حکم کو غالب کر دے۔ یونہی رسم و رواج، قبیلے برادری اور سوسائٹی کی مرضی اور چاہت کچھ اور ہو اور مالکِ حقیقی کی مرضی اور چاہت کچھ اور ہو تو سب کی مرضی اور چاہت کو جوتے کی نوک سے ٹھکرا دے اور مالکِ حقیقی کی مرضی اور چاہت کو سر آنکھوں پر رکھ لے۔ اگر سیاسی قائدین اور عوامی لیڈروں کا حکم کچھ اور ہو اور اس کریم و رحیم آقا کا حکم کچھ اور ہو تو عدل کا تقاضا یہ ہے کہ لیڈروں کے حکم پر اللہ کے حکم کو ترجیح دے۔ اگر مسلمان ایسے نہیں کرتا تو وہ ظلم کرتا ہے ——— ہاں ہاں یہ ظلم ہے اور بہت بڑا

ظلم ہے۔

آخر کیا وجہ ہے کہ آپ والدین کے نافرمان کو ظالم کہتے ہو، استاد کی بات کو ٹھکرانے والے کو ظالم کہتے ہو، تھوڑا سا احسان کرنے والے سے سرکشی کرنے والے کو ظالم کہتے ہو تو پھر کیا وہ شخص ظالم نہیں جو اپنے خالق و مالک اور محسن ومنعم کے حکموں کو بڑی بے دردی سے ٹھکرا دیتا ہے۔ کیسا ظلم اور کیسی بے انصافی ہو رہی ہے کہ لوگ اپنے دو ٹکے کے لیڈروں کے لئے بڑے دھڑلے سے کہتے پھرتے ہیں "قائد کے فرمان پر جان بھی قربان ہے" مگر وہ عدل وانصاف کے پیکر مسلمان کہاں گئے جو اللہ کے فرمانوں پر جانیں قربان کرنے والے تھے اور دنیا بھر کے فرمانرواؤں کو اپنے محسن ورحیم آقا کی چوکھٹ پر نثار کرنے والے تھے۔

ارے مسلمان! تو کتنا ظالم اور سنگدل ہو گیا ہے کہ اللہ کے فرمان کو دوسروں کے فرمانوں پر قربان کر دیتا ہے۔

یاد رکھ! یہ ظلم ہے جبکہ تجھے عدل کا حکم دیا گیا ہے۔ جب تم اپنے خالق و مالک اور اپنے درمیان ہی عدل قائم نہیں کر سکتے تو پھر ساری انسانیت اور ساری دنیا میں عدل کا نظام کیسے قائم کرو گے۔

نظام عدل کے قیام کی باتیں کرنے والو! پہلے اپنے اور احکم الحاکمین کے درمیان عدل قائم کرو تب تمہاری باتوں میں وزن پیدا ہو گا، تمہاری تقریروں میں اثر ہو گا، تمہارے نعروں سے کفر کے ایوانوں میں زلزلہ برپا ہو گا، تمہاری کوششوں میں برکت پیدا ہو گی اور تمہاری قربانیوں سے مشرق ومغرب میں نورِ اسلام جلوہ افگن ہو گا۔

**عدل کا دوسرا مقام** امام ابن عربیؒ نے عدل کا دوسرا مقام یہ بیان فرمایا ہے کہ انسان خود اپنے نفس کے ساتھ عدل کرے۔ اپنے نفس اور جان کے ساتھ عدل یہ ہے کہ اسے ایسی تمام چیزوں سے بچائے جن میں اس کی جسمانی یا روحانی ہلاکت ہو

کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے جسم کو بلا وجہ نقصان پہنچے یہ جائز نہیں۔ کسی مسلمان کے لئے اپنی آنکھ پھوڑنا جائز نہیں، اپنا سینہ پیٹنا جائز نہیں، اپنا کوئی عضو کاٹنا جائز نہیں، کسی اونچی بلڈنگ سے چھلانگ لگا کر اپنے آپ کو زخمی کرنا جائز نہیں، آگ میں کود کر، سمندر میں ڈوب کر، گولی چلا کر، گلے میں پھندا ڈال کر یا کسی بھی طریقے سے خودکشی کرنا جائز نہیں۔ اسلام میں یہ بدترین جرم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر شدید ترین وعید بیان فرمائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

مَنْ تَرَدّٰى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَهُوَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ يَتَرَدّٰى فِيهَا خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ تَحَسّٰى سَمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَسَمُّهٗ فِي يَدِهٖ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِحَدِيدَةٍ فَحَدِيدَتُهٗ فِي يَدِهٖ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِي بَطْنِهٖ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا (جمع الفوائد ص۱۷۵ ج۱)

جو شخص پہاڑ سے گرا کر اپنے آپ کو مارتا ہے وہ مرنے کے بعد جہنم کی آگ میں گرتا چلا جائے گا، جس میں اسے ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے، اور جو شخص زہر پی کر اپنے آپ کو ہلاک کرے گا اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور جہنم کی آگ میں وہ ہمیشہ اسے پیتا رہے گا۔ اور جو اپنے آپ کو کسی ہتھیار سے قتل کرے گا تو اس کا وہ ہتھیار اُس کے ہاتھ میں ہوگا اور جہنم کی دہکتی آگ میں اسے ہمیشہ اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا۔

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی خاطر بھی اپنی جان پر ناقابلِ برداشت بوجھ ڈالنا جائز نہیں۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار مسجد میں تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ دو ستونوں کے درمیان ایک رسّی لٹک رہی ہے آپ نے اس کے متعلق دریافت فرمایا تو آپ کو بتلایا گیا کہ یہ رسّی حضرت زینبؓ نے

باندھ رکھی ہے وہ جب عبادت کرتے کرتے تھک جاتی ہیں تو نیند کو دور کرنے کے لئے اس کے ساتھ لٹک جاتی ہیں۔

آپؐ نے فرمایا اس رسی کو کھول دو، تم نشاط اور چستی کی حالت میں نماز پڑھا کرو جب تھک جاؤ تو سو جایا کرو

بخاری میں ایک اور روایت ہے وہ یہ کہ حضور علیہ السلام نے حضرت سلمان اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم کر رکھا تھا ایک دن حضرت سلمانؓ حضرت ابودرداء رضؓ کے گھر تشریف لائے تو ان کی بیوی کو پراگندہ کپڑوں میں دیکھا، وجہ دریافت کی تو اس نے بتایا کہ تمہارے بھائی ابودرداء کو دنیا کی تو کوئی رغبت ہی نہیں، ہر دن روزہ میں اور ہر رات قیام میں گذرتی ہے، عبادت کے علاوہ کسی چیز سے دلچسپی ہی نہیں —— مختصر یہ کہ حضرت سلمانؓ کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے حضرت ابودرداءؓ سے فرمایا:

| | |
|---|---|
| اِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِاَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَاَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهٗ | تمہارے رب کا تم پر حق ہے، تمہاری جان کا تم پر حق ہے اور تمہارے اہل و عیال کا تم پر حق ہے پس ہر حق والے کا حق اُسے دو۔ |

یہ باتیں حضرت ابودرداءؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائیں تو آپؐ نے فرمایا صَدَقَ سَلْمَانُ سلمان نے سچ کہا ہے

جب عبادت تک کے لئے اپنے نفس کے حقوق کو پامال کرنا اور اسے ہلاکت میں ڈالنا جائز نہیں تو کسی دوسرے مقصد کے لئے کیسے جائز ہو سکتا ہے

**غلط تصور** | یہ جو ہمارے ذہنوں میں بٹھا دیا گیا ہے کہ جتنا زیادہ اپنے

آپ کو مشقّت میں ڈالو گے اتنا ہی اللہ تعالیٰ خوش ہوگا تو یہ بالکل غلط اور جاہلانہ تصوّر ہے۔ یہ اصل میں یہود و نصاریٰ کی بگڑی ہوئی سوچ تھی جو مسلمانوں کی طرف بھی منتقل ہو گئی۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ والا بننے کے لئے جنگلوں اور پہاڑوں میں ننگے اور گندے رہ کر چلّے کاٹنا ضروری ہے، بعض ولیوں کے بارے میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ وہ کئی کئی سال تک اُلٹے لٹکے رہے یا ایک ٹانگ پر کھڑے رہے تب جاکر انہیں ولایت حاصل ہوئی ——— تو یہ سوچ بھی اسلام کے نظام عدل کے خلاف ہے۔ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے جسم کو قصداً کوئی تکلیف نہ پہنچائے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی آزمائش یا بیماری آجائے یا میدانِ جنگ میں کفّار سے لڑتے ہوئے زخمی ہو جائے، اعضاء کام آجائیں یا گردن ہی کٹ جائے تو بالکل دوسرا موضوع ہے اس پر صبر کرنے سے بڑی فضیلت کوئی نہیں لیکن عمداً اور قصداً جسم کو کوئی تکلیف، زخم پہنچانا بالکل الگ موضوع ہے اور یہ بہت بڑا جرم ہے۔

**روحانی ہلاکت** | جیسے اپنے نفس اور جان کو جسمانی ہلاکت میں ڈالنا یہ خلافِ عدل ہے اسی طرح انہیں روحانی اعتبار سے ہلاکت میں ڈالنا بھی خلافِ عدل ہے۔ ہر وہ شخص جو فاسد عقائد اور نظریات اختیار کئے ہوئے ہے یا جو اپنے آپ کو خیانتوں اور رذالتوں میں مبتلا رکھتا ہے یا جس کی زندگی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے سرکشی اور بغاوت میں گذرتی ہے وہ اپنے آپ کو روحانی اعتبار سے ہلاک کر رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ انسان کو جسمانی بیماری اور جسمانی تکلیف کا تو احساس ہوتا ہے مگر روح کی بیماریوں کا اسے احساس ہی نہیں ہوتا۔ اس کے سفید اُجلے لباس پر ایک چھوٹا سا داغ

لگ جائے تو اسے اس بدنمائی کا احساس ہوتا ہے مگر اس کی روح گناہ کے دھبوں سے داغ داغ بھی ہو جائے تو اسے کوئی احساس نہیں ہوتا۔

اور بات تو میرے دوستو احساس کی ہے جنہیں احساس ہو جاتا ہے وہ روح کے تزکیہ اور روح کی تطہیر کے لئے ایسے مضطرب ہوتے ہیں کہ ان کی راتوں کی نیند حرام ہو جاتی ہے، وہ راتوں کی تنہائیوں میں آنسوؤں کی برسات سے اپنے باطن کو یوں غسل دیتے ہیں کہ کوئی دھبّہ باقی نہیں رہتا، اپنے آپ کو روحانی ہلاکت سے بچانے کے لئے خدا چاہی زندگی گذارنا ضروری ہے، جو شخص من چاہی زندگی گذارتا ہے وہ اپنے آپ کو روحانی ہلاکت سے بچا ہی نہیں سکتا۔

**عدل کا تیسرا مقام** | عدل کا تیسرا مقام یہ ہے کہ اپنے نفس اور تمام مخلوقات کے درمیان عدل کرے جس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معاملہ کرے اور کسی ادنیٰ سے ادنیٰ معاملہ میں کسی سے خیانت نہ کرے، سب لوگوں کے لئے اپنے نفس سے انصاف کا مطالبہ کرے، کسی بھی انسان کو اپنے کسی قول و فعل سے ظاہراً یا باطناً کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔ (معارف القرآن)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک بزرگ محمد ابن کعب قرظیؒ سے کہا کہ بھائی ذرا عدل و انصاف کی تعریف تو کرو کیونکہ اس آیتِ کریمہ میں اللہ نے سب سے پہلا حکم عدل کا دیا ہے، کہنے لگے آپ نے یہ بڑا مشکل سوال کیا ہے تاہم سُن لو! عدل کا مفہوم یہ ہے: كُنْ لِلصَّغِيْرِ اَبًا یعنی چھوٹے کے لئے باپ کی طرح شفیق اور رحمدل بن جاؤ اور بڑے کیلئے بیٹے کی مانند مؤدّب ہو جاؤ کیونکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے:

| | |
|---|---|
| مَنْ لَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا وَلَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا | جو ہم میں سے بڑے کا ادب اور ہم میں سے چھوٹے پر شفقت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔ |

اور فرمایا جو تمہارے برابر کا ہو اُسے بھائی کی مانند سمجھو کیونکہ اَلْمَرْءُ اَکْثَرُ لِاَخِیْہِ انسان کو بھائیوں کے ساتھ اکثریت حاصل ہوتی ہے، جس شخص کے جتنے بھائی ہوں گے، اتنے ہی اس کے بازو ہوں گے اور اُسے قوت حاصل ہوگی۔

روح المعانی والے کہتے ہیں وَکَذٰلِكَ لِلنِّسَآءِ۔ اور عورتوں کے حق میں بھی ایسے ہی بن جاؤ، ان کو بھی نظر انداز نہ کرو، ان کے حق میں بھی شفقت و مہربانی کا اظہار کرو۔

محمد بن کعب قرظی رحؒ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت! کسی مجرم کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہ دو حتی کہ کسی حق میں ایک کوڑا بھی زیادہ نہیں ہونا چاہیے فرمایا یہ سب چیزیں عدل و انصاف میں داخل ہیں۔ (معالم العرفان ج ۱۰)

ان بزرگوں کی بات کا حاصل یہ ہوا کہ عدل صرف عدالتوں میں نہیں ہوتا بلکہ پورے معاشرے میں عدل کا نظام قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

مسجد اور مدرسہ میں عدل،
بازاروں دکانوں میں عدل،
فیکٹریوں اور کارخانوں میں عدل،
گھروں اور محلّوں میں عدل،
بڑوں کے ساتھ عدل،
چھوٹوں کے ساتھ عدل،
برابر والوں کے ساتھ عدل،
مردوں اور عورتوں کے ساتھ عدل،
بیوی بچّوں کے ساتھ عدل،

شاگردوں ملازموں اور مزدوروں میں عدل،

غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں ہر زاویے، ہر دائرے میں عدل کا قیام ضروری ہے۔ آج ہر شخص نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ عدل قائم کرنا تو صرف حکومت کا کام ہے یا صرف عدالت کی ذمہ داری ہے، ہماری ذمہ داری نہیں ہے۔ اس غلط تصوّر کی وجہ سے ہر جگہ ناانصافی ہو رہی ہے، ہر جگہ عدل کے تقاضے پامال ہو رہے ہیں، ہر طرف سے فریادیں اُٹھ رہی ہیں کہ عدل نہیں ہو رہا۔

مُدرّسین کو شکایت ہے مہتمم عدل نہیں کرتا،
مزدوروں کو شکایت ہے مالک عدل نہیں کرتا،
بیوی کو شکایت ہے شوہر عدل نہیں کرتا۔
شاگردوں کو شکایت ہے اُستاد عدل نہیں کرتا،
بچّوں کو شکایت ہے والد عدل نہیں کرتا،
غریب کو شکایت ہے امیر عدل نہیں کرتا،
رعایا کو شکایت ہے حکمران عدل نہیں کرتا،
کارکنوں کو شکایت ہے لیڈر عدل نہیں کرتا،
فریادیوں کو شکایت ہے جج عدل نہیں کرتا،

## نظامِ عدل یوں قائم ہوگا

ہم میں سے ہر شخص کو عدل کے نہ ہونے کی شکایت ہے مگر اپنے دائرۂ عمل میں کوئی بھی عدل کرنے کے لئے تیار نہیں، جب کسی کو اختیارات ملتے ہیں تو ظالم درندہ بن جاتا ہے، وہ بھول جاتا ہے کہ کل میں خود اس ظلم کا شکار تھا اور عدل کے نہ ہونے سے پریشان تھا، کل میں خود ظلم کے خلاف تقریریں

کرتا اور نعرے لگاتا تھا آج مجھے اللہ نے موقع دیا ہے تو میں کیوں نہ عدل کی پاسداری کروں۔

یاد رکھئے یوں کبھی بھی عدل کا نظام نہیں آئے گا کہ آپ خود تو ظلم کرتے رہیں اور توقع یہ رکھیں کہ پورا معاشرہ نظام عدل کا محافظ بن جائے، خود تو ظلم کرتے رہیں اور امید یہ رکھیں کہ ہم پر حکمران عمر بن عبدالعزیزؒ بلکہ عمر بن خطابؓ جیسے عادل و منصف آئیں۔ واہ واہ کیسی نرالی سوچ ہے ہماری!

یاد رکھو! جیسے ہم ہوں گے ویسے ہی ہمارے حکمران ہوں گے۔ نبی ﷺ کا سچا فرمان ہے: اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ جیسے تمہارے اعمال ہوں گے ویسے ہی تمہارے حکمراں ہوں گے۔ جیسی روح ویسے فرشتے جیسا منہ ویسا تھپڑ۔

عمر فاروق جیسے حکمرانوں کی راہ دیکھنے والو! پہلے عثمانؓ و علیؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ جیسی رعایا تو بن کر دکھاؤ، ان کی سیرت کے دسویں حصے پر بھی عمل نہ ہو اور ہم خواب دیکھیں تاریخِ انسانی کے ان بے مثال حکمرانوں کی، جن کی مثال پیش کرنے سے زمانہ قاصر ہے۔ یہ جنون نہیں تو اور کیا ہے۔

ہمیں عادل حکمران اور عدل کا نظام اس وقت ملے گا جب ہم خود اپنی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں عدل کے تقاضوں کو پورا کریں۔

عہدہ و منصب کی سلطنت،

مدرسہ کی سلطنت،

گھر کی سلطنت،

فیکٹری اور کارخانے کی سلطنت،

میدانِ زندگی کی سلطنت۔

ان تمام سلطنتوں میں جب ہم عدل قائم کرلیں گے تو ان شاء اللہ حکومت کے ایوانوں اور عدالت گاہوں میں عدل کے چلن کو کوئی نہیں روک سکے گا اور جب ایسا ہو جائے گا تو دنیا جنّت بن جائے گی۔

**جنّت نظیر معاشرہ** ظلم کی وجہ سے یہ دنیا جہنم بن جاتی ہے اور عدل کی وجہ سے یہ جنت کا منظر پیش کرتی ہے۔ کہنے والے نے خوب کہا ہے

بہشت آن باشد کہ آزارے نہ باشد
کسے را با کسے کارے نہ باشد

ترجمہ: بہشت وہ ہے جہاں کسی کو کوئی تکلیف نہ ہو، کسی کو کسی کے ساتھ کوئی کام نہ ہو کسی کو کسی سے کوئی شکایت نہ ہو۔

مظلوم کی فریاد رسی ہو، مزدور کو حق ملے، رعایا کو انصاف ملے، چور ڈاکو، لُچے، لفنگے کو سزا ملے، عدالتوں میں قانون کی حکمرانی ہو، حکمرانوں کا محاسبہ ہو تو یہ دنیا خود بخود جنت بن جائے گی۔

اسلام ایسا معاشرہ دنیا کے سامنے پیش کرچکا ہے، اُس معاشرہ میں کوئی کسی کا حق کھانے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا، ظلم کی ہر صورت ناقابلِ برداشت تھی

ہر طرف عدل کی حکمرانی تھی،

امیر اور غریب کی چپقلش نہ تھی،

مالک اور مزدور کی لڑائی نہ تھی،

قانون کی نظر میں آقا اور غلام برابر تھے،

قاضی اور جج سوسائٹی کا معزز ترین فرد تھا جس کے بارے میں قانون فروشی کا سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا،

جھوٹے گواہوں کے لئے کوڑوں کی سزا تھی اور معاشرے کا نفرت آمیز رویّہ،

عدل، پانی اور ہوا کی طرح سستا تھا۔
نہ وکیلوں کی فیسیں تھیں، نہ عدالت کی بار بار پیشیاں،
سوچئے وہ معاشرہ جنت نہیں تھا تو کیا تھا۔

**قرآن اور عدل** حقیقت یہ ہے کہ اگر آج ہم اسلام کے نظام عدل کو اس کی اصل شکل و صورت اور اس کے تمام تقاضوں کے ساتھ نافذ کر دیں تو سسکتی تڑپتی انسانیت خود بخود اسلام کے دامن میں آجائے۔

لوگ عدالتی گورکھ دھندوں اور حکمرانوں کے ظلم و ستم سے تنگ آئے ہوئے ہیں یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم مظلوم انسانیت کے سامنے قرآن کریم کی انقلابی تعلیمات کو پیش کریں اور انہیں قرآن کریم کے مطالعہ کی دعوت دیں۔ قرآن نے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے جو عادلانہ نظام پیش کیا ہے اور جس قدر عدل کی تلقین کی ہے اس کی مثال کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتی سورۃ النساء میں فرمایا

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ۔

مسلمانو! اللہ کے لئے گواہ بن کر انصاف کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہو اگرچہ (تمہاری گواہی) تمہارے اپنے خلاف ہو یا ماں باپ اور رشتہ داروں کے۔

سورۃ المائدہ میں فرمایا

وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى

اور کسی قوم کی عداوت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو، انصاف کرو وہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے

سورۃ الانعام میں فرمایا:

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا

اور جب تم بات کرو تو انصاف کی کرو۔

سورۃ النساء میں فرمایا :

وَ اِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ — اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔

اس کے علاوہ بھی کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے عدل وانصاف کا حکم دیا ہے بلکہ فیلسوفِ اسلام شاہ ولی اللہؒ کی رائے تو یہ ہے کہ چار اصول ایسے ہیں جن کی تعلیم تمام انبیاء علیہم السلام نے دی ہے۔ ہماری شریعت میں یہ اصول رائج ہیں۔ پہلا اصول طہارت یعنی پاکیزگی ہے ، دوسرا اخبات یعنی عجز وانکساری ہے، تیسرا اصول سماحت یعنی رذیل اخلاق سے پرہیز ہے، اور چوتھا اصول عدل ہے۔

بہرحال چھ باتوں میں سے پہلی بات جو اس آیتِ کریمہ میں بیان کی گئی ہے وہ عدل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے اپنے درمیان اور اپنے رب کے درمیان عدل کیا جائے دوسرے نمبر پر اپنے نفس کے ساتھ عدل کا معاملہ کیا جائے۔ تیسرے نمبر پر اپنے اور تمام مخلوقات کے درمیان عدل کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ دو فریقوں کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے بھی عدل کا دامن نہ چھوڑا جائے۔

**احسان** دوسری چیز جس کا حکم اس آیتِ کریمہ میں دیا گیا ہے وہ ہے احسان۔ عربی زبان میں احسان کا معنی ہے اچھا کرنا ، اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ اخلاق میں، عبادات میں اور تمام افعال میں اچھائی پیدا کرے اور انہیں مکمل طریقے سے کرے اپنی طرف سے ان میں کوئی کسر نہ چھوڑے۔ اور احسان کا یہ مرتبہ انسان کو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اسے ہر وقت اس بات کا استحضار رہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے جیسا کہ حدیثِ جبرئیل میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے انسانی شکل میں آکر حضور علیہ السلام سے مختلف سوالات کئے جن میں سے ایک سوال یہ بھی تھا :

ما الاحسان     احسان کیا ہے ؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا :

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ     اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ ہو سکے تو (کم از کم اس یقین کے ساتھ عبادت کرو) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

یاد رکھئے یہ احسانی کیفیت صرف نماز ہی میں مطلوب نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں مطلوب ہے۔

شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی نے حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی قدس سرہ کا ایک بڑا پیارا واقعہ نقل فرمایا

ایک دن وہ فرمانے لگے کہ ایک صاحب میرے پاس آئے اور آکر بڑے فخریہ انداز میں خوشی کے ساتھ کہنے لگے کہ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے "احسان" کا درجہ حاصل ہو گیا ہے حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو مبارک باد دی کہ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے یہ تو بہت بڑی نعمت ہے، البتہ میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کو یہ احسان کا درجہ صرف نماز میں حاصل ہوتا ہے ؟ کیا بیوی بچوں کے ساتھ معاملات کرتے وقت بھی آپ کو یہ خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں ؟ یا یہ خیال اس وقت نہیں آتا ؟ وہ صاحب جواب میں فرمانے لگے کہ حدیث میں تو یہ آیا ہے کہ جب عبادت کرے تو اس طرح عبادت کرے گویا کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے یا اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہے ہیں وہ تو صرف عبادت میں ہے ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ احسان کا تعلق صرف نماز سے ہے دوسری چیزوں کے ساتھ احسان کا کوئی تعلق نہیں ۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میں نے اس لئے آپ سے یہ سوال کیا تھا

اسی لئے کہ آج کل عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ "احسان" صرف نماز ہی میں مطلوب ہے یا ذکر و تلاوت ہی میں مطلوب ہے حالانکہ احسان ہر وقت مطلوب ہے، زندگی کے ہر ہر مرحلے میں اور ہر شعبے میں مطلوب ہے یعنی دل میں یہ استحضار ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ جب اپنے ماتحتوں کے ساتھ معاملات کر رہے ہوں اس وقت بھی احسان مطلوب ہے جب بیوی بچوں اور دوست احباب اور پڑوسیوں سے معاملات کر رہے ہوں اس وقت بھی یہ استحضار ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ حقیقت "احسان" کا مرتبہ یہ ہے صرف نماز تک محدود نہیں۔

**احسان کا دوسرا معنی** احسان کا دوسرا معنی یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے، ہمدردی، فیاضی اور سخاوت کی عادت ڈالے، دوسروں کے حقوق ادا کرے بلکہ ان کو اپنے اوپر ترجیح دے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار احسان کرنے کا حکم دیا ہے اور احسان کرنے والوں کے بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں۔ سورۃ البقرہ میں ہے:

وَاَحْسِنُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ

اور احسان (نیکی) کیا کرو، اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

سورۃ القصص میں ہے:

وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ۔

اور تو بھی احسان کر جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے۔

سورۃ البقرہ میں ہے

وَسَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ

اور احسان کرنے والوں کو ہم اور بھی بہت کچھ دیں گے

سورہ صٰفّٰت میں ہے :

اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔

سورۃ المائدہ میں ہے :

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ○ بیشک اللہ نیک کام کرنے والوں کو پیار کرتا ہے

سورۃ العنکبوت میں ہے :

وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ اور واقعی اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے

قرآن کریم کی یہ آیات بتاتی ہیں کہ احسان کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کی محبت ہے ، اسے اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوگی، اسے اللہ تعالیٰ اور بھی بہت کچھ دیں گے جسے صراحت کے ساتھ بیان نہیں فرمایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی بہت خصوصی قسم کا انعام ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خاص طور پر محسن کو عطا ہوگا۔

احسان کا یہ دوسرا مرتبہ اس وقت حاصل ہوگا جب ہر کسی کے ساتھ احسان کرے ، دوست کے ساتھ بھی، دشمن کے ساتھ بھی ، اپنوں کے ساتھ بھی ، غیروں کے ساتھ بھی، انسانوں کے ساتھ بھی، حیوانوں کے ساتھ بھی ۔

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ جس شخص کے گھر میں اس کی بلی کو اس کی خوراک اور ضروریات نہ ملیں اور جس کے پنجرے میں بند پرندوں کی پوری خبر گیری نہ ہوتی ہو وہ کتنی ہی عبادت کرے محسنین میں شمار نہیں ہوگا۔

صحیح بخاری میں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تمثیلی الحکایت میں فرمایا کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے صرف اس لئے بخش دیا کہ اس نے پیاسے کتے کو پانی پلا کر اس کی جان بچائی تھی۔ اور ایک دوسرے شخص پر صرف اس لئے عذاب ہوا تھا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا اور اسے کھانے پینے کو کچھ نہیں دیا یہاں تک

کہ وہ سسک سسک کر مر گئی۔

ایک اور شخص نے چیونٹی کو جلا دیا تھا جس پر اس سے باز پرس ہوئی۔

ان احادیث کی روشنی میں آپ سمجھ سکتے ہیں کہ انسان تو کیا اسلام نے حیوانوں پر بھی احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور محسن، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں بڑا پیارا ہے

مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ ہر کسی کے ساتھ احسان کرے

چھوٹوں پر احسان

غریبوں پر احسان،

عزیز و اقارب پر احسان،

حیوانوں پر احسان،

یہاں تک کہ جو جور و جفا کریں ان پر بھی احسان،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ كَ

جو تم سے توڑیں تم ان سے جوڑو اور جو تمہارے ساتھ برائی کریں تم ان کے ساتھ نیکی اور احسان کرو۔

**نکتہ** | مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی مشہور اور مستند تفسیر معارف القرآن میں اس مقام پر بعض مفسرین کے حوالے سے ایک نکتہ تحریر فرمایا ہے وہ یہ کہ اس آیت میں پہلے عدل کا حکم دیا گیا ہے پھر احسان کا حکم دیا گیا ہے، عدل تو یہ ہے کہ دوسرے کا حق پورا پورا اس کو دیدے اور اپنا وصول کرلے نہ کم نہ زیادہ۔ اور احسان یہ ہے کہ دوسرے کو اس کے اصل حق سے زیادہ دو اور خود اپنے حق میں چشم پوشی سے کام لو، کچھ کم ہوجائے

تو بخوشی قبول کرلو، اسی طرح کوئی دوسرا تمہیں ہاتھ یا زبان سے ایذاء پہنچائے تو تم برابر کا انتقام لینے کے بجائے اس کو معاف کر دو بلکہ بُرائی کا بدلہ بھلائی سے دو، اس طرح عدل کا حکم تو فرض اور واجب کے درجہ میں ہوا اور احسان کا حکم نفلی اور تبرّع کے طور پر ہوا

**قرابت داروں کا حق** تیسرا مثبت حکم جو اس آیتِ کریمہ میں دیا گیا ہے وہ یہ کہ قرابت داروں اور رشتہ داروں کو کچھ دیا جائے لیکن یہاں اس کی وضاحت نہیں فرمائی کہ انہیں کیا چیز دی جائے ۔ ایک دوسرے مقام پر اس کی وضاحت بھی فرما دی ۔ فرمایا :

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ ۔ رشتہ دار کو اس کا حق دو ۔

بظاہر یہاں بھی یہی مراد ہے کہ رشتہ داروں کو ان کا حق دیا جائے ۔ یہ حق کئی طرح کا ہو سکتا ہے ۔

اگر رشتہ دار غریب ہو تو مالی امداد اس کا حق ہے ،

وہ معذور یا یکہ و تنہا ہو تو جسمانی خدمت اس کا حق ہے ،

وہ بیمار یا زخمی ہو تو بیمار پرسی اور خبر گیری اس کا حق ہے ،

وہ دل شکستہ ہو یا اسے کوئی حادثہ پہنچا ہو تو زبانی تسلّی اور ہمدردی اس کا حق ہے ،

وہ گمراہ ہو تو اسے راہِ ہدایت دکھانا بھی اس کا حق ہے ،

یہ سب ہی رشتہ دار کے حقوق ہیں اور اگرچہ لفظِ احسان میں رشتہ داروں کا حق ادا کرنا بھی داخل تھا مگر اس کی زیادہ اہمیت بتلانے کے لئے اس کو علیٰحدہ بیان فرمایا ۔

رشتہ داروں کے ساتھ حُسنِ سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی کو شریعت

میں صلہ رحمی کا نام دیا گیا ہے اور اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صلہ رحمی کے بہت زیادہ فضائل بیان فرمائے ہیں ۔

بخاری اور مسلم کی روایت ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص پسند کرتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت اور اس کی عمر میں اضافہ (برکت) ہو اسے چاہئے کہ وہ صلہ رحمی کرے ۔

اللہ کے رسولؐ جہاں صحابہؓ کو توحید اور رسالت پر ایمان لانے اور عبادت کرنے کا حکم دیتے تھے وہاں اخلاقِ حسنہ اور صلہ رحمی کے متعلق بھی تاکید فرماتے تھے ۔

آپ تعجب کریں گے کہ جس وقت روم کے بادشاہ ہرقل نے ابو سفیان سے پوچھا تھا کہ یہ نیا نبی تمہیں کس چیز کا حکم دیتا ہے ؟ تو باوجودیکہ اس وقت تک اس نے ایمان قبول نہیں کیا تھا اور وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا اس نے بعد میں کہا تھا کہ میرے دل میں ہرقل کے سامنے جھوٹ بولنے کا خیال آرہا تھا مگر اس ڈر سے میں نے جھوٹ نہیں بولا تاکہ کہیں میرے ہی ساتھی میری کسی بات کی تکذیب کر کے مجھے رسوا نہ کر دیں ۔

تو ہرقل کے اس سوال کے جواب میں ابوسفیان نے کہا تھا :

| | |
|---|---|
| یقول اعبدوا اللہَ ولا تشرکوا بہ شیئًا واترکوا ما یقول اٰباءکم ویأمرنا بالصلوٰۃ والصدق والعفاف والصلۃ ۔ (بخاری ومسلم) | وہ (نبی) کہتا ہے اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے آباء واجداد کی (غلط باتیں) چھوڑ دو، اور وہ ہمیں نماز کا اور سچائی اور پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے |

گویا اسلام کے بالکل ابتدائی زمانے ہی میں جب کہ ابھی حلال وحرام کے بھی سارے احکام نازل نہیں ہوتے تھے اس وقت بھی آپ کی تعلیمات میں

صلہ رحمی کی تعلیم شامل تھی اور اس پر اتنا زور تھا کہ مسلمان تو مسلمان کافر بھی جانتے تھے کہ آپ صلہ رحمی کی تاکید اور تلقین فرماتے ہیں۔

**سڑا ہوا معاشرہ** کتاب وسنت کی تعلیمات کے باوجود لوگوں کا یہ عمومی رویہ دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ صلہ رحمی کا بہت کم لحاظ کرتے ہیں، انتہائی قریبی رشتہ داروں میں ایسی ایسی نفرتیں اور عداوتیں دیکھنے میں آتی ہیں کہ خدا کی پناہ! چچا زاد بھائیوں سے بول چال بند ہوگی، پھوپھی زاد بھائیوں کا منہ دیکھنا گوارا نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ سگے بھائیوں میں ایسی ایسی کدورتیں ہیں کہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کے روادار نہیں ہوں گے۔

اصل میں اس دور کا انسان بڑا ہی مفاد پرست، خود غرض، حریص اور لالچی ہوگیا ہے اس نے تمام رشتوں کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اپنی نفسانی اغراض اور شہوانی خواہشات کو مقدم رکھ لیا ہے۔

چند روز پہلے سوات میں ایک نوجوان نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار کی بچی کو محض اس کے کانوں کی بالیاں حاصل کرنے کے لئے اغوا کیا اور بالیاں چھیننے کے بعد اسے پانی میں ڈبو کر ہلاک کر دیا جبکہ ان بالیوں کی قیمت محض ۱۷۰ روپے تھی۔ دو سال پہلے یہاں کراچی کے تمام اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ ایک ماں نے پچیس سال کے اپنے نوجوان بیٹے کو آشنا کے ساتھ مل کر بے دردی سے قتل کر کے اس کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے گندے نالے میں بہا دیئے۔

ذرا سینے پر ہاتھ رکھئے اور سوچئے کہ ہمارا معاشرہ کس قدر سڑ چکا ہے ورنہ مشرقی ماں تو اپنے بیٹے کے پاؤں میں کانٹا چبھنا بھی گوارا نہیں کر سکتی تھی، وہ اپنے نوجوان گبھرو بیٹے کو اپنے اُن ہاتھوں سے قتل کرنے اور ٹکڑے کر کے

اس کی لاش کو گندے نالے میں بہائے جن ہاتھوں نے بڑے چاؤ سے اسے پال پوس کر بڑا کیا تھا اور جو ہاتھ بڑی چاہت سے اس کا بول و براز صاف کیا کرتے تھے، بھلا یہ کسی کے تصور میں بھی آسکتا ہے؟ اور قتل بھی صرف اس لیے کہ وہ نوجوان ان کی رنگ رلیوں اور عیاشیوں میں رکاوٹ بنتا تھا جبکہ ماں کی عمر ظاہر ہے چالیس پینتالیس سال تو یقیناً ہوگی۔ تو ہمارے سڑے ہوئے معاشرے میں ادھیڑ عمر کی ماں کی خودغرضی اور نفس پرستی کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے شہوانی جذبات کی تعمیل میں رکاوٹ بننے والے نوجوان بیٹے تک کا خون بہانے سے دریغ نہیں کرتی اور خونی رشتے کا لحاظ نہیں کرتی تو دوسروں کا کیا حال ہوگا۔

یہ نتیجہ ہے اسلامی تعلیمات سے دوری اور جہالت کا، ورنہ اسلامی تعلیمات کو دل وجان سے ماننے والا شخص کبھی بھی خونی رشتوں کی بے حرمتی نہیں کرسکتا۔

**صحابہ کا حال** رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ انسانوں کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف عبادات ہی کا اہتمام نہیں کرتے تھے بلکہ قرابت داروں کے حقوق اور صلہ رحمی کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ حضرت مسطحؓ حضرت ابوبکرؓ کے قرابت دار تھے اسی لیے وہ ان کی کفالت کیا کرتے تھے۔ جس وقت بعض بدبختوں نے سیدہ عائشہؓ کے خلاف مذموم پروپیگنڈہ کیا تو مخلص مگر سیدھے سادھے لوگوں میں سے جو حضرات ان کے پروپیگنڈا سے متاثر ہوگئے تھے ان میں حضرت مسطحؓ کا نام بھی تھا۔

حضرت ابوبکرؓ بہرحال باپ تھے، جذبات میں آگئے اور قسم اٹھالی کہ آئندہ مسطحؓ کی کفالت نہیں کروں گا۔ مگر رب کریم نے سورۂ نور میں ارشاد فرمایا کہ

قرابت داروں کی مدد نہ کرنے اوران کی کفالت نہ کرنے کی قسم نہ اُٹھاؤ بلکہ اپنا حسن سلوک جاری رکھو۔

امام بخاریؒ نے " الادب المفرد" میں ایک اور صحابی کا واقعہ نقل کیا ہے جو اپنے قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی اوراحسان کرتے تھے اوران کے ساتھ حلم و بُردباری کے ساتھ پیش آتے تھے مگر اُدھر سے تمام چیزوں کا جواب اُلٹا ملتا تھا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ جب تک تم اس حالت کو قائم رکھو گے اللہ کی جانب سے ان کے مقابلے میں تمہارا ایک مددگار رہے گا۔

زوجۂ رسول حضرت زینبؓ اپنے اعزہ واقارب کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کرتی تھیں، ایک بار حضرت عمرؓ نے ان کی خدمت میں ان کا سالانہ وظیفہ جس کی مقدار بارہ ہزار درہم بنتی تھی، بھیجا تو انہوں نے یہ ساری رقم اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کردی۔

حضرت حفصہؓ نے اپنا ذاتی مکان اپنی چچازاد بہن اور زید بن خطاب کی بیٹی کو عمر بھر کے لیے دیا تھا۔

یہ حُسن سلوک صرف مسلمان رشتہ داروں کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ صحابہ کرامؓ اپنے ان رشتہ داروں کے ساتھ بھی فیاضی کا سلوک کرتے تھے جو کافر اور مشرک تھے۔

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو ایک ریشمی جوڑا دیا تو انھوں نے وہ اپنے ایک مشرک بھائی کے پاس بھیج دیا جو کہ مکہ میں مقیم تھا

(ابوداؤد)

حضرت اسماء ہجرت کرکے مدینہ گئیں تو ان کی والدہ جو کافرہ تھیں ان کے

پاس آئیں اور ان سے مالی مدد مانگی، حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا وہ اُن کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہیں آپ نے فرمایا ہاں کر سکتی ہیں (صحیح مسلم)

صحابہ کرام کی صلہ رحمی، فیاضی احسان اور ایثار کی بے شمار مثالیں حدیث کی کتابوں اور صحابہؓ کے حالات میں ملتی ہیں۔

**عمومی رویہ** مگر یہ سوچئے کہ رشتہ داروں کے ساتھ ہمارا رویہ اور ہمارا سلوک کیسا ہے۔ میں نے بہت سارے لوگ ایسے دیکھے ہیں جو غیروں کے لیے بڑے نرم، بڑے سخی، بڑے دریا دل اور بڑے خوش اخلاق ہوتے ہیں مگر اپنوں کے لیے بڑے سخت، بڑے کنجوس، بڑے تنگ دل اور بڑے بداخلاق ہوتے ہیں سوسائٹی میں اپنا مقام بنانے اور اپنے حلقۂ احباب کو خوش رکھنے کے لئے ان کی تجوریاں کھلی رہتی ہیں مگر اپنے غریب رشتہ داروں کے لیے ان کی جیب میں ایک کھوٹی پائی نہیں ہوتی۔ اگر ان کا غریب اور پریشان حال بھائی ان سے قرض مانگے یا مدد کی درخواست کرے تو ان کے حالات ایک دم خراب ہو جاتے ہیں، وہ ایسی ایسی کہانیاں سُناتے ہیں اور ایسے ایسے افسانے گھڑتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان بیچاروں سے زیادہ تو دنیا میں کوئی پریشان ہے ہی نہیں بلکہ بعض تو ایسے سنگدل ہوتے ہیں کہ وہ ان خونی رشتوں کا انکار ہی کر دیتے ہیں۔ بس تھوڑا سا پیسہ ہاتھ میں آجائے تو اپنے بھائیوں تک کو بھائی تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔

تعجب تو یہ ہے کہ بعض دیندار بھی اس میں مبتلا ہیں۔ وہ مدارس اور مساجد پر خرچ کرتے ہیں، یتیم خانوں پر خرچ کرتے ہیں، فقیروں اور بھکاریوں کو دیتے ہیں، فلاحی اداروں کی مدد کرتے ہیں مگر ان کے قریبی رشتہ دار ان کی

نظر کرم سے محروم رہتے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ ان کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ اِدھر اُدھر خرچ کرنے کا تو ثواب ملتا ہے مگر اپنوں پر خرچ کرنے کا کوئی ثواب نہیں، یا پھر تنگ ظرفی ہے کہ وہ اپنے قرابت داروں کو سکون و اطمینان میں نہیں دیکھنا چاہتے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہ ہے کہ اجنبی غرباء اور فقراء پر خرچ کرنے کا ایک اجر ہے اور اپنے اقارب پر خرچ کرنے کے دو اجر ہیں صدقہ کرنے کا الگ اجر اور صلہ رحمی کا الگ اجر۔

حضرت ابو طلحہ رضؓ کے پاس ایک بڑا قیمتی اور پیارا باغ تھا "بیرحاء" کے نام سے، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اسے آپ جہاں چاہیں صرف فرما دیں، فقیروں اور غریبوں کو دیدیں یا کسی دوسرے مصرف میں لے آئیں، بس میں اسے اللہ کے ہاں اپنے لیے ذخیرہ کرنا چاہتا ہوں اور آخرت میں اس کا اجر چاہتا ہوں آپ نے ان کے اس نیک ارادے کی بڑی تعریف فرمائی مگر فرمایا: وانّی أری ان تجعلها فی الاقربین میں یہ (مناسب) سمجھتا ہوں کہ تم اسے اپنے اقارب میں تقسیم کر دو۔ چنانچہ انھوں نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا (بخاری و مسلم)

امّ المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس ایک لونڈی تھی انھوں نے اسے آزاد کر دیا آپ کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا:

اما انك لو اعطيت اخوالك     اگر تم اسے اپنے ماموؤں کو دے دیتیں
كان اعظم اجراً لك     تو تمہیں زیادہ اجر ملتا۔

بہرحال اس آیت کریمہ میں جو چھ چیزیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے تین مثبت چیزیں میں نے آپ کے سامنے بیان کر دی ہیں۔ اب آیئے ان تین منفی باتوں کی طرف جن سے اس آیتِ کریمہ میں منع کیا گیا ہے

**فحشاء و منکر** ان میں سب سے پہلی بات جس سے منع کیا گیا ہے وہ فحشاء ہے اور دوسری بات جس سے منع کیا گیا ہے وہ ہے منکر۔

فحشاء ہر ایسے بُرے فعل یا قول کو کہا جاتا ہے جس کی بُرائی کھلی ہوئی اور واضح ہو، ہر شخص اس کو بُرا سمجھے۔

حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ تین قوتیں ایسی ہیں جو ساری خرابیوں کی جڑ ہیں پہلی قوت بہیمیت شہوانیہ ہے، دوسری قوت بہیمیت شیطانیہ ہے اور تیسری قوت قوت غضبیہ سبعیہ ہے۔

یہ تینوں قوتیں فحاشی سے تعلق رکھتی ہیں جن کا منشا شہوت اور بہیمیت کی زیادتی ہوتا ہے۔ عریانی، زنا، لواطت، گالی گلوچ، رقص و سرود، فحش ڈرامے وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو شہوانیت میں اضافہ کرتی ہیں۔ فحاشی قول کے ذریعے بھی ہوتی ہے اور عمل کے ذریعے بھی۔ اگر انسان کا عقیدہ اور اخلاق خراب ہو جائے تو عرب کے لوگ اس کو بھی فحاشی سے تعبیر کرتے ہیں۔ عربوں کے نزدیک بخل بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ مگر آج پوری دنیا عریانی کی لپیٹ میں ہے اور اس سے اجتناب کرنے کے بجائے اس [illegible] جاتا ہے۔ نیم برہنہ تصاویر پر ناچ اور گانا وغیرہ بداخلاقی کی باتیں ہیں جن سے اللہ نے منع کیا ہے۔ جو شخص فحاشی کی باتوں میں ملوث ہوگا وہ فلاح نہیں پا سکتا۔ (معالم العرفان)

دوسری منفی بات منکر ہے اور منکر ایسے قول و فعل کو کہتے ہیں جن کے حرام اور ناجائز ہونے پر اہل شرع کا اتفاق ہو اس لیے اجتہادی اختلافات میں کسی پہلو کو بھی منکر نہیں کہا جا سکتا۔

لفظِ منکر میں تمام ظاہری اور باطنی، عملی اور اخلاقی گناہ داخل ہیں۔

**بغی** تیسری منفی چیز جو اس آیتِ کریمہ میں بیان کی گئی ہے وہ ہے "بغی"

"بغی" کا اصلی معنی تو ہے حد سے تجاوز کرنا لیکن عام طور پر اس کا معنی بغاوت اور سرکشی کر دیا جاتا ہے۔

"بغی" کے لفظ میں ہر قسم کا ظلم، زیادتی، تعدی، مار پیٹ، گالی گلوچ، چھینا جھپٹی، بے عزتی، قانون شکنی، چوری، ڈاکہ وغیرہ آجاتے ہیں۔ نظامِ عالم میں بگاڑ پیدا کرنے والے جتنے بھی اسباب ہیں ان میں ظلم سرِ فہرست ہے۔ ظلم کسی بھی معاشرے میں سرایت کر جائے اس کی چولیں ہلا کر رکھ دیتا ہے۔

حضرت علیؓ کی طرف ایک قول منسوب ہے کہ کوئی بھی مملکت کفر و شرک کے ساتھ تو قائم رہ سکتی ہے مگر ظلم کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتی۔ بلکہ بعض مفسرین نے تو قرآن کریم کی اس آیت وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جس ملک کے رہنے والے ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے ہوں اور لوٹ کھسوٹ نہ کرتے ہوں تو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت مل جاتی ہے مگر جہاں ظلم عام ہو جائے تو ایسی بستیوں ایسے شہروں اور ایسے ملکوں میں بہت جلد عذاب آ کے رہتا ہے۔

اس لیے قرآن کریم میں ظلم اور ظالموں کی بے پناہ مذمت بیان فرمائی گئی ہے اور ان کے لئے شدید وعیدیں ذکر کی گئی ہیں۔ سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ توبہ سورۂ صف اور سورۂ جمعہ میں فرمایا:

اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا،

سورۂ اعراف میں فرمایا: ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے،

سورۂ مومن میں فرمایا: قیامت کے دن ظالموں کو ان کی معذرت نفع نہیں دے گی اور اُن پر لعنت ہو گی اور ان کو بُرا گھر ملے گا۔

سورۂ شوریٰ میں فرمایا: ظالموں کا نہ کوئی یار ہو گا نہ مددگار۔

ظالم ایسا بدنصیب اور سیاہ بخت انسان ہے کہ قرآن جو ساری انسانیت کے لیے ہدایت کا پیغام اور روشنی کا مینار ہے اس قرآن سے بھی ظالم کو ہدایت تو کیا ملے گی الٹا اس کی ضلالت اور خسارے میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا

اور ہم قرآن سے وہ چیز اتارتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کو تو وہ گھاٹا ہی زیادہ کرتا ہے۔

**دنیا کی سزا** ظالم کو صرف آخرت ہی میں سزا نہیں ملے گی بلکہ بسا اوقات اسے دنیا میں بھی سزا مل کر رہتی ہے۔ حالانکہ دنیا تو دار العمل ہے دار الجزا نہیں ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ بہت سے گنہگاروں کی پردہ پوشی فرما دیتے ہیں اور دنیا میں انہیں مہلت پر مہلت دیتے چلے جاتے ہیں، لیکن ظالموں کو ان کے ظلم کا بدلہ دنیا میں بھی چکھا دیا جاتا ہے

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ظلم کے سوا کوئی گناہ ایسا نہیں جس کا بدلہ اور عذاب جلد دیا جاتا ہو۔ صادق و مصدوق نبیؐ کے اس فرمان کی روشنی میں آپ ظالموں کی پوری تاریخ کا مطالعہ کیجئے، قابیل سے لے کر فرعون و قارون تک، فرعون و قارون سے ابوجہل و ابولہب تک اور ابوجہل و ابولہب سے ہٹلر اور مسولینی تک ایک ایک ظالم کا انجام دیکھئے اللہ نے انہیں دنیا کے لئے عبرت کا سامان بنا دیا۔

مختلف صحابہؓ پر ظلم کرنے والوں کی زندگی کے آخری ایام کا مطالعہ کیجیے آپ کو ان میں سے ایک ایک عبرت کی زندہ تصویر بنا دکھائی دے گا۔

ایک عثمان ذوالنورینؓ پر ظلم کا پہاڑ ڈھانے والے قاتلوں کا انجام ہی ہماری

آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔ آپ کے قاتلوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو انجامِ بد سے بچ سکا ہو۔ سودان بن حمران ہو یا اشتر نخعی، محمد بن ابی بکر ہو یا عمرو بن حمق، عمیر بن ضابی حنظلی ہو یا کمیل بن زیاد — ان میں سے ہر ایک ذلت کی موت مرا۔

سودان بن حمران کو تو موقع ہی پر موت کی نیند سُلا دیا گیا، اشتر نخعی کو زہر دے کر ہلاک کیا گیا۔

محمد بن ابی بکر کو قتل کرنے کے بعد اس کی لاش کو گدھے کی کھال میں سی کر جلا دیا گیا۔

عمرو بن حمق کو تیروں کا نشانہ بنایا گیا مگر وہ پہلے یا شاید دوسرے ہی تیر میں مر گیا۔

عمیر بن ضابی کو حجاج بن یوسف نے بغیر رحم کھائے ڈھیر کر دیا۔

تاریخ سے قطع نظر آپ اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیئے آپ کو ظالموں کے انجامِ بد کی بہت ساری داستانیں مل جائیں گی۔ ان زندہ اور سچی داستانوں سے عبرت حاصل کیجئے اور اپنے دامن کو ظلم و ستم سے حتی الامکان بچا کر رکھیے ورنہ ہم بھی ان داستانوں کا عنوان بن سکتے ہیں۔

**بد بختی کی انتہاء** اس آیتِ کریمہ میں جن تین منفی باتوں سے منع کیا گیا ہے ان کی وضاحت کتاب و سنت کی روشنی میں میں نے آپ کے سامنے کر دی مگر رافضیوں کی بد بختی اور سنگدلی دیکھئے کہ ان کے بعض کالے دل، کالے لباس، کالے چہروں والے مفسرین نے اپنے کالے ہاتھوں سے اپنی کالی کتابوں میں لکھا ہے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ کہ "فحشاء" سے مراد ابو بکرؓ، "منکر" سے مراد حضرت عمر فاروقؓ اور "بغی" سے مراد حضرت عثمانؓ ہیں۔

اسے کہتے ہیں قرآن کی معنوی تحریف ! اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی معنوی تحریف کرنے میں رافضی حضرات قادیانیوں اور پرویزیوں سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں بلکہ ان سے دو قدم آگے ہی ہوں گے ۔ جیسے قرآن کریم میں لفظی تحریف حرام بلکہ کفر ہے اسی طرح معنوی تحریف بھی حرام اور کفر ہے ۔

کیسی شرم کی بات ہے کہ وہ آیتِ کریمہ جسے ہم مشرق و مغرب میں بسنے والوں کے سامنے اسلام کے اصلاحِ عالم کے پروگرام کے طور پر پیش کر سکتے ہیں . اور ساتھ ہی نمونہ کے طور پر ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ کی زندگیاں اور ان کا معاشرہ بھی پیش کر سکتے ہیں کہ دیکھیے کہ جن انسانوں نے ان چھ باتوں کو اپنایا ان کی زندگیوں میں کس طرح انقلاب آیا اور ان کا معاشرہ کیسا جنت نظیر معاشرہ بن گیا ہم اسی آیت میں ایسی تحریف کر دیں کہ کسی کو سنانے کے قابل نہ رہیں ۔ اللہ ہمیں بغضِ صحابہ سے تا زندگی محفوظ رکھے ، حقیقت یہ ہے کہ بغضِ صحابہ کی وجہ سے انسان ایمان سے محروم ہو جاتا ہے اور اس طرح کی تحریف وہی شخص کر سکتا ہے جو ایمان سے بالکل محروم ہو جائے ۔

محترم حاضرین ! میں نے اپنی ناقص بساط کے مطابق اصلاحِ عالم کا جو پروگرام ان چھ باتوں کی صورت میں بیان کیا گیا ہے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے ، آیئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں اس پروگرام کو اپنانے اور دنیا کے پسے ہوئے اور ضلالتوں میں ڈوبے ہوئے تمام انسانوں تک پہنچانے کی توفیق نصیب فرمائے ۔ وَمَا علینا الاّ البلاغ

# جہاد

تری بہبودی کی اک شمشیر ہی تدبیر ہے　　دولتِ دارین دلوائے یہ وہ اکسیر ہے
خود حضورِ مخبرِ صادق کی یہ تبشیر ہے　　جنت الفردوس زیرِ سایۂ شمشیر ہے

مسلمِ خوابیدہ اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

کود میدانِ عمل میں ہو کڑک کر نعرہ زن　　از سرِ نو تازہ کر اپنی روایاتِ کہن
پھر دکھا اپنا وہ زورِ بازوئے خیبر شکن　　اور وہ اپنے خالدی تیور حسینی بانکپن

مسلمِ خوابیدہ اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ

"سوچیے، تو سہی اب ہمارے پاس اُٹھ کھڑے ہونے کے سوا چارہ ہی کیا ہے ___ ہمارا اٹھ کھڑا ہونا وقت اور حالات کی پکار ہے۔

یہ ہمارے ایمان کی پکار ہے۔

یہ ہمارے ضمیر کی ___ اگر وہ زندہ ہے تو ___ اس کی پکار ہے

یہ بوسنیا کے ستم رسیدہ مسلمانوں کی پکار ہے۔

یہ ہندوستان کے الم چشیدہ اہل ایمان کی پکار ہے۔

یہ برما کے یتیم بچوں اور اُجڑی ہوئی سہاگنوں کی پکار ہے۔

یہ کشمیر کے سبزہ زاروں میں بے آبرو ہونے والی بہن اور بیٹی کی پکار ہے۔

یہ تاجکستان میں لٹنے اور پٹنے والے خاندانوں کی پکار ہے۔

یہ کعبہ کی بیٹی ___ بابری مسجد کی پکار ہے۔

یہ قبلۂ اول کی پکار ہے۔

ارے اللہ کے بندو! یہ تو اب زمین و آسمان کی پکار ہے"

# جہاد

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد
فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انفروا خفافًا وثقالًا وجاھدوا بأموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ذٰلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون ۝ (التوبۃ)

نکل پڑو ہلکے اور بوجھل اور جہاد کرو اپنے مال سے اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں، یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم علم رکھتے ہو۔

واعدّوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم واٰخرین من دونھم لا تعلمونھم اللہ یعلمھم وما تنفقوا من شیء فی سبیل اللہ یوفّ الیکم وانتم لا تظلمون (الانفال)

اور ان سے مقابلہ کے لئے جس قدر بھی تم سے ہو سکے سامان درست رکھو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے جس کے ذریعہ سے تم اپنا رعب رکھتے ہو اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی کہ تم انہیں نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دیدے گا اور تمہارے لئے ذرا بھی کمی نہ ہو گی۔

عن ابی هریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَثَلُ المجاھد فی سبیل اللہ کمثل الصائم القائم القانت بآیاتِ اللہ لا یفتر من صِیامٍ و لا صلوٰۃٍ حتی یرجع المجاھد فی سبیلِ اللہ۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی مثال اس روزہ دار کی سی ہے جو رات بھر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتا ہو نہ روزے سے تھکتا ہو نہ نماز سے مجاہد جب تک جہاد سے واپس نہ آئے اسے یہی اجر و ثواب ملتا رہتا ہے۔

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ دینِ حق کو تمام ادیان پر غالب کر دیا جائے جیسا کہ سورۂ صف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ

وہ اللہ وہی ہے جس نے اپنے پیمبر کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے گو مشرکوں کو کیسا ہی گراں گذرے۔

اس آیت کی روشنی میں آپ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیاتِ طیبہ کا جائزہ لے لیں آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا بس ایک ہی محور اور مقصد نظر آئے گا یعنی اللہ کے سچے دین کا تمام ادیانِ باطلہ پر مکمل غلبہ! آپ کے دن بھی اسی سوچ میں بسر ہوتے تھے اور راتیں بھی، آپ کے ذہن پر اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے ایک ہی فکر سوار رہتی تھی وہ یہ کہ اللہ کا

پیغام اطرافِ عالم میں پہنچ جائے اور اس کے دین کی روشنی سے کائناتِ انسانی کا گوشہ گوشہ منوّر ہو جائے

اس مقصد کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جہاد کرنے کا حکم دیا، قرآن کریم کی سینکڑوں آیات میں یہ حقیقت بار بار واضح کر دی گئی ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ بغیر جہاد کے نہیں ہو سکتا، انداز بدل بدل کر، الفاظ اور جملے بدل بدل کر، عنوانات بدل بدل کر دو اور دو چار کی طرح یہ واضح کر دیا گیا کہ دینِ حق کی ابدی سچائیوں اور اٹل حقیقتوں کو سمجھانے اور منوانے کے لئے جہاد کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ کوئی دوسرا طریقہ کوئی دوسرا نسخہ کارگر ہو ہی نہیں سکتا

**تعجب کی وجہ** | آپ کو میرا یہ دعویٰ سن کر شاید تعجب ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم تو بہت پہلے دیا تھا البتہ قتال کی اجازت بہت بعد میں دی گئی۔ آپ کے تعجب کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جہاد کا معنی صرف اور صرف قتال ہے حالانکہ یہ تصور ہرگز صحیح نہیں ہے۔ میں اس سے ہرگز انکار نہیں کرتا کہ قتال بھی جہاد کا ایک اہم شعبہ اور حصہ ہے لیکن مجھے کتاب و سنّت کی تعلیمات اس دعویٰ کو تسلیم کرنے سے بھی روکتی ہیں کہ جہاد کا مفہوم صرف قتال ہے۔ قتال جہاد کی آخری اور انتہائی منزل ہے، اس کی پہلی سیڑھی نہیں ہے۔ اصل میں دوسرے مسائل کی طرح جہاد کے مسئلے میں بھی امت افراط و تفریط کا شکار ہے۔ بعض مذہبی اسکالر اور نام نہاد مفکرین تو وہ ہیں جو یورپی افکار کے سامنے ذہنی مرعوبیت کی وجہ سے جہاد اور قتال کو ایک دوسرے کی ضد ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ حضرات جہاد کے مفہوم سے قتال کو بالکل خارج کر چکے ہیں۔ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ یہ کتاب و سنت کے واضح نصوص میں بھی تحریف سے باز نہیں آتے دوسری طرف وہ حضرات ہیں جو جہاد اور قتال کو ہم معنی سمجھتے ہیں اور جہاد کا

مطلب ہی قتال بیان کرتے ہیں۔

مگر سچی بات یہ ہے کہ یہ دونوں مکتبۂ فکر غلو کا شکار رہیں۔ ان میں سے ایک مغربی مفکرین کے پروپیگنڈا کی وجہ سے غلو کا شکار ہے تو دوسرا اپنے اخلاص اور مجاہدانہ جذبات کی وجہ سے غلو میں مبتلا ہے۔

اللہ کی کتاب اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے جہاد کا مفہوم یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو کچھ دیا ہے اسے حق کی سربلندی اور دین کی اشاعت و حفاظت کے لئے صرف کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اسے علم دیا ہے تو علم سے جہاد کرے

اللہ تعالیٰ نے اسے مال دیا ہے تو مال سے جہاد کرے

اللہ تعالیٰ نے اسے زبان دی ہے تو زبان سے جہاد کرے

اللہ تعالیٰ نے اسے قلم دیا ہے تو قلم سے جہاد کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اسے جان دی ہے تو جان بھی اس کے حکم پر نچھاور کر دے۔

غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو بھی جسمانی، مالی، دماغی، علمی اور عملی صلاحیتیں عطا کی ہیں انھیں اس کے حکم پر، اس کی رضا کی خاطر اس کے دین کے لئے استعمال کرنے کا نام جہاد ہے۔

**جہاد بالعلم** | جہاد بالعلم یہ ہے کہ کتاب و سنت کا ہتھیار ہاتھ میں لے کر جہالت کے خلاف جہاد کرے کیونکہ جہالت تمام برائیوں اور فسادات کی جڑ ہے۔

جاہلیتِ جدیدہ ہو یا جاہلیت قدیمہ ہو، مشرق کی جہالت ہو یا مغرب کی جہالت ہو بہر صورت جہالت انسانیت کے لئے سم قاتل ہے،

جہالت سب سے بڑی ظلمت اور سب سے بڑی تاریکی ہے، شبِ دیجور

کی تاریکی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور یہ تاریکی نہ تلوار کی دھار سے دور ہو سکتی ہے اور نہ کلاشنکوف کی گولی سے بلکہ ایٹم بم بھی گرا دیا جائے تو یہ تاریکی دور نہیں ہو سکتی۔ آپ ایٹم بم سے بستیوں کو مسمار کر سکتے ہیں،

محلات کو زمین بوس کر سکتے ہیں

انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار سکتے ہیں

بچوں کو یتیم اور سہاگنوں کو بیوہ کر سکتے ہیں

روئے زمین پر سے نباتات کا نشان تک مٹا سکتے ہیں

لیکن آپ ایٹم بم یا ہائیڈروجن بم سے جہالت کی تاریکی ختم نہیں کر سکتے لوہے کی تلوار سے دشمن کی گردن تو اڑائی جا سکتی ہے مگر اس کے تاریک سینے کو روشن نہیں کیا جا سکتا، تلوار کی دلیل سے دل میں وہ اطمینان پیدا ہو ہی نہیں سکتا جو علمی دلیل سے پیدا ہوتا ہے۔

حضور علیہ السلام کے واسطے سے ساری انسانیت کو جو پہلا حکم دیا گیا تھا وہ پڑھنے کا حکم تھا جو کہ حصولِ علم کا پہلا زینہ ہے

حضور علیہ السلام کی تیرہ سالہ مکّی زندگی گواہ ہے کہ آپ تیرہ سال تک علمی جہاد کرتے رہے اس وقت تک جہاد بالسیف کی اجازت ہی نہیں تھی اور اس علمی جہاد میں آپ کا سب سے بڑا ہتھیار قرآن کریم تھا کیونکہ رب کریم نے کفرو شرک اور جہالت کی چھائی ہوئی تاریکیوں کے خلاف آپ کو قرآن کی تلوار سے جہاد کرنے کا حکم دیا تھا، فرمایا گیا:

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا — تو کافروں کا کہا نہ مان اور بذریعۂ قرآن کے توان سے جہاد کر، بڑا جہاد۔

اس قرآنی جہاد کو اللہ تعالیٰ نے "جہادِ کبیر" یعنی بڑا جہاد قرار دیا۔ اور

واقعی یہ "جہادِ کبیر" تھا اس جہاد کے مقابلہ میں کفار اور منافقین کی فوجیں نہ ٹھہر سکیں اور وہ شکست پر شکست کھاتے چلے گئے۔

اس میں شک نہیں کہ کشمکش ہوئی، ٹکراؤ ہوا، ابوجہل اور اس کی ذریت نے اپنے لغو پروپیگنڈا سے حق کو دبانا چاہا اور اس کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا مگر انہیں اس محاذ پر منہ کی کھانی پڑی کیونکہ ان کا پروپیگنڈا دلائل و براھین کی قوت سے خالی تھا اور ان کی باتیں بے جان تھیں۔ ایک معمولی عقل و فہم رکھنے والا شخص بھی جب حضور علیہ السلام کی دعوت اور ان کے پروپیگنڈا کے درمیان موازنہ کرتا تھا تو فوراً جان لیتا تھا کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے، حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ صناد یدِ کفار گلی گلی جا کر اور ایک ایک فرد کو پکڑ پکڑ کر سمجھاتے تھے کہ اس مدعیِ نبوت کی باتوں میں نہ آؤ، یہ تمہیں لڑانے کے لئے آیا ہے، اس کا کلام ایسا ہے کہ جس سے باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر اور بیوی میں جدائی ہو جاتی ہے لیکن جب اُن سے توحید و رسالت اور عقیدۂ آخرت کے بارے میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ ٹھوس دلائل کا جواب مانگا جاتا تھا تو وہ آئیں بائیں شائیں کر کے راہِ فرار اختیار کر جاتے تھے۔

ربِ کریم نے ان کے لغو پروپیگنڈا اور جھوٹی افواہوں کا اپنے کلامِ مجید میں یوں تذکرہ فرمایا ہے:

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا اگرچہ کافروں کو (کیسا ہی) گراں گزرے۔

قرآن کریم میں جو دعوت و تبلیغ پر زور دیا گیا ہے اور موعظہ حسنہ اور جدالِ

احسن کا جو حکم دیا گیا ہے تو یہ سب جہادِ علمی ہی میں داخل ہے، ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ علمی میدان میں حق کی فتح اور باطل کی شکست کے لئے علم حاصل کرے اور اسے اس راستے میں صرف کرے۔ وہ تمام علوم اور وہ تمام زبانیں جن سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہو ان سب کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔

ہمارے بزرگوں نے یونانی فلسفہ اور حکمت اسی لیے سیکھے تھے تاکہ ان لوگوں کو شکست دی جا سکے جو حکمت و فلسفہ کے راستے سے لوگوں کو گمراہ کرتے تھے اور ان پر اپنی علمیت کا رعب جماتے تھے۔

جس طرح اسلحہ و بارود کی جنگ میں یہ ضروری ہے کہ جدید اسلحہ اور جدید ٹریننگ حاصل کی جائے تاکہ اس میدان میں مسلمان، کفار سے پیچھے نہ رہیں اسی طرح ان تمام جدید علوم پر بھی عبور حاصل کرنا ضروری ہے جن کے ذریعے دشمنانِ اسلام کو علمی میدان میں شکست دی جا سکتی ہے۔

## جہاد بالقلم

جہاد بالعلم میں ہم جہاد بالقلم کو بھی داخل کر سکتے ہیں۔ یہ دور لٹریچر کا دور ہے، زرد صحافت کا دور ہے، قلمی فتنوں کا دور ہے، ہر شخص کو ہر بات لکھنے اور چھاپنے کی اجازت ہے، چنانچہ گمراہ اور بگڑے ہوئے رائٹر اس آزادی کا فائدہ اٹھا کر اسلامی عقائد کی بنیادوں پر حملے کر رہے ہیں۔

انبیاء کی عزت و ناموس تک کو نہیں بخشا جا رہا،

حضور علیہ السلام کے جان نثاروں کی سیرت و کردار پر تنقید کی جا رہی ہے،

حدیث کی حجیت کا انکار کیا جا رہا ہے،

ختم نبوت جیسے اجماعی عقیدے کے بارے میں دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کئے جا رہے ہیں،

امتِ مسلمہ کو فرقہ در فرقہ تقسیم کرنے والی نئی نئی کتابیں روزانہ شائع ہو رہی ہیں،

نئی نسل کو گمراہ اور بدراہ بنانے کے لئے فحاشی اور عریانیت سے بھرپور رسالے اور میگزین تمام بک سٹالوں پر دستیاب ہیں اور اس میں ایسی دوڑ لگی ہوئی ہے کہ ہر اخبار اور رسالہ دوسرے سے آگے بڑھ جانا چاہتا ہے، یہ سب قلمی فتنے ہیں، لٹریچر کی تباہ کاریاں ہیں، بگڑی ہوئی صحافت کی بدکاریاں ہیں، ان کے خلاف جہاد کے لئے قلم کو تلوار بنانے کی ضرورت ہے۔

حضرت حسان بن ثابتؓ کی یاد تازہ کرنے کی ضرورت ہے، جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زبان درازی کرنے والوں کے دانت کھٹے کر دیئے تھے اور ان پر ایسے تابڑ توڑ حملے کئے تھے کہ وہ اپنا دفاع کرنے پر مجبور ہو گئے تھے اور آپؐ نے خوش ہو کر فرمایا تھا:

| | |
|---|---|
| إِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ حَسَّانَ بِرُوحِ الْقُدُسِ مَا نَافَحَ اَوْ فَاخَرَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | بے شک اللہ تعالیٰ روح القدس کے ساتھ حسان کی تائید کرتا ہے۔ جب تک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دفاع کرتا ہے یا آپؐ کے مفاخر بیان کرتا ہے |

بسا اوقات اہل قلم کی آواز ایسے محلات تک جا پہنچتی ہے جہاں لاؤڈ سپیکر کی آواز بھی نہیں پہنچ سکتی۔

کتابیں وہ اثر کر جاتی ہیں جو بندوق کی گولی بلکہ توپ کا گولہ بھی نہیں کر سکتا اسلام کا درد رکھنے والے ہر شخص کے لئے سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس وقت اکثر اخبارات ورسائل پر مغرب پرست صحافیوں کا تسلط ہے، طرح طرح کے میگزین اور ڈائجسٹ بھی انہیں کے زیر اثر ہیں، پھر فحش ناولوں، افسانوں اور گمراہ کن کتابوں

کی تو کوئی حد ہی نہیں لیکن ان کے مقابلے میں اسلامی علوم کے گہرے مطالعہ کے ساتھ جدید اسلوب میں لکھنے والے انتہائی محدود ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوا ہے کہ ہر دینی ادارے نے اپنا الگ رسالہ نکال لیا ہے، اگرچہ ان کا وجود غنیمت ہے مگر صحیح بات یہ ہے کہ ان رسائل میں تحقیقی مضامین بہت کم ہوتے ہیں اور جدید مسائل پر بحث و نظر تو نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔

**جہاد بالمال** جہاد کی ایک قسم جہاد بالمال بھی ہے کیونکہ بے شمار اجتماعی کام ایسے ہیں کہ وہ مالی وسائل کے بغیر نہیں ہو سکتے، میدانِ جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے اسلحہ کی ضرورت ہے اور اسلحہ حاصل کرنے کے لئے پیسے کی ضرورت ہے، مجاہدین کی ضروریات پوری کرنے کے لئے بھی سرمائے کی ضرورت ہے۔ جو قوم اپنی دفاعی اور جہادی تیاریوں سے غافل ہو جاتی ہے اسے ہلاکت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ ربِ کریم نے کیسے پیارے انداز میں اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے:

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ

اور خرچ کرو اللہ کے راستے میں اور مت ڈالو اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں۔

اس آیتِ کریمہ میں پوری امتِ مسلمہ سے خطاب ہے کہ اگر تم نے جہاد و قتال سے جان چرائی اور مجاہدین کو مالی امداد دینے میں بخل سے کام لیا تو تمہیں ہلاکت اور بربادی سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔

قرآن کریم میں کئی مقامات پر مالی جہاد کی تاکید کی گئی ہے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ آپ کو مشکل ہی سے کوئی ایسا مقام ملے گا جہاں جہاد کا حکم دیا گیا ہو مگر مالی جہاد کی تاکید نہ کی گئی ہو، پھر عجیب بات یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک مقام پر مالی جہاد کو جان کے جہاد سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا :

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

ہلکے یا بھاری ہو کر جس طرح ہو نکلو اور اپنے مال اور اپنی جان سے اللہ کے راستہ میں جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم کو معلوم ہو۔

سورۃ النساء میں ہے :

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً۔

اپنے مال اور اپنے نفس سے جہاد کرنے والوں کو اللہ نے بیٹھ رہنے والوں پر ایک درجہ کی فضیلت دی ہے ۔

مالی جہاد کو جان کے جہاد پر مقدم کرنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ عملی جنگ میں شرکت کرنا ہر شخص کے لئے ممکن نہیں ۔ بچوں، عورتوں، معذوروں بوڑھوں اور بیماروں کو تو ویسے بھی شریعت نے رخصت دی ہے الّا یہ کہ کوئی ایسے مخصوص حالات ہوں جن میں عورتوں کی خدمت کی بھی ضرورت پڑ جائے ، لیکن مالی جہاد میں ہر شخص حصہ لے سکتا ہے خواہ بوڑھا ہو یا بیمار ہو، معذور ہو یا صحت مند ہو، بچہ ہو یا کہ عورت ہو کسی کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ۔

دوسری وجہ اس کی یہ ہے کہ جسمانی جہاد یعنی لڑائی کی ضرورت ہر وقت اور ہر جگہ پیش نہیں آتی لیکن مالی جہاد کی تو ہر وقت اور ہر جگہ ضرورت رہتی ہے ۔ خصوصًا اس دور میں جبکہ بے دین اور دین دشمن عناصر نے باطل کی اشاعت اور سیدھے سادے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے اتنے محاذ کھول دیئے ہیں کہ جن کا کوئی شمار نہیں ۔ ایک طرف مشنری ہسپتال اور رفاہی ادارے ہیں، دوسری طرف مشنری اسکول اور کالج ہیں، تیسری جانب گمراہ کن لٹریچر کا پھیلاؤ ہے، چوتھی جانب ان کے ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشن ہیں ۔

یورپ کے پُرتعیش ہوٹلوں اور دفاتر میں بیٹھے ہوئے سیاہ دل بیوپاری ضمیروں کا سودا کر رہے ہیں، ایمان کی بولی لگا رہے ہیں، افراد کو خرید رہے ہیں، جماعتوں کو خرید رہے ہیں۔ یہ لوگ جدید اسلحہ کا انبار لگا رہے ہیں، جدید ٹیکنالوجی کو ترقی دینے میں دل کھول کر پیسہ اڑا رہے ہیں —— ان تمام محاذوں پر ان کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے اور یہ مقابلہ مالی ایثار کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے حضرت ذوالنّورینؓ والے جذبہ کی ضرورت ہے جنھوں نے اپنی دولت اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کر دی تھی۔ مدینہ میں مسلمانوں کو پانی کی تکلیف ہوئی تو ایک سنگدل یہودی سے بیس ہزار درہم میں بیر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

مسجدِ نبوی میں جگہ کی تنگی ہوئی تو آپ نے ایک بڑی رقم صرف کر کے اس کی توسیع کرا دی۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر جنگی تیاریوں اور قیصر و کسریٰ کے مقابلہ کے لئے بے تحاشا دولت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دی۔

طبری میں ہے کہ ایک جہاد میں مفلسی اور غربت کی وجہ سے مسلمانوں کے چہروں پر اداسی تھی اور منافق اکڑتے پھرتے تھے حضرت عثمانؓ نے اسی وقت چودہ اونٹوں پر غلّہ لاد کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا کہ مسلمانوں میں تقسیم فرما دیں۔

اور یہ جذبہ صرف حضرت ذوالنّورینؓ کے اندر ہی نہیں پایا جاتا تھا بلکہ ہر مسلمان اس جذبے سے سرشار تھا اور اللہ کے راستے میں سب کچھ لٹانے کے لئے تیار تھا۔

**آقاؐ کی تربیت** اور یہ اصل میں نتیجہ تھا مدنی آقاؐ کی تعلیم و تربیت کا آقاؐ نے اپنے ملنے والوں کی اس انداز میں تربیت فرمائی تھی کہ آپؐ کا ہر غلام خواہ وہ امیر ہو یا غریب، جہاد فی سبیل اللہ کے لئے خونِ پسینے کی کمائی لُٹانے کا جذبہ

دل میں رکھتا تھا ۔ ان کا حال تو یہ تھا کہ جب کبھی ان سے دشمنانِ دین سے مقابلہ کرنے لئے مالی تعاون کی اپیل کی جاتی تھی تو بسا اوقات وہ رات بھر محنت اور مزدوری کرتے تھے تاکہ اس سعادت میں وہ بھی شریک ہو سکیں۔

بخاری میں حضرت ابو مسعودؓ کی روایت ہے کہ ہم میں سے بعض مزدوری کر کے (لکڑیاں چن کر، کنویں سے پانی کھینچ کر) آقاؐ کی خدمت میں حسب توفیق کچھ نہ کچھ پیش کرتے تھے اور منافقین ہمارا مذاق اڑاتے تھے۔ حضرت ابو عقیلؓ ایک غریب صحابی تھے، وہ نصف صاع لیکر حاضر ہوئے تو منافقین نے طنز کے طور پر کہا اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنْ صَدَقَةِ هٰذَا بے شک اللہ اس کے صدقہ سے غنی ہے۔

بعض نادار صحابہؓ کے بارے میں اللہ کریم نے اپنے پاک کلام میں گواہی دی ہے کہ جب جہاد کے موقع پر ان کے لئے سواری کا انتظام نہیں ہو پاتا اور خود انہیں بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی استطاعت نہیں ہوتی تھی تو اپنی ظاہری بے بسی اور اندرونی جذبات کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑتے تھے کہ ہائے آج ہی گھر میں دیا نہ ہوا، کاش ہمارے پاس کچھ ہوتا اور ہم وہ سب کچھ اللہ کے دین کے لئے لٹا دیتے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں :

تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝

تو وہ واپس جاتے ہیں اس حال میں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں اس غم میں کہ انہیں کچھ میسّر نہیں کہ وہ خرچ کریں۔

اللہ کے راستے میں اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے خرچ کرنے کا یہ جذبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا، آپؐ نے جہاد کے لئے خرچ کرنے کے اس قدر فضائل بیان فرمائے کہ ہر صحابی خرچ کرنے کے لئے بے تاب

رہتا تھا۔

ابن ماجہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے :

جو شخص کسی مجاہد کے ساز و سامان کا انتظام کرے اس کو اس غازی جیسا ہی اجر ملے گا اور غازی کے اجر میں کوئی کمی نہیں آئے گی ۔

بخاری شریف میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یا رسول اللہ ! لوگوں میں سب سے افضل کون ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ مؤمن جو اللہ کی راہ میں جان و مال کے ساتھ جہاد کرتا ہو۔

حضرت زید بن خالد سے صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے لئے ساز و سامان مہیا کیا اس نے بھی جہاد کیا اور جس نے خیر خواہی کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے گھر کی دیکھ بھال کی اس نے بھی جہاد کیا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جس شخص نے اللہ کے راستے میں (جہاد کے لیے) گھوڑا دیا اس کو ویسا ہی اجر ملے گا جیسا اجر اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مال و جان سے جہاد کرنے والے کو ملتا ہے اور جس نے اللہ کے راستے میں تلوار دی وہ قیامت کے روز ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کی ایک زبان یہ اعلان کرتی ہوگی میں فلاں شخص کی تلوار ہوں، میں اس کی طرف سے آج تک جنگ کرتی رہی ہوں، اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنگ کے لئے ایک تیر دیا اللہ تعالیٰ اسے اس کے لئے ذخیرۂ آخرت بنا دے گا اور اس کے اجر و ثواب کو قیامت تک بڑھاتا رہے گا یہاں تک کہ قیامت کے روز وہ تمام مخلوق کے سامنے اُحد پہاڑ سے بڑا ہو کر آئے گا ۔ اور جس نے اللہ کے راستے میں کسی مجاہد کو سواری پر سوار کیا اللہ تعالیٰ اس کے لئے قیامت کے روز ایک جھنڈا بنا دیں گے اور جس نے اللہ

کے راستے میں کوئی ڈھال دی اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے روز (جہنم کی آگ سے) ڈھال بنا دیں گے۔"

یہ وہ فضائل تھے جن کی وجہ سے جان نثارانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے مچلتے تھے اور جب خرچ کرنے کی استطاعت نہیں پاتے تھے تو تڑپتے تھے، بلکتے تھے، روتے تھے، ان کی زبان سے دبی دبی سسکیاں نکل جاتی تھیں اے اللہ! تو نے ہمیں بھی کچھ دیا ہوتا تاکہ ہم بھی کفر کے استیصال اور اسلام کے غلبے کے لئے خرچ کرتے۔

**کمزوری کی نشاندہی** میں عرض یہ کر رہا تھا کہ قرآن کریم میں جہاں بھی جہاد بالنفس اور جہاد بالمال کا حکم ہے وہاں جہاد بالمال کو پہلے ذکر کیا گیا ہے اور جہاد بالنفس کو بعد میں ذکر کیا گیا ہے، اس کی دو وجہیں میں نے آپ کی خدمت میں عرض کر دیں ایک تو یہ کہ جہاد میں جسمانی شرکت ہر شخص کے لئے ممکن نہیں لیکن مالی جہاد سوائے نادار کے ہر کوئی کر سکتا ہے۔

دوسری یہ کہ جسمانی جہاد کی ہر وقت اور ہر جگہ ضرورت نہیں جبکہ مالی جہاد کی ہر وقت اور ہر جگہ ضرورت ہے۔

اس کی تیسری وجہ علماء نے یہ بیان فرمائی ہے کہ مال کی محبت انسان کے رگ و پے میں اس قدر سمائی ہوئی ہے کہ بسا اوقات یہ محبت جان کی محبت پر بھی غالب آجاتی ہے۔

عام محاورہ کے برعکس ہونا تو یہ چاہئے کہ مال نثارِ جان اور جان نثارِ ایمان ——— لیکن ہو یہ رہا ہے کہ ایمان نثارِ جان اور جان نثارِ مال ——— ایمان کو جان کی خاطر قربان کر دیتے ہیں اور جان کو مال پر قربان کر دیتے ہیں۔
عوامی زبان میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ چمڑی جائے مگر دمڑی نہ جائے تو یہ بھی حبِ

مال کے مرض کا اظہار ہے کہ مال سے اس قدر محبت ہے کہ دمڑی کی خاطر اپنی چمڑی بھی قربان کرنے کے لئے تیار ہے۔

فارسی کا ایک بڑا پیارا شعر ہے

گر جاں طلبی مضائقہ نیست - گر زر طلبی سخن درین است

اگر جان مانگو تو کوئی حرج نہیں - مگر پیسہ مانگو تو سوچنا پڑے گا

تو قرآن کریم میں مال کو جان پر مقدم رکھ کر انسان کی فطری کمزوری کی نشان دہی کی گئی ہے کہ اللہ کے دین کے لئے جہاد کرنے والوں کی صف میں شامل ہونا چاہتے ہو تو تمہیں جان کے ساتھ بلکہ جان سے پہلے مالی قربانی کے لئے بھی تیار رہنا ہوگا کہ اس کے بغیر کوئی بھی تحریک پھل پھول نہیں سکتی اور میدانِ جنگ میں دشمن کے دانت کھٹے کرنے کے لئے اسباب کے درجہ میں اسلحہ کا حصول بھی ضروری ہے۔

**ہر مجاہدے والا عمل جہاد ہے** جہاد بالعلم، جہاد بالقلم اور جہاد بالمال کے علاوہ ہر وہ عمل بھی جہاد ہے جس میں مجاہدہ ہو، نفس کے ساتھ کشمکش کرنی پڑے باطل سے پنجہ آزمائی کرنی پڑے، جان کو خطرے میں ڈالنا پڑے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک بار عورتوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر غزوات کے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی تو آپؐ نے فرمایا:

"تمہارا جہاد حج مبرور ہے"

واقعی صنف نازک کے لئے اس مقدس سفر کی تمام تکلیفوں اور صعوبتوں کو برداشت کرنا جہاد ہی ہے۔ آج کے زمانے میں اگرچہ بے پناہ سہولتیں حاصل ہوگئی ہیں لیکن اس کے باوجود حج کا سفر اور پھر حج کے تمام ارکان کا صحیح صحیح ادا کرنا جہاد سے کم نہیں ہے۔

اسی طرح ایک صحابی یمن سے چل کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں اس

غرض سے حاضر ہوئے کہ کسی جنگ میں شرکت کریں آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں، انہوں نے عرض کیا جی ہاں زندہ ہیں، آپؐ نے فرمایا: ففیھما فجاھد تو تم ان کی خدمت کر کے جہاد کرو۔ یوں آپؐ نے ماں باپ کی خدمت کرنے کو جہاد قرار دے دیا۔ یونہی جان کو خطرے میں ڈال کر حق بات کہنا بھی جہاد ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

اِنَّ مِنْ اَعظَمِ الجهاد کلمة عَدْلٍ عِند سُلطانٍ جَائِرٍ ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہہ دینا بہت بڑا جہاد ہے۔

یونہی اپنے نفس اور خواہشات کو دبانا اور اللہ کے حکموں کو غالب رکھنا بھی جہاد ہے۔

زندگی میں کئی ایسے مواقع آتے ہیں جب انسان کو نفس کے ساتھ سخت کشمکش کرنی پڑتی ہے اس لئے کہ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ نفس تو بُرائی کا حکم دے گا،

بدکاری کی طرف بلائے گا،

رشوت خوری اور حرام خوری کی دعوت دے گا،

رقص و سرود، ناچ اور خمار و قمار کو مزین کر کے پیش کرے گا،

قتل و غارت گری پر اُبھارے گا۔

نفس کے پردے میں جو ابلیس چھپا ہوا ہے وہ برائی کی طرف بلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے گا۔ شاعرِ مشرق نے کیا خوب کہا ہے:

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است

شیطان کو ہلاک کرنا ایک مشکل کام ہے۔ اس لئے کہ وہ نفس کی گہرائیوں میں بسیرا کیے ہوئے ہے۔

کتنے ہی لوگ ہیں جو میدانِ جنگ کے شاہ سوار اور بہادر ہوتے ہیں لیکن نفس کے سامنے شکست کھا جاتے ہیں اسی لیے تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المجاھِدُ مَن جاھَدَ نَفْسَہٗ — مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے

لیکن انسان جب اس چھپے ہوئے دشمن پر قابو پالیتا ہے تو اس کے سامنے ہدایت کے راستے کھلتے چلے جاتے ہیں،

اسے تقرب اور محبوبیت کے مقام سے نوازا جاتا ہے،

اس کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، کھانا پینا عبادت بن جاتا ہے

اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے:

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔ — اور جنہوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا (یعنی محنت اور تکلیف اٹھائی) ہم ان کو اپنے راستے دکھائیں گے۔

صحابہ رضؓ نے ابوجہل اور ابولہب اور قیصر و کسریٰ کو شکست دینے سے پہلے اسی گھر کے دشمن کو شکست دی تھی، اسے فتح کرنے کے بعد وہ شہروں اور ملکوں کی فتح کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

**جہاد کا اعلیٰ ترین مرحلہ** مگر ان باتوں سے آپ کہیں نہ سمجھ بیٹھنا کہ بس مال علم اور قلم ہی سے جہاد کافی ہے اور یہ کہ صرف نفس کو دبا لینے سے جہاد کے سارے تقاضے پورے ہو جائیں گے۔ جہاد کا ایک اعلیٰ ترین مرحلہ بھی ہے جس کے فضائل کا کوئی حد و شمار نہیں اور جس کے ثواب کی کوئی انتہا نہیں اور یہ مرحلہ ہے

میدانِ جنگ میں دشمن سے دو بدو ٹکرانے کا،

جسم و جان کو خطرات میں ڈالنے کا،

تیر و تفنگ اور گولہ و بارود کا سامنے کرنے کا،
اعضاء کے ٹکڑے کرانے اور خون بہانے کا،
شہادت کا تاج پہننے اور حیاتِ جاودانی حاصل کرنے کا،
دشمنانِ اسلام کی جان لینے اور اپنی جان قربان کرنے کا

اور اس مرحلہ میں حصہ لینے والے خوش قسمت انسانوں کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے، اللہ کے راستے میں قربان ہونے کی وجہ سے ان کی جان بھی قیمتی بن جاتی ہے، ان کا مال بھی قیمتی بن جاتا ہے، ان کے پاؤں پر پڑنے والا غبار بھی قیمتی بن جاتا ہے، ان کی سواری بلکہ سواری کا بول و براز تک قیمتی بن جاتا ہے۔

اور یہ سب کچھ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ یہ سب کچھ کلام اللہ سے اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

**مجاہد کی سواری** صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس کے وعدوں کی تصدیق کرتے ہوئے اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے گھوڑا باندھا تو اس گھوڑے کا کھانا پینا اور اس کی لید اور پیشاب قیامت کے دن اس کے میزان میں گے (یعنی ان میں سے ہر ایک پر اجر ملے گا)

ایک طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے دوسری طرف ربِ کریم کا کلام بھی دیکھئے جس میں ربِ کریم نے مجاہد کے گھوڑے کی قسمیں اٹھائی ہیں۔ سورۃ العادیات میں ہے:

| | |
|---|---|
| وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ○ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ○ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ○ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ○ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ○ | قسم ہے دوڑنے والے گھوڑوں کی ہانپ کر پھر آگ سلگانے والے جھاڑ کر پھر غارت ڈالنے والے صبح کو پھر اٹھانے والے اس میں گرد پھر گھس جانے والے اس وقت فوج میں بیشک آدمی اپنے رب کا ناشکر ہے۔ |

اس میں شک نہیں کہ اخلاص کے ساتھ درس و تدریس بھی بہت بڑا عمل ہے، دعوت و تبلیغ بھی بہت بڑا عمل ہے، وعظ و پند اور تسبیح و تہلیل بھی بہت بڑا عمل ہے، سخاوت اور دریا دلی بھی بہت بڑا عمل ہے، طواف و سعی اور قیام و قعود بھی بہت بڑا عمل ہے لیکن نہ تو قسم اٹھائی گئی،

کسی مبلّغ کی دعوت و تبلیغ کی،
نہ کسی واعظ کے وعظ و پند کی،
نہ کسی سخی کے انفاق اور ایثار کی،
نہ کسی حاجی کے طواف و سعی کی،
نہ کسی نمازی کے قیام و قعود کی،
نہ کسی زاہد کی تسبیح و تہلیل کی،
نہ کسی شیخ کی عبا و قبا کی،
نہ کسی قاضی کے جبّہ و دستار کی۔
نہ کسی ادیب کی زبان و بیان کی،
نہ کسی شاعر کی قدرتِ کلامی کی،
نہ کسی خطیب کی شعلہ بیانی کی،
بلکہ قسم اٹھائی تو مجاہدین کے ان گھوڑوں کی جو ٹاپیں مارتے ہیں،
جو چنگاریاں اڑاتے ہیں،
جو صبح کے وقت حملہ آور ہوتے ہیں،
جو گرد و غبار اڑاتے ہیں،
جو لشکر میں گھس کر حملہ آور ہوتے ہیں۔

**مجاہد کے صبح و شام** | صحیح بخاری ہی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے

| | |
|---|---|
| لَغَدْوَةٌ اَوْ رَوْحَةٌ فِی سَبِیلِ | اللہ کے راستے میں ایک صبح یا ایک شام |
| اللّٰہِ خَیْرٌ مِمَّا تَطْلُعُ عَلَیْہِ | دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے |
| الشَّمْسُ وَ تَغْرُبُ | |

دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے وہ اگر کسی انسان کو دے دیا جائے اور وہ یہ سارا کچھ اللہ کے راستے میں اللہ کی رضا کے لئے قربان کر دے تب بھی اسے وہ اجر و ثواب نہیں مل سکتا جو مجاہد جہاد میں ایک صبح یا ایک شام گذارنے پر ملتا ہے۔



حضرت عبداللہ بن رواحہ مشہور صحابی ہیں ان کا بڑا عبرت اثر واقعہ امام ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے ایک لشکر بھیجا جس میں ان کا نام بھی شامل تھا مگر بات یہ تھی کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض الفاظ سے اس سفر میں اپنی شہادت کا یقین ہو گیا تھا اس لئے انہوں نے سوچا کہ اپنی زندگی کا آخری جمعہ آپ کی اقتداء میں پڑھ لوں اور چہرۂ انور کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر لوں، یہاں سے فارغ ہو کر تیزی سے منزلیں طے کر کے لشکر سے جا ملوں گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ارادے کی اطلاع ملی تو آپ نے ان سے ارشاد فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر آپ جو کچھ زمین پر ہے وہ سب خرچ کر دیں تب بھی ان کی (لشکرِ جہاد) ایک صبح کی فضیلت نہیں پا سکتے۔"

بتلائیے حضور علیہ السلام کی صحبت و زیارت سے بڑھ کر بھی کوئی چیز ہو سکتی ہے، آپؐ کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے بڑھ کر بھی کوئی عمل ہو سکتا ہے؟

مسجدِ نبوی سے بڑھ کر بھی کسی جگہ عبادت کا ثواب مل سکتا ہے ؟
لیکن حضور علیہ السلام نے جہاد میں لگائی گئی ایک صبح کے ثواب کو اس سارے ثواب سے بلکہ دنیا و مافیہا سے زیادہ قرار دیا ۔
صحابہؓ کو جو حضور علیہ السلام سے محبت و عقیدت تھی اس کا اعتراف تو دشمنوں تک نے کیا ہے ۔ حدیبیہ کے مقام پر مشرکین کے نمائندہ عروہ نے اسی محبت و عقیدت کو دیکھ کر اقرار کیا تھا کہ :
" میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں لیکن محمدؐ کے اصحاب جس قدر محمدؐ کی تعظیم کرتے ہیں اس قدر کسی بادشاہ کے رفقاء نہیں کرتے "
شدید درجے کی محبت و عقیدت کی وجہ سے انہیں ایک لمحے کے لئے بھی آپؐ سے جدائی گوارہ نہیں تھی مگر جہاد کی خاطر انہوں نے مدینۃ الرسولؐ سے جدائی گوارا کر لی ،

چہرۂ رسولؐ کی زیارت سے محرومی گوارا کر لی ،
صحبتِ رسولؐ کی رحمتوں سے محرومی گوارا کر لی ،
کعبہ کی تجلیات و برکات سے محرومی گوارا کر لی ،
نفلی حجوں اور عمروں سے محرومی گوارا کر لی

مگر جہاد کے فرض کی ادائیگی میں ذرہ برابر کوتاہی و سستی انہوں نے نہیں ہونے دی کیونکہ یہ محرومی بھی حقیقت میں محرومی نہیں تھی بلکہ انہیں ان تمام اعمال اور عبادات کا اجر و ثواب ملتا تھا جنہیں وہ جہاد میں شرکت کی وجہ سے بجا نہیں لا سکتے تھے اور جو اعمال وہ جہاد کے ساتھ ساتھ بجا لاتے تھے ان کا دوگنا چوگنا بلکہ ہزاروں گنا اجر و ثواب ان کو ملتا تھا اور اب بھی ملتا ہے ۔

**مجاہد کے اعمال** جیسا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ میں نے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ "جس نے اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے ایک روزہ بھی رکھا تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے ستّر سال دور کر دیگا"

ایک دوسری روایت میں آپؐ نے فرمایا:

"جس نے اللہ کے راستے میں ایک ہزار آیات کی تلاوت کی تو اللہ تعالےٰ اسے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ لکھ لیتے ہیں"

ایک تیسری روایت میں آپؐ سے یہ ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے کہ:

"نماز روزہ اور ذکر کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے اجر سے سات سو گنا بڑھا دیا جاتا ہے"

حضرت علیؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپؐ نے فرمایا:

"جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کے لیے پیسے بھیجے اور خود گھر پر رہا اس کو ہر درہم کے بدلے سات سو درہموں کا ثواب ملے گا اور جس نے خود جنگ کی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مال خرچ کیا تو اسے ہر درہم کے بدلے سات لاکھ درہم کا ثواب ملے گا پھر آپؐ نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی:

وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ اللہ تعالےٰ جس کے لئے چاہتے ہیں ثواب کو بڑھا دیتے ہیں۔ گویا یہ بھی سمجھا دیا کہ سات لاکھ درہم یہ ثواب کی انتہا نہیں ہے بلکہ وہ مالک اور مولیٰ جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے وہ اگر چاہے تو ثواب کو اس سے زیادہ بڑھا سکتا ہے۔

## مجاہد کے غبار آلود قدم

مجاہد کی نماز، تلاوت اور روزہ وغیرہ کو تو چھوڑیئے، حد تو یہ ہے کہ اللہ کے ہاں وہ قدم بھی قیمتی ہیں جو اللہ کے راستے غبار آلود ہوتے ہیں اور وہ غبار بھی بڑا مبارک ہے جو ان کے

قدموں پر پڑتا ہے۔

صحیح بخاری میں ابوعبس عبدالرحمٰن بن جبرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"جس بندے کے قدم اللہ کے راستے میں غبار آلود ہوں گے اسے جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔"

اللہ کی غیرت کو گوارا نہیں کہ وہ قدم جو اس کے دین کی خاطر اس کے راستے میں اس کے دشمنوں کے خلاف اٹھیں اور غبار آلود ہوں ان قدموں کو جہنم میں ڈال دے اور جب وہ ان قدموں کو جہنم میں نہیں ڈالے گا تو قدموں والے مجاہد کو کیسے شعلوں کی نذر ہونے دے گا۔

صحابہ کرامؓ تو جب اس قسم کے فضائل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن لیتے تھے تو ان کے حصول کے لیئے بے تاب ہو جاتے تھے۔ عجیب تھا ان کا یقین اور عجیب تھا ان کا جذبۂ عمل۔ بے سمجھ لوگ ایسے ہی ان کو دیوانے نہیں کہتے تھے وہ جب ان کے یقین اور جذبۂ عمل کو دیکھتے تھے تو مادی آنکھوں سے دیکھنے والوں کو یہ دیوانگی ہی کا کرشمہ دکھائی دیتا تھا۔

صحابہؓ نے جب سچے نبی کا یہ سچا قول سُنا تو انہیں یقین آگیا کہ ہاں واقعی وہ شخص جہنم میں نہیں جل سکتا جس کے قدم جہاد کے راستے میں غبار آلود ہوئے ہوں اور پھر وہ اس کوشش میں رہتے تھے کہ ہم بھی اس حدیث کا مصداق بن جائیں۔

مسلمانوں کا ایک لشکر روم میں چلا جا رہا تھا جس کی قیادت مالک بن عبداللہ خثعمی کے ہاتھ میں تھی انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہؓ کو دیکھا کہ خچر کی نکیل ہاتھ میں پکڑے ہوئے جا رہے ہیں انہیں تعجب ہوا کہ جب سواری موجود ہے تو پیدل چلنے کی کیا ضرورت ہے انہوں نے فرمایا اے ابو عبداللہ، اللہ نے تمہیں سواری دی ہے

اس پر سوار ہو جاؤ۔

حضرت جابرؓ سمجھ گئے کہ مالک کا مقصد کیا ہے جواب میں فرمانے لگے میں اپنے جانور کو آرام دے رہا ہوں اور اپنی قوم سے بے پرواہ ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے آپؐ فرماتے تھے کہ جس آدمی کے دونوں قدم اللہ کے راستے میں گرد آلود ہو جائیں اس کو اللہ تعالیٰ آگ پر حرام کر دیتا ہے۔

اس فضیلت کا سُننا تھا کہ لوگ اپنی سواریوں سے نیچے کود پڑے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے آج کے دن سے زیادہ کبھی لوگوں کو اتنا پیدل چلتے ہوئے نہیں دیکھا۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ نے بڑا نصیحت آموز واقعہ فیض الباری میں نقل فرمایا ہے وہ یہ کہ سلطان بایزید خاں یلدرن نے یورپ کے کفار کے خلاف ۲۰ جنگوں میں ۔۔ لیا سلطان کی عادت تھی کہ وہ ایک ہی قبا پہنے رکھتے تھے اور اسے تبدیل نہیں کرتے تھے، جب کسی معرکے سے فارغ ہوتے تو اس پر لگا ہوا غبار جمع فرما لیا کرتے تھے، جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ اس غبار کو بھی ان کے ساتھ قبر میں دفن کیا جائے۔

کیا وقت تھا کہ بادشاہوں تک کو سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات پر حرف بحرف یقین تھا اور اب کیا وقت ہے کہ ہم جیسے سکّہ بند دینداروں کا یقین بھی تذبذب کی زد میں ہے۔

ہمیں کسی کے باطن پر حملہ کرنے کی نہ اجازت ہے اور نہ ہی یہ مناسب ہے مگر ہمارا ظاہری عمل تو یہ بتاتا ہے کہ ہمیں آپؐ کے فرمودات پر شاید یقین نہیں ہے، ورنہ اس قدر فضائل کو سُن کر وہ کونسا مسلمان ہوگا جس کے دل میں جذبۂ جہاد پیدا نہیں ہوگا۔

**مجاہد کی موت** | مجاہد کی وہ کون سی چیز ہے، وہ کون سی ادا ہے، وہ کون سا عمل ہے جس کی فضیلت اضعافاً مضاعفۃ بیان نہیں کی گئی ہے بالخصوص مجاھد کی موت تو ایسا عظیم ترین مقام اور مرتبہ ہے کہ اسے موت کہنا بھی بڑا عجیب سا محسوس ہوتا ہے کیونکہ خود ربّ کریم نے فرمادیا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں، ان کو مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو اس کا احساس نہیں۔

گویا وہ جان نثار بندے جو اپنی سب سے قیمتی متاع یعنی زندگی اللہ کے راستے میں قربان کر دیتے ہیں ان کا انعام اللہ تعالیٰ نے یہ مقرر کیا ہے کہ وہی زندگی انہیں ہمیشہ کیلئے بخش دی جاتی ہے اور فانی زندگی کے بدلے میں ان کو ابدی زندگی عطا کر دی جاتی ہے ایسی زندگی جو نہ تو کبھی ختم ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی ان سے چھین سکتا ہے ؎

ہرگز نمیرد آن کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

مجاہد کی موت کو شہادت کہا جاتا ہے اور جس نصیب کو ایسی موت نصیب ہو جاتی ہے اسے شہید کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

دنیا والوں کا دستور ہے اور ہر ملک میں یہ رائج ہے کہ وطن کی خاطر جان قربان کرنے والوں کو ایسے اعزازی تمغے اور نشان دیئے جاتے ہیں جو نہ صرف ان کے لئے بلکہ ان کے پورے خاندان کے لئے باعثِ فخر ہوتے ہیں۔ تمغے پانے والوں پر پوری قوم فخر کرتی ہے اور ان کی یادگاریں قائم کی جاتی ہیں۔ ربّ کریم نے اپنی راہ میں جان دینے والوں کے لئے شہادت کا تمغہ رکھا ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی تمغہ، کوئی نشان اور کوئی انعام ہو ہی نہیں سکتا۔ گویا اللہ کی راہ میں جان دینا ایک فرض

کی ادائیگی بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا انعام بھی ! کہ اس نے ہم جیسے خطاکاروں کی ننھی سی جان اپنے دین کے لئے قبول فرمالی ؎

یہ رتبہ بلند ملا جس کو ملا،
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اور جان بھی وہ جو خود اسی کی عطا کردہ تھی ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

شہید کا اصل اعزاز و اکرام تو آخرت ہی میں معلوم ہوگا، جب پردے اٹھ جائیں گے اور سب کچھ سر کی آنکھوں سے دیکھ لینا ممکن ہو جائے گا اور اس وقت شہید آرزو کریگا کہ اے کاش دوبارہ دنیا میں جانا ممکن ہوتا تو میں پھر اللہ کی رضا کے لئے جان قربان کرتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی شخص ایسا نہیں کہ جنت میں داخل ہو اور پھر وہ دوبارہ دنیا میں واپس جانے کو پسند کرے خواہ اسے دنیا کی تمام نعمتیں کیوں نہ مل جائیں سوائے شہید کے کہ وہ یہ تمنا کرے گا کہ دنیا میں دوبارہ چلا جائے اور دس مرتبہ شہید ہو۔ اس لئے کہ وہ شہادت کے اعزاز و اکرام کو دیکھ لے گا۔

آپ شہادت کی فضیلت و عظمت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں ربِّ کریم نے دنیا اور آخرت کی تمام رفعتیں اور عظمتیں عطا کی تھیں اور مغفرت اور مقامِ محمود کی بشارتیں سنائی تھیں مگر ان تمام عظمتوں اور بشارتوں کے باوجود آپ بھی شہادت کی تمنا فرماتے تھے۔

صحیح مسلم کتاب الجہاد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" مجھے آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں اور مجھے دوبارہ زندگی ملے اور میں اس کو بھی قربان کردوں اور پھر تیسری زندگی ملے اور اس کو بھی اللہ کی راہ میں نثار کردوں "

**تمنائے جہاد** جہاد اور شہادت فی سبیل اللہ کے یہی وہ فضائل تھے جو صحابہ کرامؓ کو آمادۂ جہاد رکھتے تھے اور ان میں کا ہر ایک حیاتِ جاوداں کی تلاش میں بے تاب رہتا تھا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات اس سلسلہ میں ان میں مسابقت اور مقابلے کی صورت پیدا ہوجاتی تھی جنگ بدر کے موقع پر حضرت سعدؓ اور ان کے والد گرامی حضرت حیثمہؓ دونوں جنگِ بدر میں شریک ہونا چاہتے تھے لیکن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ایک جہاد میں شریک ہو اور دوسرا گھر والوں کی خدمت اور خبر گیری کرے۔

حضرت حیثمہؓ نے اپنے سعادت مند بیٹے سے کہا کہ تم گھر میں رہو میں جہاد میں جاتا ہوں۔

حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ اگر جنت کے علاوہ کوئی دوسرا سودا ہوتا تو میں آپ کو ترجیح دیتا لیکن یہ معاملہ تو جنت کا ہے لہٰذا مجھے ہی شرکت کی اجازت دیجیے۔ اور امید ہے کہ مجھے مقام شہادت نصیب ہوگا۔ بالآخر دونوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ حضرت سعدؓ کے نام پر نکلا۔ چنانچہ وہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور عمرو بن عبدود کافر کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

غزوۂ احد کے معرکہ سے ایک دن پہلے حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی کہ اے میرے مالک میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ جب کل دشمنوں سے میری ملاقات ہو تو وہ مجھے یوں قتل کریں کہ میرا پیٹ چاک کردیں اور میری ناک اور کان تک کاٹ ڈالیں تاکہ جب میں تیرے دربار میں حاضر ہوں اور تو مجھ سے

سوال کرے کہ تیرے ساتھ یہ سب کچھ کیوں ہوا ہے؟ تو میں عرض کروں کہ اے مالک یہ قربانی محض تیری رضا کے لئے میں نے دی تھی۔

حضرت حنظلہؓ بن عبد اللہ جب غزوۂ اُحد کے دن صبح کی نماز پڑھ چکے تو اپنے گھر گئے، نئی نئی شادی ہوئی تھی اپنی بیوی حضرت جمیلہ سے میل جول کے بعد غسل ضروری ہوگیا لیکن ابھی غسل نہیں کر پائے تھے کہ اچانک کافروں کے حملے کا اعلان ہوگیا اب غسل کا ہوش ہی نہ رہا، ہتھیار لیے اور میدانِ جہاد کی طرف چل پڑے۔

بیوی کی محبت، شادی کا لطف و سرور، جوانی کے ارمان کوئی چیز بھی ان کے پاؤں کی زنجیر نہ بن سکی، جب دین نے پکارا تو لبیک کہتے ہوئے جنگ کے الاؤ میں کود پڑے اور بہادروں اور دلیروں کی طرح لڑتے ہوئے جان قربان کر دی۔

آپ جانتے ہیں کہ شہید کو بغیر غسل دیئے، شہادت والے لباس ہی میں دفن کیا جاتا ہے کیونکہ قیامت میں وہ اسی خون آلود لباس میں، کٹے ہوئے اعضاء اور زخمی جسم کے ساتھ دربارِ الٰہی میں حاضر ہوگا، اس کے زخموں سے خون بہہ رہا ہوگا اور مشک جیسی خوشبو مہک رہی ہوگی۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کی نظروں سے عجیب منظر دیکھا کہ فرشتے حضرت حنظلہؓ کو غسل دے رہے ہیں۔ ان کی بیوی سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ جنابت کی حالت میں تھے اور انہیں غسل کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی لئے تو فرشتوں نے انہیں غسل دیا۔

**حضرت عقبہؓ کے ایمان پرور واقعات**

حضرت عقبہ بن نافعؓ جو اگرچہ صحابی تو نہیں تھے لیکن ان کی ولادت حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے ایک سال پہلے ہوئی تھی، ان کی پوری زندگی جہاد میں گذر گئی وہ جب آخری بار جہاد میں جارہے تھے تو انہوں نے روانگی سے پہلے اپنے بیٹوں کو بلا کر کہا:

إِنِّيْ بِعْتُ نَفْسِيْ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَلَا أَزَالُ أُجَاهِدُ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ۔

میں اپنی جان اللہ تعالیٰ کو فروخت کر چکا ہوں لہٰذا اب (مرتے دم تک) کافروں سے جہاد کرتا رہوں گا۔

اس کے بعد انہیں وصیتیں فرمائیں اور روانہ ہو گئے اور الجزائر اور مراکش میں اسلام کا پرچم لہراتے ہوئے بحرِ ظلمات (اٹلانٹک) تک جا پہنچے۔ اس مشہور سمندر کے ساحل پر آپ نے وہ تاریخی جملہ کہا کہ:

يَا رَبِّ لَوْلَا هٰذَا الْبَحْرُ لَمَضَيْتُ فِي الْبِلَادِ مُجَاهِدًا فِيْ سَبِيْلِكَ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ أَنِّيْ قَدْ بَلَغْتُ الْمَجْهُوْدَ وَلَوْلَا هٰذَا الْبَحْرُ لَمَضَيْتُ فِي الْبِلَادِ أُقَاتِلُ مَنْ كَفَرَ بِكَ حَتّٰى لَا يُعْبَدَ أَحَدٌ دُوْنَكَ۔

پروردگارا! اگر یہ سمندر حائل نہ ہوتا تو میں آپ کے راستے میں جہاد کرتا ہوا اپنا سفر جاری رکھتا۔ یا اللہ! گواہ رہنا کہ میں نے اپنی کوشش کی انتہا کر دی ہے اور اگر یہ سمندر بیچ میں نہ آ گیا ہوتا تو جو لوگ آپ کی توحید کا انکار کرتے ہیں میں ان سے لڑتا ہوا آگے جاتا یہاں تک کہ آپ کے سوا روئے زمین پر کسی کی عبادت نہ کی جاتی۔

اس کے بعد آپ نے اپنے گھوڑے کے اگلے پاؤں اٹلانٹک کی موجوں میں ڈال دیئے، اپنے ساتھیوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ ہاتھ اٹھاؤ، ساتھیوں نے ہاتھ اٹھا دیئے تو حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے یہ اثر انگیز دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ لَمْ أَخْرُجْ بَطَرًا وَلَا أَشَرًا وَإِنَّكَ تَعْلَمُ إِنَّمَا نَطْلُبُ السَّبَبَ الَّذِيْ طَلَبَهُ عَبْدُكَ ذُو الْقَرْنَيْنِ وَهُوَ أَنْ تُعْبَدَ

یا اللہ! میں غرور و تکبر کے جذبے سے نہیں نکلا اور تو جانتا ہے کہ ہم اسی سبب کی تلاش میں ہیں جس کی آپ کے بندے ذو القرنین نے جستجو کی تھی اور وہ یہ کہ دنیا

وَلَا یُشْرَکَ بِکَ شَیْءٌ اَللّٰھُمَّ اِنَّا مُدَافِعُوْنَ عَنْ دِیْنِ الْاِسْلَامِ فَکُنْ لَنَا وَلَا تَکُنْ عَلَیْنَا یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ

میں بس تیری ہی عبادت ہو اور تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے، اے اللہ! ہم دین اسلام کا دفاع کرنے والے ہیں تو ہمارا ہو جا اور ہمارے خلاف نہ ہو یا ذالجلال والاکرام۔

شاعرِ مشرق نے اسی واقعہ سے متأثر ہو کر کہا ہے ؎

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں گھوڑے دوڑا دیئے ہم نے

اٹلانٹک کے کنارے سے حضرت عقبہؓ قیروان جانے کے لیے واپس ہوئے، راستے میں ایک جگہ ایسی آئی جہاں پانی کا دُور دُور تک نشان نہیں تھا اُدھر سارا لشکر پیاس سے بے تاب تھا، حضرت عقبہؓ نے دو رکعتیں پڑھ کر اپنے اسی آقا سے دعا کی جس آقا سے وہ ہر مشکل میں دعا کیا کرتے تھے دعا سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ ان کے گھوڑے نے اپنے کھُروں سے زمین کھودنی شروع کر دی نیچے سے ایک پتھر نظر آیا، اسی پتھر سے پانی اُبلنا شروع ہو گیا۔ شاعر نے صحیح کہا ہے

ہزار چشمہ ترے سنگِ راہ سے پھوٹے
خودی میں ڈوب کر ضربِ کلیم پیدا کر

**وہ جس کی تلاش تھی** یہاں سے آگے بڑھ کر حضرت عقبہؓ نے اپنے لشکر کے بڑے حصّے کو جلدی قیروان پہنچنے کے لئے آگے بھیج دیا اور خود چند سو سواروں کے ساتھ ایک قلعے پر یلغار کرنے کے لئے روانہ ہو گئے جس کا نام تہواذ تھا اور وہ راستے ہی میں واقع تھا۔ مگر ایسا ہوا کہ ایک تو قلعہ والوں کی تعداد آپ کے خیال کے برعکس بہت زیادہ نکلی، دوسری بات یہ ہوئی کہ آپ کے لشکر میں کسیلہ نام کا ایک

بربری شخص تھا جو بظاہر مسلمان ہوگیا تھا لیکن حقیقت میں مسلمانوں کا دشمن تھا وہ دشمن سے مل گیا اور اس نے لشکر کے راز دشمنوں کو بتا دیئے جس کے نتیجے میں مسلمان چاروں طرف سے گھیرے میں آگئے۔ حضرت عقبہؓ کا ایک ساتھی ابوالمہاجر نام کا تھا اور آپ کی قید میں تھا آپ نے اسے رہا کر کے کہا کہ تم جا کر دوسرے مسلمانوں سے مل جاؤ اور ان کی قیادت کرو، کیونکہ میں شہادت کے لئے اس سے بہتر موقع کوئی اور نہیں سمجھتا، لیکن ابوالمہاجر کو بھی اسی چیز کی تلاش تھی جس کی آپ کو تلاش تھی، وہ بھی پیاسا تھا اور جامِ شہادت سے اپنی پیاس بجھانا چاہتا تھا، اس نے کہا مجھے بھی شہادت کی تمنا ہے لہٰذا مجھے محروم نہ کیجئے۔ چنانچہ اپنے ساتھیوں سمیت یہ دونوں حضرات دشمنوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ (جہانِ دیدہ)

**وہ جذبہ کہاں گیا** گرامی قدر حاضرین! مجاہدین اسلام کے یہ ایمان افروز واقعات اور مجاہدانہ حکایات تو ہم سنتے اور سُناتے ہی رہتے ہیں لیکن سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ آج ہمارا کیا حال ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آج ہمارے اندر جہاد کا وہ جذبہ باقی نہیں رہا،

اللہ کی راہ میں سر کٹوانے کی امنگ باقی نہیں رہی،

شہادت کی آرزو باقی نہیں رہی،

دنیا بھر میں ظلم کا شکار ہونے والوں کے ساتھ ہمدردی نہیں رہی۔

ایک وقت تھا جب ہزاروں میل دور ظلم کا شکار ہونے والی ایک بے بس عورت مسلمانوں کو مدد کے لئے پکارتی تھی تو مرکزِ اسلام حرکت میں آجاتا تھا اور اسے حرکت میں آنا بھی چاہیئے تھا کیونکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ:

اِمْرَأَۃٌ سُبِیَتْ بِالْمَشْرِقِ اگر کوئی عورت مشرق میں گرفتار ہو چکی ہو

وَجَبَ عَلٰی اَھْلِ المغرِبِ اَن یَستَنقِذھا تو اہل مغرب پر اس کا چھڑانا واجب ہے،

مگر آج کا مسلمان اخبارات میں پڑھ رہا ہے، ذرائع ابلاغ سے سن رہا ہے کہ بوسنیا کی مسلمان خواتین کی عزت و ناموس تاراج کی جارہی ہے، انہیں اس وقت تک بدکاری کا نشانہ بنایا جاتا ہے جب تک ان کے حاملہ ہو جانے کا یقین نہ ہو جاتے،

ان تک راشن نہیں پہنچنے دیا جا رہا، انہیں مردار کھانے اور پیشاب پینے پر مجبور کیا جاتا ہے،

اجتماعی قبریں دریافت ہوئی ہیں جہاں سے سینکڑوں لاشیں برآمد ہوئی ہیں صلیبی جنگوں میں شکست کا انتقام زندہ مسلمانوں کے سینوں پر خنجر سے صلیب بنا کر لیا جا رہا ہے۔

بچوں کو والدین کے سامنے ذبح کر کے ان کا خون پینے پر مجبور کیا جاتا ہے، سرب عیسائی فوجی مسلمانوں کے سر تن سے جدا کر کے فٹبال کی طرح گلی کوچوں میں انھیں ٹھوکریں مارتے ہیں، دینی ادارے اور مساجد متعصب عیسائیوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتے، جہاں مسجد کا مینار نظر آئے اسے راکٹ سے اڑا دیا جاتا ہے دس لاکھ سے زیادہ مسلمان بھوک اور افلاس سے دوچار ہیں، دنیا بھر کے عیسائی اور یہودی سربوں کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔

دور کیوں جائیں وادی جنت نظیر کشمیر ہی کو دیکھ لیجئے جہاں چنار جل رہے ہیں، گھر سلگ رہے ہیں، کریک ڈاؤن کے نام پر بہنوں اور بیٹیوں کی عزت و ناموس پامال کی جارہی ہے، نابالغ بچوں تک کو ہندو درندے اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھا رہے ہیں، اجتماعی آبرو ریزی کے واقعات روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں۔ یہ دل ہلا دینے والے واقعات ہیں اور آپ سب سن رہے ہیں، اخبارات

میں پڑھ رہے ہیں مگر ہم اور ہمارے حکمران ٹس سے مس نہیں ہوتے، لچھے دار وعظ ہو رہے ہیں، پُرجوش تقریریں ہو رہی ہیں مگر صرف باتوں سے، صرف وعظوں سے، صرف تقریروں سے نہ ملک فتح کئے جا سکتے ہیں نہ جنگیں جیتی جا سکتی ہیں، نہ ہی مدد کے لئے پکارنے والی بہنوں اور بیٹیوں کو ظالموں کے چنگل سے چھڑایا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کی تقدیر بدلی جا سکتی ہے، اس کے لئے تو عمل کی ضرورت ہے۔

بقولِ شاعر

دیتے ہیں صدا کب سے قبلہ و کشمیر
کہ اب توڑ بھی جور و ستم کی زنجیر
باتوں سے نہ کوئی بات بنی ہے نہ بنے گی
جب اٹھتے ہیں مجاھد تو بدل جاتی ہے تقدیر

کمینے دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے،
سسکتی ہوئی بہنوں اور بیٹیوں کو ظالموں کے چنگل سے چھڑانے کے لئے،
اجڑی ہوئی مسجدوں کو آباد کرنے کے لئے،
بابری مسجد کا تقدس بحال کرنے کے لئے،
قبلۂ اول آزاد کرانے کے لئے،
نیو ورلڈ آرڈر کا مقابلہ کرنے کے لئے؛
کتاب و سنت کے فراموش احکام کو زندہ کرنے کے لئے،
اسلام دشمن تحریکوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے،
نظامِ خلافت کی بحالی کے لئے،
وہی جذبۂ جہاد پیدا کرنے کی ضرورت ہے جو جذبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ میں پیدا فرمایا تھا۔

یہ جذبہ کمزور کو طاقتور بنا دیتا ہے ،

یہ جذبہ بزدل کو بہادر بنا دیتا ہے ،

یہ جذبہ قلّت کو کثرت پر غالب کر دیتا ہے ،

یہ جذبہ مردہ عزائم میں نئی روح پھونک دیتا ہے ،

اور آج یہی جذبہ مفقود ہے ، ہر کوئی اس عظیم فریضے سے تاویلوں اور بہانوں کے ذریعہ جان چھڑانا چاہتا ہے ۔ بقول اقبال کے

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں
بہانہ بے عملی کا بنی شرابِ الست
فقیہِ شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور
کہ معرکے ہیں شریعت کے جنگِ دست بدست
گریز کشمکش زندگی سے مردوں کی
اگر شکست نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست

آج دشمن نے ہمیں شکست سے پہلے ہی شکست تسلیم کرنے پر آمادہ کر لیا ہے

دشمن کی افرادی قوت کا ،

دشمن کے جدید اسلحہ کا ،

دشمن کے پاس موجود ٹیکنالوجی کا ، اس قدر پروپیگنڈا کیا گیا ہے کہ ہم میں سے کئی تو دشمن ہی کا کلمہ پڑھنے لگے ہیں ۔ اور اللہ کی ذات کو ، ایمان کی طاقت کو اور اپنے اسلاف کے کارناموں کو فراموش کر بیٹھے ہیں ۔

**وقت کی پکار** | اللہ کے بندو ! اللہ کریم کا وعدہ ہے اور اس کا وعدہ جھوٹا ثابت نہیں ہو سکتا وہ یہ کہ اگر :

تم سچے مومن ہو تو غلبہ تمہیں نصیب ہوگا ،
فتح تمہارا مقدر ٹھہرے گی ،
عزت اور سربلندی تمہارے قدم چومے گی ،
فرشتے قطار اندر قطار تمہاری مدد کے لئے اتریں گے ،
جنگل کے درندے تک تمہارا ساتھ دیں گے ۔
شرط بس یہ ہے کہ ہم اللہ کی ذات پر یقین کرتے ہوئے ایمانی جذبے کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں ۔

اور سوچئے تو سہی ، اب ہمارے پاس اٹھ کھڑے ہونے کے سوا چارہ ہی کیا ہے ــــ ہمارا اٹھ کھڑا ہونا یہ وقت کی پکار ہے ،
یہ ہمارے ایمان کی پکار ہے ،
یہ ہمارے ضمیر کی ــــ اگر وہ زندہ ہے تو ــــ اس کی پکار ہے ،
یہ بوسنیا کے ستم رسیدہ مسلمانوں کی پکار ہے ،
یہ یتیم بچوں اور لٹی ہوئی سہاگنوں کی پکار ہے ،
یہ برما کے الم چشیدہ اہل ایمان کی پکار ہے ،
یہ کشمیر کے سبزہ زاروں میں بے آبرو ہونے والی بہن اور بیٹی کی پکار ہے ،
یہ تاجکستان میں لٹنے اور پٹنے والے خاندانوں کی پکار ہے ،
یہ کعبہ کی بیٹی ــــ بابری مسجد کی پکار ہے ،
یہ قبلۂ اول کی پکار ہے ۔

اے اللہ کے بندو ! یہ تو اب زمین و آسمان کی پکار ہے :
کہ غفلت اور بے حسی کی نیند سو جانے والے مسلمان ! اٹھ بیدار ہو ،
کہ تیرے سو جانے سے کافر جری ہو گیا ہے ،
بزدل ہندو اِتراتا پھرتا ہے

ناپاک یہودی اپنے کو تیری قسمت کا مالک سمجھنے لگا ہے ،

صلاح الدین ایوبی کے سامنے راہِ فرار اختیار کرنے والے عیسائی شیر ہو گئے ہیں ۔

ہر آنے والا دن عالم اسلام کے لئے کسی نئی ذلت اور مصیبت کی خبر لے کر آتا ہے اور ہم اُسے مقدر کہہ کر برداشت کر جاتے ہیں ۔

کیا واقعی لُٹنا اور تڑپنا مسلمان کا مقدر ہے ،

کیا واقعی بے آبرو ہونا مسلمان کا مقدر ہے ،

کیا واقعی ذلت و خواری مسلمان کا مقدر ہے ،

جو شخص یہ کہتا ہے میں اسے مسیلمہ کذاب سے بھی بڑا جھوٹا سمجھتا ہوں ،

اللہ کا کلام کہے کہ کامل مسلمان کے مقدر میں عزت ہے ، سربلندی ہے ، غلبہ ہے ،

اللہ کا سچا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کو عزت و سرفرازی کی بشارتیں سنائے ،

چودہ سو سالہ تاریخ گواہی دے کہ جب بھی سچے مومنوں نے ایمان کے تقاضے پورے کئے ان پر کامیابیوں کے دروازے کُھل گئے ۔

اور آج کا کج فکر ، کج دماغ ، کج عمل اور کج راہ رائٹر اور لیڈر ہمیں یہ سمجھائے اور بتائے کہ ذلت و خواری تمہارے مقدر میں ہے تو یہ جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے ۔

لیکن سُنئے ! میں یہ مانتا ہوں کہ ذلت اس کے مقدر میں ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو لیکن اسلام کے تقاضے پورے نہ کرتا ہو ،

اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو اور اللہ کے بجائے امریکہ اور روس سے ڈرتا ہو ،

اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو اور یورپ والوں کی تہذیب اور معاشرت سے محبت رکھتا ہو،

اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو اور مسلمان کی بے حرمتی پر بے حسی بلکہ بے غیرتی کا مظاہرہ کرتا ہو،

اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو اور جہاد سے نفرت کرتا ہو،

اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو مگر شہادت کی موت سے بھاگتا ہو،

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا گیا گذرا مسلمان ہونے سے بچائے اور اسلام کے سارے تقاضے جہاد سمیت پورے کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور ہمیں شہادت کی موت عطا فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

# مُجاہد کے اوصاف

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

شاعرِ مشرق

"وہ سچے مجاہد تھے، ان کے اندر تواضع تھی، سادگی تھی، جفاکشی تھی، صبر تھا، حیا تھی، استقامت تھی، نظر کی بلندی تھی، استغناء تھی، شہادت کی آرزو تھی، انہیں اللہ کی ذات پر اور اپنے پروگرام کی سچائی پر یقین تھا، ان کے دن گھوڑے کی پیٹھ پر اور راتیں مصلے پر گذرتی تھیں، وہ آنسوؤں کی بارش سے دل کی زمین کو سیراب کرنے کا ڈھنگ جانتے تھے۔

ان کی مدد کے لیے فرشتے اترتے تھے، ان کے لیے سمندر پایاب ہو جاتے تھے، ان کے لیے درندے جنگل خالی کر دیتے تھے، ان کی قلت کثرت پر غالب آجاتی تھی۔ لیکن آج ہماری مدد کے لیے فرشتے نہیں اُترتے، ہمارے نعروں سے دشمن پر ہیبت طاری نہیں ہوتی، ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں — آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ ہمارے اندر کس چیز کی کمی ہے؟ — کبھی ہم نے اس نکتے پر بھی غور کیا؟"

# مجاہد کے اوصاف

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ

کیا یہ لوگ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیے گئے ہیں اور آسمان کی طرف کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کی طرف کہ انہیں کس طرح نصب کیا گیا ہے اور زمین کی طرف کہ اسے کس طرح بچھایا گیا ہے۔

وَعَنْ اَبِی مُوْسٰی قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فَقَالَ: الرَّجُلُ یُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ والرجلُ یُقَاتِلُ لِلذِّکْرِ وَالرَّجُلُ یُقَاتِلُ لِیُرٰی مَکَانَہٗ فَمَنْ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ: مَنْ قَاتَلَ لِتَکُوْنَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا فَھُوَ سَبِیْلِ اللّٰہ۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوموسیٰ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور ان سے پوچھا کہ ایک آدمی مالِ غنیمت کیلئے لڑتا ہے، دوسرا شہرت کے لئے لڑتا ہے تیسرا اپنی شجاعت دکھانے کے لئے لڑتا ہے تو ان میں سے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا کون شمار ہوگا؟ فرمایا وہ جو اس لیے لڑتا ہے تاکہ اللہ کا کلمہ سربلند ہو صرف وہی اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑنے والا شمار ہوگا۔

محترم مجاہدینِ اسلام! میں نے خطبہ میں جو آیات تلاوت کی ہیں ان کے بارے میں مفسرینِ کرام نے لکھا ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں بتائی ہیں اور منکرینِ قیامت کو یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ جو اللہ اونٹ جیسا عجیب و غریب خصوصیات رکھنے والا جانور پیدا کر سکتا ہے، جو ذات بغیر ستون کے آسمان جیسی وسیع و عریض چھت بلند کر سکتی ہے، جس چھت کا پلستر کبھی خراب نہیں ہوتا، جس کا رنگ و روغن کبھی ماند نہیں پڑ سکتا، جسے ستاروں کی جھالروں نے زینت بخش رکھی ہے اور وہ قادر و مختار جو پہاڑوں کو زمین کے سینے میں گاڑ سکتا ہے اور ان میں طرح طرح کی معدنیات اور انواع و اقسام کی چیزیں پیدا کر سکتا ہے، اور وہ مالک و خالق جو زمین کا فرش بچھا کر اس میں انسان کی تمام ضروریات پیدا کر سکتا ہے - کیا وہ اللہ تمہیں دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا اور کیا تم سے زندگی کے پل پل کا حساب نہیں لے سکتا؟ کیوں نہیں لے سکتا! وہ تو قادر و مختار ہے، کوئی چیز، کوئی کام اس کے احاطۂ قدرت سے باہر نہیں اس کے ہاں عجز کا نام و نشان نہیں، جب وہ ان عظیم مخلوقات کو پیدا فرما سکتا ہے تو انسان اس کے سامنے کیا ہے، کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ -

ان دلائل پر اگر کوئی عقل مند انسان غور و فکر کرے تو یقیناً اعتراف کریگا کہ جس ذات نے یہ عظیم الجثہ اور عجیب و غریب چیزیں پیدا فرمائی ہیں وہ بلا شبہ بعث بعد الموت پر بھی قادر ہے۔

یہ ان آیات کی عام فہم تفسیر ہے جو تقریباً تمام مفسرین نے لکھی ہے۔ اور اس کی صحت میں کوئی کلام نہیں

لیکن اس کے ساتھ ساتھ بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان آیات میں انسان

کو دنیوی اور اخروی کامیابی کے بعض ٹھوس قسم کے گر سکھائے گئے ہیں، جن اوصاف کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے ان اوصاف کو اگر کوئی انسان اپنے اندر پیدا کرلے تو وہ کبھی ناکام نہیں ہوگا، کامیابی اس کے قدم چومے گی اور کامرانی اس کا مقدر بن جائے گی۔

حضرات مفسرین کی اس رائے کی روشنی میں اگر غور کیا جائے تو ہمیں ان آیات سے ان اوصاف کا علم بھی ہو سکتا ہے جو ایک مجاہد کے اندر ہونے چاہئیں خواہ وہ جہاد باللسان کرنے والا مبلغ ہو یا جہاد بالسیف کرنے والا غازی اور شہید! مبلغ کے اندر بھی ان اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے اور میدانِ جنگ کے مجاہد کے اندر بھی ان اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے۔

آپ حضرات جب تفصیل سے اول سے آخر تک میری بات کو سنیں گے تو میرے دعوے کی ضرور تائید کریں گے کہ واقعی مجاہد میں ان اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے، ان اوصاف کے بغیر وہ مجاہد کامل نہیں بن سکتا اور نہ ہی اس کا جہاد نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔

جن اوصاف کا میں آپ کے سامنے تذکرہ کرنا چاہتا ہوں یہ ان چار چیزوں میں پائے جاتے ہیں یعنی اونٹ، آسمان، پہاڑ اور زمین

**اونٹ کی خصوصیت** شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اونٹ کی سات خصوصیات بیان کی ہیں اس کا جسم تو بلاشبہ بڑا اور حیرت انگیز ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بڑا صابر جانور ہے، کئی دنوں تک بھوک اور پیاس برداشت کر سکتا ہے، دس دن تک بھی پانی نہ ملے تو پرواہ نہیں کرتا، خوراک کے معاملے میں بالکل سادہ ہے۔ ہر قسم کا کانٹے دار جھاڑ کھا لیتا ہے دوسرے جانور کڑوا یا کانٹے دار جھاڑ نہیں کھاتے مگر یہ بلا چون وچرا اس سے بھی پیٹ بھر لیتا ہے۔

اطاعت شعار اس قدر ہے کہ چھوٹا سا بچہ بھی نکیل پکڑ کر اسے جدھر چاہے لے جا سکتا ہے۔

اس میں وفاداری بھی ہے، غیرت مند بھی ہوتا ہے۔ حتی الامکان اپنے ارادے سے اپنی ماں یا بہن کے ساتھ جفت نہیں ہوتا،

کسی کو تنگ نہیں کرتا لیکن اگر کوئی اسے خواہ مخواہ پریشان کرے تو انتقام ضرور لیتا ہے۔

جفاکش بھی ہے، آٹھ آٹھ سو اور نو نو سو میل پر پھیلے ہوئے ریگستان طے کر جاتا ہے، رفتار بھی بڑی تیز ہے۔ خاص طور پر جب حُدی پڑھی جاتی ہے تو اس کی رفتار میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، اسے بجا طور پر صحرائی جہاز کہا جاتا ہے۔

غرضیکہ عجیب و غریب وفادار، محنتی، جفاکش، صابر، غیرت مند، سادہ اور خدمتگار جانور ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں اگر کسی نے محنت، جفاکشی اور سادگی سیکھنی ہو تو اونٹ سے سیکھے ؎

| | |
|---|---|
| یک رہ بشتر بنگر تا قدرتِ ما بینی | برخوان اَفَلَا یَنْظُرُ تا قدرتِ ما بینی |
| این وصف اگر جوئی در اہلِ صفا بینی | در خار خوری قانع در بارکشی راضی، |

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ الی آخرہ پڑھو تاکہ ہماری قدرت تمہیں نظر آئے، اونٹ کی بناوٹ میں غور کرو تاکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی صنعت دکھائی دے۔

کانٹوں کی خوراک پر قناعت کر لیتا ہے اور بوجھ اٹھا کر خوش رہتا ہے۔

یہ وصف اگر تم تلاش کرو تو تمہیں اہلِ صفا میں ملے گا۔ (معالم العرفان)

**آسمان، پہاڑ اور زمین** | آسمانوں میں بلندی کی صفت پائی جاتی ہے اور پہاڑوں میں مضبوطی کی صفت ہے۔ پہاڑ، زمین میں اس طرح نصب کہ ان میں جنبش تک نہیں ہوتی۔ ہاں اگر اللہ چاہے تو زلزلہ کی صورت میں انہیں جھنجوڑ سکتا ہے

زمین میں عاجزی اور انکساری کی صفت ہے لوگ اسے پاؤں تلے روندتے ہیں، اسے کھودتے ہیں، اس پر چلتے پھرتے ہیں لیکن یہ سب کچھ برداشت کرتی ہے کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لاتی۔ اس کے سینے میں بے شمار راز محفوظ ہیں مگر کبھی افشاء نہیں کرتی۔ انسان کی رہائش اسی پر ہے، اس کی معاشی ضروریات بھی زمین پوری کرتی ہے مگر کبھی احسان نہیں جتلاتی۔

یہ صفات اور خصوصیات جو اونٹ میں، آسمانوں میں، پہاڑوں میں اور زمین میں پائی جاتی ہیں یہ مجاھد میں بھی ہونی چاہئیں۔

تبھی وہ کشور کشائی کر سکتا ہے،
تبھی وہ طوفانوں کے رُخ موڑ سکتا ہے،
تبھی وہ کفار کی یلغار کا مقابلہ کر سکتا ہے،
تبھی وہ ارضِ وطن کا دفاع کر سکتا ہے،
تبھی وہ اللہ کا محبوب اور پیارا بن سکتا ہے،
تبھی وہ اسلام کے لئے مضبوط حصار بن سکتا ہے،
تبھی وہ لشکرِ اسلام کا سپہ سالار بن سکتا ہے،
تبھی وہ جنّت کا حقدار بن سکتا ہے۔

**عبرت و نصیحت** مجاہد کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان مخلوقات سے عبرت حاصل کرے۔ جس طرح اونٹ میں صبر، وفا، غیرت، جفاکشی اور سادگی ہے یہ بھی اپنے اندر پیدا کر دے۔ وہ مجاھد جو مصائب پر صبر نہ کر سکتا ہو،

جس میں غیرت نہ ہو،

جو وفادار نہ ہو،

جو اپنے آپ کو جفاکشی اور سادگی کا عادی نہ بنا سکے اس سے کسی خیر کی توقع

نہیں ہو سکتی اور نہ ہی وہ مرد میدان ثابت ہو سکتا ہے۔ جنگ میں قدم قدم پر مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جان کو خطرات میں ڈالنا پڑتا ہے، بھوکا پیاسا رہنا پڑتا ہے، زخم اٹھانے پڑتے ہیں، دوسرے ساتھیوں کی خدمت کرنی پڑتی ہے۔

اب ظاہر ہے ان تمام حالات کا سامنا وہی کر سکے گا جس میں مذکورہ صفات پائی جاتی ہوں گی۔

آسمان کی بلندی کی طرح اسلام کے مجاہد کی نظر اور حوصلہ بھی بلند ہونا چاہیے جس شخص کی نظر پست ہو، جس میں کمینگی ہو اور جس کے عزائم ناپختہ اور حوصلہ کمزور ہو؟ وہ اسلامی لشکر کو فائدہ کے بجائے نقصان پہنچا سکتا ہے

جیسے پہاڑوں میں پختگی اور استقامت ہے مجاھد کے اندر بھی استقامت کی صفت ہونی چاہیئے، حالات خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں وہ اپنے عقیدے، اپنے اعمال، اپنے نظریے اور اپنے عزائم پر ثابت قدم رہے۔ بلکہ ایسی ثابت قدمی دکھائے کہ پہاڑ اس کے سامنے شرما جائیں۔ عرب کہتے ہیں: ؎

تَزُولُ الجِبَالُ الرَّاسِيَاتُ وَقَلبُنَا
عَلَى العَهدِ لَا يَلوِى وَلَا يَتَغَيَّرُ

مضبوط پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل سکتے ہیں مگر ہمارے عہد وپیمان کبھی نہیں ٹوٹ سکتے۔

شاعرِ مشرق نے بھی یہی نصیحت کی ہے ؎

بخود خزیدہ و محکم چو کوھساراں زی
چو خس مزی کہ ہوا تیز و شعلہ بیباک است

پہاڑوں کی طرح مستقل مزاج بن کر زندگی گذارو، نہ کہ تنکے کی طرح کمزور بن کر، کیونکہ ہوا تیز اور شعلے خطرناک ہیں۔

آخر میں زمین سے عاجزی اور انکساری سیکھے وہ اگرچہ دشمن کے لئے شعلہ

جو آلہ ہو مگر اپنوں کے لئے اسے ریشم کی طرح نرم ہونا چاہئے ۔ بقول حضرت اقبالؒ

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم　　　رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

عجز و انکساری کی وجہ سے جوڑ پیدا ہوتا ہے جبکہ تکبر اور انانیت کی وجہ سے جماعت میں توڑ پیدا ہوتا ہے ۔

اگر جماعت میں جوڑ ہوگا، اتفاق ہوگا تو تھوڑی سی جماعت لشکرِ جرار کا منہ پھیر دے گی لیکن اگر آپس میں جوڑ نہیں ہوگا تو بہت بڑی جماعت بھی بھیڑوں کا گلہ ثابت ہوگی ۔

**مجاہد تو وہ تھے** یہ جتنے اوصاف میں نے آپ کے سامنے بیان کئے ہیں یہ سارے اوصاف صحابہ کے اندر علی وجہ الکمال پائے جاتے تھے

حقیقی مجاہد تو وہ تھے ، ہم تو بس ان کی نقل ہی اتار سکتے ہیں اور یہی اوصاف تھے جن کی وجہ سے انہیں بے مثال فتوحات حاصل ہوئیں

**جفاکشی** وہ انتہا درجہ کے جفاکش تھے ، تھوڑے پر قناعت کرنے والے تھے ایک غزوہ میں راشن ختم ہو گیا تھوڑی سی کھجوریں باقی رہ گئیں ، امیرِ لشکر ہر شخص کو ایک کھجور دے دیتے تھے جس کو وہ بچوں کی طرح چوس کے پانی پی لیتے تھے ، درختوں سے پتے جھاڑ لاتے تھے اور انہیں پانی میں بھگو کر کھا لیتے تھے ۔

سوچئے ایک کھجور سے انسان کا کیسے گذارا ہو سکتا ہے جبکہ اسے سفر بھی کرنا پڑتا ہو ۔

ایک غزوہ میں تو یوں ہوا کہ سارا زادِ سفر ختم ہو گیا، کھجوریں بھی نہ رہیں تو صحابہ کہتے ہیں کہ ہم کھجور کی گٹھلیاں چوس چوس کر پانی پی لیتے تھے ۔

صحابہ کے مقابلے میں بنی اسرائیل کو دیکھئے ، جب وہ وادیِ تیہ میں پڑے ہوئے تھے انہیں نہ تو کوئی فوجی خدمت انجام دینی پڑتی تھی نہ کوئی دوسرا کام کرنا پڑتا

تھا، بھوک پیاس کا بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا، آسمان سے من وسلویٰ اترتا تھا، اور زمین سے چشمے اُبلتے تھے، مزے سے کھاتے پیتے تھے لیکن اس کے باوجود گھبرا اٹھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے:

لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَ فُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا۔

ہم ایک ہی کھانے پر قناعت نہیں کرسکتے ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ زمین سے ہمارے لئے ترکاری، کھیرے گیہوں، مسور اور پیاز اگائے۔

صحابہؓ کو غزوات میں ڈھنگ کی سواری بھی میسّر نہیں ہوتی تھیں مگر وہ جفاکشی کے عادی تھے، پاپیادہ سفر طے کرتے تھے اور اسلام دشمنوں کو شکست دیتے تھے۔ ایک لڑائی میں کئی صحابہؓ کے پاس صرف ایک سواری تھی، اس لیے پیدل چلتے تھے، پیدل چل چل کر تلووں میں سوراخ ہوگئے، پاؤں کے ناخن گر پڑے، مجبوراً اصحابہ رضؓ کو پیروں میں چیتھڑے لپیٹنے پڑے۔ اسی وجہ سے اس غزوہ کا نام ہی "ذات الرقاع" پڑ گیا۔ یعنی چیتھڑوں والا غزوہ

اللہ اکبر! وہ صحابہ رضؓ جن کی محنت کا پھل آج ہم کھا رہے ہیں، ان کا حال یہ تھا کہ انہیں ڈھنگ کی سواری بھی میسّر نہیں ہوتی تھی، پیدل چل چل کر تلوے پھٹ جاتے تھے، ناخن گر پڑتے تھے مگر نہ جانے ان کے اندر جہاد کا کیسا جذبہ پیدا ہوچکا تھا کہ وہ پھر بھی جہاد سے منہ نہیں موڑتے تھے۔ آج ہمیں وسائل نے کاہل اور سست بنا دیا ہے۔

دنیا کی چکاچوند نے ہم سے جفاکشی چھین لی ہے،

ہم میں سے ہر ایک نرم گداز گدیلوں پر لیٹ کر اور پھیرو پر سوار ہوکر کشمیر کو فتح کرنے اور بیت المقدس کو آزاد کرنے کے خواب دیکھتا ہے،

پر تعیّش ہوٹلوں میں سیمنار منعقد کر کے اور قرار دادیں پاس کر کے ہم دشمن کو شکست دینا چاہتے ہیں ،

اور بعض اللہ کے نیک مگر سادہ بندے محض دعاؤں سے کشتوں کے پشتے لگا دینا چاہتے ہیں۔

اگر محض دعاؤں سے دشمن کا خاتمہ کیا جا سکتا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ میں بدر وحنین کا تذکرہ نہ ہوتا

صحابہؓ کو روم و ایران اور مصر وشام کے جانکاہ سفر نہ کرنے پڑتے ،

حضور علیہ السلام اور آپؐ کے بعد آپؐ کے صحابہ سے زیادہ کون مستجاب الدعوات ہو سکتا ہے مگر انہوں نے صرف دعاؤں پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اپنی جانوں کو خطرات میں بھی ڈالا ، دشمن کے ساتھ دو بدو مقابلہ بھی کیا ، زخم بھی کھائے اور جامِ شہادت بھی نوش کیا ۔

صرف قرار دیں پاس کرنے سے لٹتے اور پٹتے ہوئے مسلمانوں کی دادرسی نہیں ہو سکتی ۔

اس کا تو صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے جہاد کا راستہ ۔

اور جہاد ظاہر ہے بغیر مجاہدوں کے نہیں ہو سکتا اور مجاہد اس کو نہیں کہتے جو صرف بندوق اور توپ یا تیر و تفنگ چلانا جانتا ہو بلکہ اسلام کا مجاہد وہی ہو سکتا ہے جس کے اندر مجاہدینِ سابقین کے اوصاف پائے جاتے ہوں جن میں سے ایک اہم وصف جفاکشی اور سادگی ہے جو کہ اسلام کے اولین جانثاروں میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی اور یہ صفت ان کے اندر صرف اسلام کے زمانہ غربت ہی میں نہیں تھی بلکہ جب فتوحات کا دور شروع ہوا اور مالِ غنیمت کی فراوانی ہوئی تب بھی انہوں نے اپنے آپ کو تعیّش سے اور راحت طلبی سے بچا کے رکھا

**مزہ تو اس میں ہے** اور میرے مجاہد ساتھیو! مزہ تو اسی میں ہے کہ انسان سب کچھ ہوتے ہوئے بھی سادگی کی زندگی گذارے۔

انسان کے پاس کھانے کے لیے اگر اچھا کھانا نہ ہو اور وہ روکھی سوکھی پر گذارا کر لے تو یہ اس کی مجبوری ہے

اس کے پاس ڈھنگ کا لباس نہ ہو اور وہ سادہ لباس پہن لے تو یہ بھی اس کی مجبوری ہے۔

سادگی تو تب ہوگی جب وہ قدرت کے باوجود روکھی سوکھی کھالے اور موٹا جھوٹا لباس پہن لے۔

سچا مجاہد وہی ہے جو محض جہاد کی خاطر عیش و عشرت اور کام و دہن کی لذت سے اپنے آپ کو بچا کے رکھے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر میرا وجود راحت طلب ہو گیا تو میں میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت نہیں دے سکوں گا۔

**شام کے گورنر کی سادگی** آپ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراحؓ کے نام سے تو ضرور واقف ہوں گے۔

وہی حضرت ابوعبیدہؓ جن کے بارے میں زبانِ نبوت نے ارشاد فرمایا تھا

لکلّ اُمّۃٍ اَمِینٌ وَاَمِینُ ھٰذہِ الاُمّۃ ابوعبیدۃُ بن الجَرّاح — ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ ابن جراح ہیں۔

وہی حضرت ابوعبیدہ جن کے بارے میں صحابہ سے خطاب کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

مامنکم مِن اَحَدٍ اِلاّ لَو شئتُ لَاَخَذتُ عَلَیہِ بَعضَ خُلُقِہٖ اِلاّ اَبَا عُبَیدَۃ۔ — تم میں سے ہر شخص ایسا ہے کہ میں چاہوں تو اس کے اخلاق میں کسی نہ کسی بات کو قابلِ اعتراض قرار دے سکتا ہوں سوائے ابوعبیدہ کے۔

وہی حضرت ابو عبیدہؓ جنہوں نے میدانِ بدر میں اپنے کافر باپ کو اپنے ہاتھوں سے جہنم رسید کیا تھا۔

وہی حضرت ابو عبیدہؓ جنہیں یمن والوں کی درخواست پر حضور علیہ السلام نے معلم بنا کر بھیجتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا

هٰذا اَمِینُ هٰذه الاُمّة   یہ اس امت کے امین ہیں۔

وہی حضرت ابو عبیدہ جن کے دو دانت جنگِ اُحد میں آقائے دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے مغفر کی کڑیاں نکالتے ہوئے شہید ہو گئے تھے مگر دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ دانتوں کے گرنے سے ان کے حُسن میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔

میں انہی حضرت ابو عبیدہ کی جفاکشی اور سادگی کے بارے میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔

اردن اور شام کے حصے پر انہی کی قیادت میں اسلامی پرچم لہرا رہا تھا شام بڑا زرخیز علاقہ تھا، عرب کے صحرا نشینوں کے لئے تو وہ جنتِ ارضی سے کم نہ تھا

وہاں کے لوگ بھی بڑے متمدّن تھے۔ لباس میں، رہائش میں، کھانے پینے میں، رہنے سہنے میں بڑے رکھ رکھاؤ اور تکلفات کے عادی تھے لیکن حضرت ابو عبیدہؓ اور آپ کے ساتھیوں نے اپنے آپ کو رومی تہذیب و تمدن کے اثرات سے بچائے رکھا اور اپنی جفاکشی اور سادگی کی عادت میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔

زہد و قناعت کا جو رنگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے ان پر چڑھ گیا تھا، سونے چاندی کی چمک اس رنگ کو نہ اتار سکی۔

جب حضرت ابو عبیدہؓ شام کے گورنر تھے تو اسی زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کے دورے پر تشریف لائے۔ ایک دن حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ مجھے اپنے گھر لے چلیے۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے جواب دیا: "آپ میرے گھر میں کیا کریں گے؟ وہاں آپ کو شاید میری حالت پر آنکھیں نچوڑنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہو"

لیکن جب حضرت عمرؓ نے اصرار فرمایا تو آپ حضرت عمرؓ کو اپنے گھر لے گئے حضرت عمرؓ گھر میں داخل ہوئے تو وہاں کوئی سامان نظر نہ آیا، گھر ہر قسم کے سامان سے خالی تھا، حضرت عمرؓ نے حیران ہو کر پوچھا: "آپ کا سامان کہاں ہے؟ یہاں تو مجھے بس ایک نمدہ، ایک پیالہ اور ایک مشکیزہ نظر آرہا ہے"

آپ نے ادب سے عرض کیا کہ حضرت! جو سامان آپ دیکھ رہے ہیں بس یہی کچھ ہے۔

پھر حضرت عمرؓ نے کھانے کے متعلق دریافت فرمایا تو حضرت ابو عبیدہؓ اٹھے اور ایک طاقچے سے روٹی کے کچھ ٹکڑے اٹھا لائے، حضرت عمرؓ نے امیر شام کی یہ حالت دیکھی تو رو پڑے۔ امیر المؤمنین کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر حضرت ابو عبیدہؓ نے عرض کیا:

"امیر المؤمنین! میں نے پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ آپ کو میرے گھر میں میری حالت پر آنکھیں نچوڑنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ انسان کے لئے اتنا اثاثہ کافی ہے جو اسے اپنی قبر تک پہنچا دے"

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "ابو عبیدہ! دنیا نے ہم سب کو بدل دیا مگر تمہیں نہیں بدل سکی"

اللہ اکبر! یہ اُس ابو عبیدہ کی حالت تھی جس کے نام سے اس وقت کی

سپر پاور قیصرِ روم لرزہ براندام تھی،

یہ اس ابو عبیدہؓ کی حالت تھی جس کے ہاتھوں روم کے عظیم الشان قلعے فتح ہو رہے تھے۔

یہ اس ابو عبیدہؓ کی حالت تھی جس کے قدموں پر روزانہ رومی مال و دولت کے انبار لگتے تھے۔

یہ اُس ابو عبیدہؓ کی حالت تھی جس کے سپاہیوں کا مالِ غنیمت میں حصہ ہزاروں اور لاکھوں میں ہوتا تھا۔

یہ اُس ابو عبیدہؓ کی حالت تھی جو شام کا فاتح بھی تھا اور گورنر بھی۔

لیکن چونکہ وہ اول اور آخر مجاہد تھے اس لیے انہوں نے جفاکشی اور سادگی کا دامن نہ چھوڑا اور تکلفات اور تعیشات کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دیا وہ جانتے تھے کہ جس دن ہم نے اپنے آپ کو ان تکلفات اور تعیشات کا عادی بنا لیا اس دن سے جہاد کا جذبہ اور جہاد کی اسپرٹ جاتی رہے گی اور ہم دشمن سے مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہیں گے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا، جوں جوں مسلمانوں میں تن آسانی اور راحت طلبی آتی گئی جہاد کا جذبہ ان سے رخصت ہوتا گیا، اور آج تو نقشہ کچھ یوں ہے کہ ؎

ہر کوئی مست مئے ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلمان ہو؟ یہ اندازِ مسلمانی ہے؟
حیدری فقر ہے نے دولتِ عثمانی ہے،
تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ رُوحانی ہے

ہمارے اندر باتیں ہی باتیں رہ گئی ہیں، عمل کا جوہر نہیں رہا، ہمارے اسلاف نے جو کام قوتِ بازو اور خونِ جگر سے کیے تھے وہ کام ہم باتوں اور تقریروں سے

کرنا چاہتے ہیں۔ اور تعجب یہ ہے کہ پھر بھی ہم اپنے آپ کو ان کے سچے اور حقیقی جانشین اور وارث سمجھتے ہیں حالانکہ ان میں اور ہم میں زمین و آسمان کا فرق ہے بقول حضرت اقبال

ہر مسلماں رگِ باطل کے لئے نشتر تھا — اس کے آئینہ ہستی میں عملِ جوہر تھا
جو بھروسا تھا اسے قوتِ بازو پر تھا — ہے تمہیں موت کا ڈر، اس کو خدا کا ڈر تھا

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر قابلِ میراثِ پدر کیونکر ہو

**صبر** خطبہ میں تلاوت کی گئی آیات کی روشنی میں عرض یہ کر رہا تھا کہ مجاہد میں جفاکشی کی صفت کا ہونا ضروری ہے

دوسری صفت جس کا مجاہد میں ہونا ضروری ہے وہ ہے صبر۔

میدانِ جہاد میں قدم قدم پر ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ اگر مجاہد میں صبر کی صفت نہ ہو تو پورا فوجی نظام داؤ پر لگ سکتا ہے۔

امیرِ لشکر کی طرف سے کوئی ایسا حکم دیا جا سکتا ہے جو خلافِ طبیعت ہو

اپنے ساتھیوں کی طرف سے کوئی ایسی بات ہو سکتی ہے جو مزاج کے موافق نہ ہو

بھوک پیاس سے واسطہ پڑ سکتا ہے، زخم لگ سکتے ہیں، اعضاء کٹ سکتے ہیں، عزیزوں کی جدائی کا صدمہ پیش آ سکتا ہے

ان تمام مراحل میں صبر کی ضرورت ہوگی۔

صبر کی صفت پوری طرح اگر کسی ایک فرد کے اندر پیدا ہو جائے تو وہ ایک فرد دس پر بھاری ثابت ہوگا اور جس جماعت میں صبر کی صفت ہو وہ بڑے بڑے سورماؤں کا منہ پھیرنے کی صلاحیت رکھتی ہے

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کے موقع پر صبر کی تعلیم دی ہے۔ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝

اے پیغمبر! مسلمانوں کو جہاد کے لیے ابھارو، اگر تم میں بیس شخص صبر کرنے والے ہوں تو دو سو (کافروں) پر غالب ہوں گے اور اگر تم میں سو ہوں تو ہزار کافروں پر غالب ہوں گے کیونکہ وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

حضور علیہ السلام کی تربیت کے نتیجے میں صحابہؓ کے اندر صبر کی صفت کامل طور پر پیدا ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

اور صبر کرنے والے تنگی میں اور بیماری میں اور جنگ کے وقت! یہی لوگ ہیں جو سچے اترے اور یہی لوگ متقی ہیں۔

اس آیتِ کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صبر کا مفہوم صرف فقر و فاقہ اور بیماری تک محدود نہیں ہے اسی طرح پٹائی کھا کر خاموش رہنا ہی صبر نہیں ہے بلکہ میدانِ جنگ میں دشمن کے سامنے ڈٹ جانا بھی صبر ہے بلکہ بعض اوقات خاموش رہنا بے غیرتی بن جاتا ہے۔

اگر آپ کے سامنے کوئی بدبخت آپ کی عزت کو لوٹے،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ پر کیچڑ اچھالے،
شعائر اللہ کی بے حرمتی اور بے ادبی کرے،
اور آپ طاقت رکھتے ہوئے بھی کوئی اقدام نہ کریں تو کیا یہ صبر کہلائے گا؟
نہیں، یہ صبر نہیں ہوگا بلکہ یہ مداہنت اور بے حمیتی ہوگی،
ہاں! البتہ بعض اوقات خاموشی اس لیے اختیار کی جاتی ہے کہ اس وقت

مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہوتی یا اس وقت اقدام کرنے سے خاطر خواہ نتائج کی امید نہیں ہوتی یا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مزید تیاری کر لی جائے تاکہ بھرپور وار کیا جائے۔

توان حالات میں صبر کا مفہوم یہ ہوگا کہ خاموشی اختیار کی جائے اور مناسب حالات کا انتظار کیا جائے۔ جیسا کہ صحابہ کرامؓ مکی زندگی میں صبر کرتے رہے۔ انہیں ہر طرح سے ستایا جا رہا تھا، ہر ظلم ان پر ڈھایا جا رہا تھا، ہر طریقے سے دبایا جا رہا تھا لیکن حکم الٰہی تھا فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا۔ چنانچہ صحابہؓ معاف کرتے رہے اور درگذر کرتے رہے۔ لیکن جب انہیں جنگ کی اجازت مل گئی اور اقدام کرنے کا حکم دے دیا گیا تو اب صبر کا مفہوم یہ ہو گیا کہ جب مڈ بھیڑ ہو جائے تو ڈٹ جاؤ، پیٹھ نہ دکھاؤ، ثابت قدم رہو انشاء اللہ کامیابی حاصل ہو کر رہیگی

ایک دفعہ رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلے میں ایک بہت بڑا لشکر جمع کر لیا جس کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے فوری طور پر امیر المومنین کو حضرت عمرؓ کو اس خطرے کی اطلاع دی تو انہوں نے جواب لکھا کہ: "مسلمان بندے پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو اس کے بعد اللہ تعالےٰ اس کو اطمینان اور سکون عطا فرماتا ہے ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں کہتا ہے:

| | |
|---|---|
| يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ | اے ایمان والو! صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہو، استقلال اختیار کرو اور اللہ سے ڈرو شاید تم کامیاب ہو جاؤ |

چنانچہ مسلمانوں کے تھوڑے سے لشکر نے اپنے سے کئی گنا لشکر کو اس کے اپنے وطن میں ذلت آمیز شکست دے دی کیونکہ مسلمانوں میں صبر اور استقامت کی صفت پائی جاتی تھی جبکہ رومی اس صفت سے محروم تھے وہ بڑے دھوم

دھڑلے سے میدان میں آتے تھے لیکن جب اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جاتا تھا تو سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف پر چڑھائی کی تو طائف والے قلعہ بند ہو گئے آپ واپس پلٹ آئے۔ حضرت صخرؓ کمک لے کر پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو واپس تشریف لے گئے ہیں مگر انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک یہ قلعہ فتح نہیں ہوگا واپس نہیں جاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنے خاص خاص بندوں کی قسموں کو پورا کر دیتا ہے اگرچہ ان کے پورا ہونے کے ظاہری آثار دکھائی نہ دیتے ہوں۔

حضرت صخرؓ نے قلعہ کا محاصرہ کیے رکھا یہاں تک کہ قلعہ والوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور وہ قلعہ مسخر ہو گیا۔

ان کے پاس کیا چیز تھی؟ صبر اور اللہ کی ذات پر اٹل یقین۔

**صبر کامیابیوں کا دروازہ** وقت نہیں ورنہ میں آپ کو بتاتا کہ صبر سے کیا کچھ حاصل ہوتا ہے۔

صبر حقیقت میں دنیا اور آخرت کی کامیابیوں کا دروازہ ہے،

طالوت کے لشکر نے صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے قلت کو کثرت پر غالب کر دیا

بنی اسرائیل نے صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں شام کی بابرکت زمین کا مالک بنا دیا،

صبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں امام و مقتدیٰ پیدا فرما دیئے۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۔ اور بنی اسرائیل میں سے ہم نے ایسے رہنما بنائے جو ہمارے حکم سے راہ دکھاتے تھے جب انہوں نے صبر کیا۔

صبر سے جنت ملتی ہے ، صبر سے اللہ کی معیت اور محبوبیت نصیب ہوتی ہے
وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۔ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ ۔

**اطاعت** اونٹ سے ہمیں تیسرا سبق جو ملتا ہے وہ ہے اطاعت ۔

مجاھدینِ اسلام میں اطاعت کی صفت کا پایا جانا بے حد ضروری ہے دوسری کمزوریوں سے وقتی طور پر صرف نظر کیا جا سکتا ہے لیکن اگر کسی ایک مجاھد میں بھی سرکشی پائی جائے تو یہ ناقابلِ برداشت ہوگی اس سے پورے لشکر کا نظم خراب ہو سکتا ہے اور یہ ایسی متعدی بیماری ہے کہ ایک سے دوسرے کو لگ سکتی ہے ۔ اگر ایک مجاہد کی سرکشی اور من مانی کو برداشت کر لیا جائے تو دوسرے بھی اس کی نقل کریں گے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اطاعتِ امیر پر بہت زیادہ زور دیا ہے ۔ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا :

مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ وَمَنْ یُطِعِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ یَعْصِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ وَ اِنَّمَا الْاِمَامُ جُنَّۃٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِہٖ وَیُتَّقٰی بِہٖ فَاِنْ اَمَرَ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَعَدَلَ فَاِنَّ لَہٗ بِذٰلِکَ اَجْرًا وَاِنْ اَمَرَ بِغَیْرِہٖ فَاِنَّ عَلَیْہِ مِنْہُ

جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی امام (امیر) توڈھال ہے جس کے پیچھے رہ کر جنگ کی جاتی ہے اور اسی کے ذریعے بچا جاتا ہے پس اگر وہ اللہ کے تقویٰ کا حکم دے اور انصاف کرے تو اسے اس کا اجر ملے گا اور اگر اس کے خلاف کرے گا تو اس کا وبال اس پر پڑے گا ۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے مسلمانوں کے عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا :

" اگر تم پر کسی غلام کو امیر مقرر کیا جائے جو تمہیں کتاب اللہ کے مطابق چلائے تو تم اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو "

بعض روایات میں ہے کہ " اگر تم پر نکٹا حبشی غلام متعین کیا جائے اور وہ تمہیں شریعت کے مطابق چلائے تو اس طاعت کرو "

**اطاعت کا بے مثال واقعہ** صحابہ نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ان فرمودات کو اپنے سینے سے لگالیا اور دل وجان سے ان پر عمل کیا ان پر جسے امیر مقرر کر دیا جاتا تھا وہ اس کے سامنے اپنے آپ کو مٹا دیتے تھے ۔

آپ حضرات میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہوگا جس نے حضرت خالد بن ولید رضؓ کا نام اور ان کے کارنامے نہ سُنے ہوں ۔

وہی خالد جو جنگِ اُحد میں مسلمانوں کی شکست کا ظاہری سبب بن گئے تھے ۔

وہی خالد جن کے کارناموں کو دیکھ کر زبانِ نبوت نے سیف اللہ کا لقب دیا تھا ۔

وہی خالد جن کی شجاعت کی داستانیں ضرب المثل بن چکی ہیں ۔

وہی خالد جو شہادت کے ایسے طلب گار تھے کہ ہم میں سے کوئی پیاسا پانی کا اتنا طلب گار نہیں ہوگا ،

وہی خالدؓ جن کا نام فتح اور کامیابی کی ضمانت بن چکا تھا ۔

وہی خالدؓ جن کی ہیبت سے کفر کا دل لرزتا اور جسم تھرتھراتا تھا ۔

یہی خالد بن ولیدؓ شام میں لشکرِ اسلام کے امیر تھے اور حضرت ابو عبیدہؓ بن

جرّاح جیسے عظیم المرتبت صحابی ان کی ماتحتی میں تھے مگر سیدنا عمر بن خطابؓ نے خلافت پر فائز ہوتے ہی خالد بن ولیدؓ کو معزول کر دیا اور حضرت ابو عبیدہؓ بن جرّاح کو امیر بنا دیا۔

سوچیے! ہم میں سے کوئی ہوتا تو اس کے دل و دماغ پر کیا گزرتی اور اس کا کیا ردِّ عمل ہوتا، اور کچھ نہیں تو کم از کم ہم جہاد سے ضرور کنارہ کش ہو جاتے۔

مگر حضرت خالدؓ بن ولید نے ذرا بھی اس کا اثر نہیں لیا بلکہ خوشی خوشی فرمایا کہ میں پہلے امیر کی حیثیت سے جہاد کرتا تھا اب ایک سپاہی کی حیثیت سے جہاد کروں گا۔ لوگوں کا خیال تھا اب جہاد میں آپ کی دلچسپی باقی نہیں رہے گی مگر چونکہ وہ تو خالص اللہ کی رضا کے حصول کے لئے جہاد کرتے تھے اس لئے مؤرخین نے لکھا ہے کہ معزولی کے بعد ان کے حملوں اور قتال و جہاد میں مزید تیزی آگئی، لیکن دوسری جانب نئے امیر کا بھی ظرف دیکھئے کہ بظاہر تو امیر وہ تھے لیکن تمام جنگی ذمہ داریاں انہوں نے حضرت خالدؓ پر ڈال رکھی تھیں۔

اس واقعہ کو سامنے رکھ کر اپنے ماحول پر نظر ڈالیے، ہمارے ہاں تو صورتحال یہ ہے کہ جب تک کسی کے پاس کوئی عہدہ ہوتا ہے تو وہ خوب کام کرتا ہے لیکن جونہی وہ عہدے سے محروم ہوتا ہے تو وہ بالکل بیکار ہو جاتا ہے اور کام سے جان چرانے لگتا ہے، یا پھر وہ ایک نئی تنظیم بنا لیتا ہے۔ گویا کام مقصود نہیں ہے بلکہ عہدے منصب اور تنظیمیں مقصود ہیں۔ چنانچہ ہمارے ہاں ایک ہی مقصد کے لئے، ایک ہی پروگرام کے لئے تھوک کے حساب سے تنظیمیں بنتی ہیں، ان کے نئے جھنڈے، نئے سلوگن، نئے نعرے اور نیا منشور تیار کیا جاتا ہے لیکن بعد میں وہ مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ بس تنظیم ہی مقصد بن جاتی ہے۔

جھنڈا مقصد بن جاتا ہے۔

سلوگن مقصد بن جاتا ہے ،

دفتر مقصد بن جاتا ہے ،

کھوکھلے نعرے اور بیکار عہدے مقصد بن جاتے ہیں ،

یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی تابع نہیں بننا چاہتا، ہر کوئی متبوع بننے کی فکر میں ہے ،

مقتدی بننے کے بجائے ہر کوئی مقتدیٰ بننے کے چکر میں ہے ،

جس کا نتیجہ ہے کہ خادم تھوڑے ہیں اور مخدوم زیادہ ہیں

یہی ہمارے انتشار کی وجہ ہے جونہی کسی کو امیر بنا دیا جاتا ہے، اس کی اطاعت کرنے کے بجائے اس کی ذات میں کمزوریوں کی تلاش شروع ہو جاتی ہے ۔

ہمیں اونٹ سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے وہ اتنا عظیم الجثہ جانور ہونے کے باوجود اطاعت کرتا ہے ، ایک بچہ بھی اس کی نکیل پکڑ کر جہاں چاہے لیجاتا ہے اور اسے اگر اونٹوں کی جماعت میں جوڑ دیا جائے تو شرافت کے ساتھ اس میں چلتا رہتا ہے نہ اِدھر اُدھر جاتا ہے نہ ہی آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے ،

سینکڑوں میل کا پُر مشقت سفر اسی طرح طے کر جاتا ہے

اطاعت کی صفت کے ساتھ ساتھ اونٹ کے اندر غیرت اور وفاداری جیسے اوصاف بھی پائے جاتے ہیں جو کہ ایک مجاہد کے اندر بھی ہونے چاہئیں

<u>بلندی</u> ان چار آیات میں سے دوسری آیت میں آسمان کی بلندی کا تذکرہ ہے مجاھد کے اندر بھی بلندی کی صفت ہونی چاہیئے ۔

اس کی ہمت بلند ہو ،

اس کا عزم بلند ہو ،

اس کی نظر بلند ہو ،

اس کے اندر کمینگی نہ ہو وہ بادشاہوں کے دربار دیکھ کر، سرمایہ داروں کا رہن سہن دیکھ کر، محلّوں کی شان وشوکت دیکھ کر، دولت کی ریل پیل دیکھ کر مرعوب نہ ہو، کڑکڑاتے نوٹ اور کھنکھناتے سکّے دیکھ کر اس کے ایمان میں ضعف نہ آجائے۔ صحابۂ کرامؓ نے قیصر وکسریٰ کے دربار دیکھے، وہاں شان وشوکت دیکھی دولت کے انبار دیکھے، زر وجواہر کے خزانے دیکھے لیکن ان میں سے کوئی چیز بھی ان کی امانت ودیانت کو صدمہ نہ پہنچا سکی۔

کسریٰ کے محل کی شان وشوکت کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اس کے دروازے پر جو پردہ پڑا ہوا تھا فتح کے وقت اس کو آگ لگا دی گئی تھی بعد میں اس پردے سے دس لاکھ مثقال سونا برآمد ہوا جس کی قیمت ایک کروڑ درہم تھی۔

جس محل کے ایک پردے میں اتنا سونا استعمال ہوا ہو اس کے دروازوں اس کی کھڑکیوں اور اس کے تاج وتخت میں جڑے ہوئے ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کی قیمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی چیز کی چمک دمک ان کی نگاہوں کو خیرہ نہ کرسکی۔ ایک غریب سپاہی کو کہیں سے کسریٰ کا تاج ہاتھ آگیا جو کہ نایاب ہیروں سے مرصّع تھا

وہ سپاہی اگر اس تاج کو چھپا لیتا تو اس کی آنے والی نسل کے دن بدل سکتے تھے۔ جب ایوانِ کسریٰ کے جلے ہوئے پردے کی قیمت ایک کروڑ درہم ہوسکتی ہے تو یہ تو کسریٰ کے سر پر رکھا جانے والا تاج تھا۔

مگر وہ سپاہی اپنا چہرہ چادر میں چھپائے ہوئے یہ تاج لے کر امیرِ لشکر کی خدمت میں حاضر ہوا اور خاموشی سے پیش کر دیا۔

امیرِ لشکر کو اس کی دیانت پر بڑا تعجب ہوا کہ غریب آدمی ہے، بوسیدہ لباس

ہے مگر اس کے دل میں خیانت کا خیال نہیں گزرا۔ شاید انھوں نے سوچا ہو کہ اسے کچھ انعام دینا چاہیئے۔

وہ مجاھد کسریٰ کا تاج ان کے حوالے کرنے کے بعد پلٹنے لگا تو انہوں نے پوچھا اللہ کے بندے! اپنا نام تو بتلاؤ تم کون ہو؟ اس نے بڑا ایمان پرور جواب دیا، کہنے لگا:

"میں نے جس اللہ کے ڈر سے اور جس کی رضا کے لئے اس دیانت داری کا ثبوت دیا ہے وہ میرا نام خوب جانتا ہے"

کیا لوگ تھے وہ! نبی مکرم فداہ امی وابی کے فیضِ صحبت نے نہ جانے ان کے اندر کیسا نور، کیسی ہدایت، کیسی سچائی، کیسی استقامت اور کیسا تقویٰ بھر دیا تھا کہ دنیا کے سیم وزر کے کیچڑ میں بھی ان کے پاؤں نہیں پھسلتے تھے۔

ایران کی فتح کے بعد جب دربارِ خلافت میں کسریٰ کی مرصّع تلوار اور زریں کمر بند آیا تو حضرت عمرؓ نے ان کو دیکھ فرمایا:

جس قوم نے ان چیزوں کو ہاتھ نہیں لگایا وہ واقعی ایک متدین قوم ہے"

صحابہؓ کی بے خوفی، ان کی جرأت اور ان کی طاقت کا راز یہ تھا کہ وہ اندر اور باہر سے سچے تھے، وہ ہر قسم کے جھوٹ اور ہر قسم کی خیانت سے پاک تھے اور سچائی اور دیانت انسان کو طاقتور بنا دیتی ہے، اس کی سوچ بلند ہو جاتی ہے اس کے عزائم میں بلندی آجاتی ہے،

اس کے برخلاف جھوٹا اور خائن انسان بزدل ہوتا ہے وہ بظاہر کیسی ہی بہادری کا مظاہرہ کیوں نہ کرتا ہو اور کیسی ہی بھڑکیں کیوں نہ مارتا ہو وہ اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے:

| | |
|---|---|
| مَا ظَهَرَ الْغُلُولُ فِي قَوْمٍ قَطُّ اِلَّا اُلْقِيَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبُ | کوئی قوم ایسی نہیں جس میں خیانت پیدا ہو اور وہ مرعوب نہ ہو۔ |

**ثابت قدمی** ان چار آیات میں سے تیسری آیت کریمہ میں پہاڑوں کی مضبوطی کا ذکر ہے جس سے ہمیں استقامت اور ثابت قدمی کا سبق ملتا ہے صحابہ کرام کے اندر یہ صفت بھی علی وجہ الکمال پائی جاتی تھی ۔

مکی زندگی میں تو آپ جانتے ہی ہیں کہ صحابہؓ کو سچائی کے راستے سے ہٹانے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا گیا مگر وہ جور و جفا کی آندھیوں میں بھی سچائی پر ڈٹے رہے ۔

اس کے علاوہ ہر غزوہ میں ہر لڑائی میں وہ کفار کے مقابلے میں پہاڑوں کی طرح ڈٹ جاتے تھے اور کافروں کے لیے انہیں ہلانا مشکل ہو جاتا تھا ۔

بدر و اُحد میں ، خندق اور خیبر میں ، قادسیہ اور یرموک میں ، شام اور مصر میں ، اسپین اور افریقہ میں ہر جگہ وہ تھوڑے تھے مگر وہ گھبرائے نہیں ، انہوں نے ثابت قدمی دکھائی اور اپنے سے کئی گنا دشمن کو ناکوں چنے چبوا دیئے اور بڑے بڑے سورماؤں کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کر دیا ۔ آج ہمیں اپنی بزدلی اور کمزوری دیکھ کر شاید ان کے کارناموں اور فتوحات کا یقین نہ آئے ، لیکن ان کے کارنامے تاریخ کا لازوال حصہ بن چکے ہیں ، ان کا کوئی انکار کرنا چاہے بھی تو انکار نہیں کر سکتا ۔

غزوۂ بدر میں صرف تین سو مسلمان تھے جن کے پاس صرف آٹھ تلواریں ، چھ زرہیں ، ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے ۔ اور مقابلے میں ایک ہزار آہن پوش کفار تھے لیکن انھیں تاریخی شکست سے دوچار ہونا پڑا ۔ ان میں سے ستر مارے گئے اور ستر گرفتار ہو گئے ۔

اُحد میں سات سو مسلمان تھے اور مقابلے میں تین ہزار کافر تھے مگر بالآخر میدان مسلمانوں کے ہاتھ ہی رہا ۔

جنگ خندق میں تین ہزار مسلمان تھے اور مقابلے میں چوبیس ہزار سے زیادہ

کفر کی فوجیں تھیں مگر کامیابی مسلمانوں ہی کو نصیب ہوئی ۔

خیبر کی لڑائی میں سولہ سو یا پندرہ سو مسلمانوں کا مقابلہ بیس ہزار یہودیوں سے ہوا اور خیبر فتح ہو کر رہا۔

جنگ قادسیہ میں تیس ہزار سے بس کچھ ہی زائد مسلمان تھے اور ان کے مقابلے میں ایک لاکھ ایرانی تھے جو بری طرح پسپا ہوئے

جنگِ یرموک میں بتیس ہزار مسلمان تھے اور مقابلے میں دو لاکھ رومی تھے بلکہ صحیح بخاری کے شارح امام قسطلانیؒ نے تو رومیوں کی تعداد سات لاکھ لکھی جن میں سے ایک لاکھ پانچ ہزار قتل ہوئے اور چالیس ہزار گرفتار ہوئے۔

جنگ اسپین میں بارہ ہزار مسلمان تھے جو وطن سے دور اور بے سروسامانی کی حالت میں تھے جن کی قیادت فاتحِ اندلس موسیٰ بن نصیرؒ کا ایک غلام طارق بن زیادؒ کر رہا تھا جب کہ مقابلے میں ہر طرح کے اسلحہ سے آراستہ ایک لاکھ فوج تھی۔

اِدھر قلت تھی اُدھر کثرت تھی ،

اِدھر اجنبیت تھی اُدھر اپنا وطن تھا ،

اِدھر بے سروسامانی تھی اُدھر ہر چیز کی فراوانی تھی ،

مگر اِدھر ایمان تھا اُدھر کفر تھا ،

اِدھر اللہ کی ذات پر اعتماد تھا اُدھر ظاہری وسائل پر گھمنڈ تھا ،

اِدھر شہادت کا جذبہ تھا ، اُدھر دولت اور شہرت کا لالچ تھا۔

طارقؒ بن زیاد نے دریا عبور کرنے کے بعد کشتیاں جلا ڈالی تھیں اور یوں واپسی کا راستہ از خود بند کر دیا تھا ۔

عیسائیوں کی تاریخ گواہ ہے کہ چیتھڑوں کا لباس پہننے والے ان بے سروسامان مسلمانوں نے عیسائیوں کے ٹڈی دل کو شرمناک شکست دی تھی ۔

۴۶۳ھ میں سلطان الپ ارسلان سلجوقیؒ نے پندرہ ہزار کے لشکر کے ساتھ قیصر ارمانوس دیو جانس کے تین لاکھ فوجیوں کو شکست دے دی تھی بعض محدثین نے غالباً جنگِ یرموک کے کسی محاذ کے بارے میں لکھا ہے کہ صرف ساٹھ مسلمانوں نے ساٹھ ہزار کافروں کو مار بھگایا تھا (شوقِ جہاد)

یہ ہمارے ہی آباء تھے جو نہ قلت کی پرواہ کرتے تھے نہ بے سروسامانی کی، دنیا کی کسی سپر پاور سے وہ مرعوب نہیں ہوتے تھے، ان کا ایک ایک فرد سینکڑوں پر بھاری تھا۔

مصر کے فاتح حضرت عمروؓ بن العاص نے ایک فوجی مہم کے لئے امیر المومنین حضرت عمرؓ سے تین ہزار کی کمک طلب کی لیکن حضرت عمرؓ نے صرف تین حضرات بھیج دیئے اور فرمایا کہ لو یہ تین ہزار ہیں، کون تھے وہ تین حضرات؟ حضرت خارجہؓ بن حذافہ، حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت مقدادؓ بن الاسود۔ اور واقعۃً ان میں سے ہر فرد سینکڑوں اور ہزاروں پر بھاری تھا۔ کیونکہ وہ حقیقی مجاہد تھے ہماری طرح صرف باتیں بنانے والے اور خالی خولی نعرے لگانے والے نہیں تھے۔

**عاجزی** ان آیات میں سے چوتھی آیتِ کریمہ سے ہمیں جو سبق ملتا ہے وہ ہے عاجزی اور انکساری۔

مجاہد کی شان یہ ہے کہ اس کے اندر عاجزی کی صفت پائی جاتی ہو وہ کفار کے مقابلے میں تو فولاد کی طرح سخت ہو لیکن مسلمانوں کے لیے ریشم کی طرح نرم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کی شان یہ بیان فرمائی ہے:

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کافروں پر سخت (اور) آپس میں مہربان ہیں

صحابہ کے قدموں کی خاک کو دنیا اپنی آنکھوں کا سرمہ بناتی تھی مگر وہ اپنے آپ کو کمتر جانتے تھے، ان کے اندر انتہا درجے کی تواضع اور خاکساری پائی جاتی تھی۔

ایک بار محمد بن حنفیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل شخص کون ہے انہوں نے جواب دیا "ابوبکرؓ" پوچھا ان کے بعد کون فرمایا "عمرؓ" اس کے بعد محمد حنفیہ نے خود ہی کہہ دیا کہ ان کے بعد تو آپ ہیں مگر آپ نے فرمایا "میں تو مسلمانوں کا ایک معمولی فرد ہوں"۔

حضرت سلمان فارسیؓ مدائن کے گورنر تھے لیکن زندگی اس قدر سادہ تھی کہ کوئی نہیں پہچان نہیں سکتا کہ یہ مدائن کے گورنر ہیں۔

ایک بار ایک شخص نے گھاس خریدی اور انہیں مزدور سمجھ کر گھاس کا گٹھا ان کے سر پر رکھ دیا کہ میرے گھر پہنچاؤ آپ جا رہے تھے راستے میں لوگوں نے دیکھا تو بتلایا کہ یہ تو مدائن کے گورنر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں وہ شخص پریشان ہو گیا۔ اس نے فوراً معافی مانگی اور درخواست کی کہ یہ بوجھ سر سے اتار دیجئے مگر آپ نے فرمایا اب تو تمہارے گھر پہنچا کر ہی اتار دوں گا میں نے جس نیکی کی نیت کر لی ہے اب اسے پورا کر کے ہی چھوڑوں گا

حضرت ابو عبیدہؓ کے بارے میں عرض کر چکا ہوں کہ عظیم مجاہد تھے اللہ کے سچے رسول کی زبانی جنت کی بشارت سن چکے تھے اس کے باوجود ان میں تواضع اور اتنی خشیت تھی کہ دیکھنے والوں کو رشک آتا تھا بعض اوقات فرماتے تھے

| | |
|---|---|
| وَدِدتُ انی کنتُ کبشاً فیذبحنی | کاش کہ میں ایک مینڈھا ہوتا میرے |
| اھلی فیاکلُون لحمِی و | گھر والے مجھے ذبح کر کے میرا گوشت کھاتے |
| یحتسُون مَرَقی | اور میرا شوربا پیتے۔ |

**یقین** | مجاہد کے یہ اوصاف جو میں نے آپ کے سامنے بیان کیے ہیں یہ وہ اوصاف ہیں جو ان چار آیات سے سمجھ میں آتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی کئی اوصاف ہیں جن کا ایک سچے مجاھد میں پایا جانا ضروری ہے مگر میں ان میں سے صرف دو اوصاف کے بیان کرنے پر

اکتفا کروں گا ان میں سے پہلا وصف یقین ہے اور دوسرا وصف ہے عبادت۔

سچا اور کامل مجاہد وہی ہو سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین ہو اور اپنے پروگرام کی سچائی پر بھی یقین ہو۔ جس شخص کے یقین میں کمزوری ہو وہ کبھی بھی میدان میں نہیں ٹھہر سکتا

صحابہ کرامؓ اور ان کے مخالفین کے درمیان سب سے بڑا فرق یہی تھا، ان کے دشمنوں کے پاس اس دورِ کا جدید کا اسلحہ تھا، افرادی طاقت تھی، کھانے پینے کے سامان کی فراوانی تھی، تجربہ تھا۔

مگر ان کے پاس یقین کی دولت نہیں تھی۔ اسی طرح ان کے پاس اولاً تو لڑائی کا کوئی مقصد اور کوئی پروگرام تھا ہی نہیں اور اگر تھا تو اس پر ان کا یقین نہیں تھا۔

وہ بظاہر اپنے بادشاہوں کے تحفظ کے لئے لڑتے تھے،

قیصر و کسریٰ کی بقا کے لیے لڑتے تھے مگر دل میں ان سے نفرت کرتے تھے۔

جبکہ صحابہ کرامؓ کے پاس دوسری چیزوں کی کمی تھی مگر وہ یقین کی دولت سے سرشار تھے اور یہ یقین تو وہ عجیب قوت ہے کہ اقبال فرماتے ہیں: ؎

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامین پیدا

اور یہ کہ

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں، نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ان کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر اٹل یقین تھا اور جس مقصد کے لیے لڑتے تھے یعنی

اعلاء کلمۃ اللہ، اس کی سچائی میں انہیں ذرہ برابر بھی تردد نہیں تھا، وہ اس مقصد کے لیے لڑنے کو فرض جانتے تھے اور اس کے لیے جان کی قربانی کو شہادت سمجھتے تھے

**عبادت** دوسرا وصف جو مجاہد میں پایا جانا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اسے عبادت میں لذت آتی ہو۔

اسے اپنے مولا کو پکارنے میں مزہ آتا ہو،
اسے رکوع وسجود اور قیام وقعود میں سکون محسوس ہوتا ہو،
اس کے دن گھوڑے کے پیٹھ پر اور راتیں مصلے پر گذرتی ہوں،
وہ آنسوؤں کی بارش سے دل کی زمین کو سیراب کرنے کا ڈھنگ جانتا ہو،

آپ نے سنا ہوگا صحابہ کرام کے بارے میں ایک رومی قیدی نے جو مسلمانوں کی قید سے بھاگ گیا تھا جاکر ہرقل کو بتایا تھا:

هُمْ رُهْبَانٌ بِاللَّيْلِ وَفُرْسَانٌ بِالنَّهَارِ — وہ لوگ دن میں شہسوار اور رات کو راہب ہوتے ہیں

اور ہرقل نے صحابہ کے اوصاف سن کر کہا تھا:

"اگر یہ سچ ہے تو وہ میرے ان دونوں قدموں کے نیچے کی زمین تک مالک ہوجائینگے"

**دشمن کی گواہی** صحابہ کے اندر عبادت واطاعت، محبت واخوت، عجز وانکساری اور عدل ومساوات کے جو اعلیٰ اوصاف پائے جاتے تھے ان کے دشمن بھی ان کی گواہی دیتے تھے اس سلسلہ میں آپ کو صرف ایک واقعہ سناؤں گا۔

جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو قبطی بادشاہ مقوقس نے قلعہ سے نکل کر "جزیرہ مصر" میں پناہ لی اور مسلمانوں کو ڈرانے دھمکانے کے لئے اپنے ایلچیوں کے ذریعہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس ایک خط بھیجا، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس خط کا فوراً کوئی جواب دینے کے بجائے

ان ایلچیوں کو دو دن اور دو رات اپنے پاس مہمان رکھا تاکہ وہ مسلمانوں کے شب و روز کے معمولات اور ان کے جذبات و خیالات سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔
دو دن کے بعد جب ایلچی واپس گئے تو مقوقس نے ان سے پوچھا کہ تم نے مسلمانوں کو کیسے پایا؟ ایلچیوں نے جواب دیا:

رأینا قومًا الموتُ احبّ الی احدھم من الحیاۃ والتواضع احبّ الیھم من الرّفعۃ لیس لاحدھم فی الدنیا رَغبۃٌ ولا نھمۃ و انّما جُلوسُھُم التراب واَکلُھُمْ علیٰ رُکبِھِمْ وامیرھُم کَوَاحِدٍ مِنھُم مَا یُعرَفُ رفیعھم مِنْ وضیعھِمْ وَلَا السَّیِّدُ مِنَ العَبْدِ واذا حضَرَت الصَّلاۃُ لَم یَتخَلّفْ عَنھَا مِنھُمْ اَحدٌ یَغسِلُونَ اطرافھم بالماءِ وَیَخْشَعُونَ فِیْ صلاتھم

ہم نے ایک ایسی قوم دیکھی جس کے ہر فرد کو موت زندگی سے زیادہ محبوب ہے، وہ لوگ تواضع کو ٹھاٹ باٹ سے زیادہ پسند کرتے ہیں ان میں سے کسی کے دل میں دنیا کی طرف رغبت یا اس کی حرص نہیں ہے وہ زمین پر بیٹھتے ہیں اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کھاتے ہیں، ان کا امیر ان کے ایک عام آدمی کی طرح ہے، ان کے درمیان اونچے یا نچلے درجے کے آدمی پہچانے نہیں جاتے نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ ان میں آقا کون اور غلام کون ہے، جب نماز کا وقت آتا ہے تو ان میں سے کوئی پیچھے نہیں رہتا، وہ اپنے اعضاء کو پانی سے دھوتے ہیں اور نماز بڑے خشوع سے پڑھتے ہیں

کہا جاتا ہے کہ مقوقس نے یہ سُن کر کہہ دیا تھا کہ ان لوگوں کے سامنے پہاڑ بھی آجائیں گے تو یہ انہیں ٹلا کر رہیں گے ان سے کوئی نہیں لڑ سکتا۔

آپ سمجھے! صحابہؓ کے مجاہدانہ اوصاف کی کون لوگ گواہی دے رہے تھے

وہ جن سے وہ لڑنے گئے تھے ، جن کو وہ فتح کرنے گئے تھے ، جن کے شہروں اور دیہاتوں پر وہ اسلام کا پرچم لہرانے گئے تھے ،

وہ جو اسلام کے دشمن تھے ، کفر کے پیروکار تھے ، بُت پرست تھے ،

وہ گواہی دے رہے تھے کہ یہ مجاہد جو ہم سے لڑنے آتے ہیں یہ زندگی سے زیادہ موت سے پیار کرتے ہیں ،

بڑائی سے زیادہ عجز و انکساری کو پسند کرتے ہیں ،

ان کے اندر دنیا کی حرص اور طمع نہیں ہے ،

ان میں عدل و انصاف اور مساوات ہے ، افسر اور سپاہی میں کوئی امتیاز نہیں ،

وہ نماز کے دیوانے ہیں ،

ان کی نماز میں محض اٹھک بیٹھک نہیں ہے بلکہ ان کی نمازوں میں خشوع خضوع ہے ، وہ سجدے میں سر رکھتے ہیں تو ان کے آنسوؤں سے زمین تر ہو جاتی ہے ، وہ تلاوت کرتے ہیں تو ان کی ہچکیاں بندھ جاتی ہیں ، وہ اپنے رب سے مانگتے ہیں تو ان پر دیکھنے والوں کو ترس آتا ہے ۔

**اللہ کی مدد** صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اندر وہ تمام اوصاف پیدا کر لیے تھے جو ایک کامل مجاہد کے لیے ضروری ہیں اور جب یہ اوصاف پیدا ہو گئے تو اللہ کی نصرت ان کے شامل حال ہو گئی وہ تھوڑے ہوتے تھے مگر بڑے بڑے لشکروں کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے تھے ،

ان کی مدد کے لئے فرشتے نازل ہوتے تھے

| | |
|---|---|
| اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ | جب تو کہنے لگا مسلمانوں کو کیا تم کو کافی نہیں کہ تمہاری مدد کو بھیجے رب تمہارا تین ہزار فرشتے آسمان سے اترنے والے |

ان کے پاس زادِ راہ کی قلت ہو جاتی تھی تو اللہ تعالیٰ تھوڑے میں برکت عطا فرما دیتا تھا،

ان کا توشہ ختم ہو جاتا تو ربّ کریم سمندر سے ان کے لئے مچھلی نکال دیتا تھا جو مہینہ بھر ختم نہیں ہوتی تھی،

وہ راستہ بھول جاتے تھے تو شیر اور چیتے ان کی رہنمائی کرتے تھے،

وہ جنگل میں بسیرا کرنا چاہتے تھے تو درندوں اور چرندوں کو حکم دیتے تھے تو وہ ان کے لئے جنگل خالی کر دیتے تھے۔

حضرت عقبہؓ بن نافع کا مشہور واقعہ ہے جسے امام ابن اثیر نے "الکامل" میں، طبری نے تاریخ الطبری میں اور قزوینی نے "آثار البلاد" میں نقل کیا ہے۔

حضرت عقبہؓ نے افریقہ میں فتوحات کے جھنڈے گاڑنے کے بعد مسلمانوں کے لیے ایک شہر بسانے کا ارادہ کیا مگر جس جنگل کو اس مقصد کے لئے چنا گیا وہ درندوں اور حشرات الارض سے بھرا ہوا تھا آپ کے ساتھیوں کو اس پر اشکال تھا مگر انہوں نے لشکر میں موجود تمام صحابہ کرامؓ کو جمع کیا۔ جو کہ اٹھارہ تھے، ان صحابہ کے ساتھ مل کر پہلے تو اللہ سے دعا کی، پھر خطاب کیا ـــــ کس سے خطاب ؟ جنگل کے درندوں سے ! اللہ چاہے تو جنگل کے درندوں کو بھی انسانی آواز کا مفہوم سمجھا سکتا ہے، آپ نے فرمایا :

| | |
|---|---|
| اَیَّتُھَا السِّبَاعُ وَالْحَشَرَاتُ نَحْنُ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِرْحَلُوْا عَنَّا فَاِنَّا نَازِلُوْنَ فَمَنْ وَجَدْنَاہُ بَعْدُ قَتَلْنَاہُ۔ | اے درندو اور کیڑو! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں لہٰذا تم یہاں سے کوچ کر جاؤ، اس کے بعد تم میں سے جو کوئی یہاں نظر آئے گا ہم اُسے قتل کر دیں گے۔ |

اس دن افریقہ کے وحشی بربروں نے بڑا عجیب نظارہ دیکھا، اس اعلان کا

سُننا تھا کہ بے شعور اور بے سمجھ شیر، بھیڑیئے اور سانپ اپنے اپنے بچوں کو اٹھائے ہوئے ٹولیوں کی شکل میں جنگل خالی کر کے جا رہے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر بہت سے بربری مسلمان ہو گئے۔

وہ دریاؤں کو عبور کرنا چاہتے تھے تو دریا ان کے لیے پایاب ہو جاتے تھے۔

امام اصبہانیؒ نے "دلائل النبوۃ" میں اور امام سبکیؒ نے "طبقات الشافعیہ" میں حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء بن الحضرمیؓ کی قیادت میں چار ہزار مجاہدین کا لشکر بحرین کی طرف روانہ کیا، راستے میں دریا پڑتا تھا اور دریا عبور کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی کشتی بھی نہیں تھی، حضرت علاءؓ نے دو رکعت نماز پڑھ کر اُس اللہ سے دعا مانگی جو سمندروں اور دریاؤں کا بھی مالک ہے اور پھر تمام مجاہدین کو حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر دریا عبور کر جاؤ۔

چنانچہ سارا لشکر دریا پار کر گیا لیکن حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اونٹوں اور گھوڑوں کے پاؤں کے تلوے بھی گیلے نہیں ہوئے۔

فاتحِ ایران حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ انہوں نے بھی اللہ سے دعا کرنے کے بعد دریائے دجلہ کو بغیر کشتیوں کے عبور کر لیا تھا اور ایرانی، محمد عربیؐ کے غلاموں کو اس حالت میں دیکھ کر گھبرا اُٹھے تھے اور یہ کہتے ہوئے بھاگ گئے تھے کہ "دیوان آمدند دیوان آمدند" ہمارے پیچھے تو دیو اور جنات آرہے ہیں جو دریاؤں کو بھی بغیر کشتیوں کے عبور کر لیتے ہیں۔

**تب نصرت اُترے گی** میرے بزرگو اور دوستو! یہ تھے حقیقی اور اصلی مجاہدین! اور اُن پر اُترتی تھی اللہ کی نصرت!

اُن کی مدد کے لیے آتے تھے فرشتے!

ان کے لیے پایاب ہوتے تھے سمندر!
ان کے لیے جنگل خالی کرتے تھے درندے اور چرندے!
آج ہم میں سے ہر ایک شکوہ کناں ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں اور ہندوؤں کا ظلم حد سے بڑھ گیا ہے مگر اللہ کی نصرت نہیں آتی
ہم دعائیں کرتے ہیں مگر قبول نہیں ہوتیں،
ہمارے نعروں سے دشمن پر ہیبت طاری نہیں ہوتی۔
اللہ کے بندو! تھوڑی دیر کے لیے اس نکتے پر بھی تو غور کرو کہ کیا واقعی ہم اس قابل ہیں کہ بدر و حنین کے مجاھدوں کی طرح ہمارے لیے بھی فرشتے اتریں اور معجزے اور کرامتیں ظاہر ہوں۔
میں اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ عورت کی حکمرانی کی وجہ سے علماء پریشان ہیں، دیندار طبقہ پریشان ہے، اخبارات میں بیانات آرہے ہیں، رسالوں میں اس کے خلاف اداریے لکھے جارہے ہیں، جلسے اور جلوس ہو رہے ہیں مگر کبھی ہم نے یہ بھی سوچا کہ کیا ہم اس قابل ہیں کہ ہمارا حکمران کوئی نیک انسان ہو، کوئی ابوبکرؓ و عمرؓ کا سچا غلام ہو کوئی عمر بن عبدالعزیزؒ کا نام لیوا ہو۔
اپنے آپ کو درست کرلو، اپنی غلطیوں کی اصلاح کرلو، اپنے آپ کو محمد عربی کا سچا غلام بنالو انشاء اللہ ہمارا جو حکمران بنے گا وہ بھی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوگا۔
میں اسی بات کو بنیاد بنا کر عرض کروں گا کہ اگر ہم اپنے اندر مجاہدینِ سابقین والے اوصاف پیدا کرلیں تو انشاء اللہ فرشتے ہماری مدد کے لئے اتریں گے۔
زمین ہماری موافقت کرے گی،
آسمان ساتھ دے گا،

جنگل کے درندے ہماری بات سُنیں گے ،

بیت المقدس آزاد ہوگا ،

ہندو بنیا ذلیل و خوار ہوگا ،

کشمیر فتح ہوگا ،

سربیا کی فوجوں کو شکست ہوگی ۔

اور اگر ہم اپنے اندر یہ اوصاف پیدا نہ کرسکے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی مدد کا مستحق نہ بنا سکے تو پھر ذلت ہی ذلت ہے ، خواری ہی خواری ہے ، ناکامی ہی ناکامی ہے ۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو سچا اور کامل مجاھد بننے اور جہاد میں دامے ، درمے قدمے سخنے حصّہ لینے کی توفیق نصیب فرمائے ۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

# قیامت

تجھ کو غافل! فکرِ عقبیٰ کچھ نہیں
کھا نہ دھوکا عیشِ دنیا کچھ نہیں
زندگیِ چند روزہ کچھ نہیں
کچھ نہیں اس کا بھروسہ کچھ نہیں

آخرت کی فکر کرنی ضرور ہے
جیسی کرنی ویسی بھرنی ضرور ہے
عمر یہ اک دن گذرنی ضرور ہے
قبر میں میّت اترنی ضرور ہے

خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ

" اسی طرح ماضی پر نظر ڈالیں تو آپ کو کوئی ایسی خبر یاد آئے گی جو سال بھر کی خبروں میں سے سب سے نمایاں خبر ہوگی یا اس دورانیے کو مزید بڑھائیں تو کوئی ایسی خبر بھی ہوگی جو اس صدی کی سب سے بڑی خبر ہوگی۔

لیکن اگر اس دنیا کی ابتداء سے لے کر انتہا تک پیش آنے والی بڑی بڑی ساری خبریں جمع کی جائیں ۔ آدم کی تخلیق اور سجودِ ملائکہ کی خبر، ابلیس کے انکار اور مردود ہونے خبر، آدمؑ کے جنت سے زمین پر اترنے کی خبر، قابیل کی درندگی اور خونریزی کی خبر، طوفانِ نوح کی ہلاکت سامانیوں کی خبر، قومِ عاد پر صرصر کے عذاب کی خبر، قومِ ثمود کو موت کی وادیوں میں سُلا دینے والی چنگھاڑ کی خبر، قومِ لوط پر نشان زدہ پتھر برسنے کی خبر، قومِ شعیب پر سائبان چھانے اور آتش باری کی خبر، فرعون اور قارون کے عبرت ناک انجام کی خبر، عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے کی خبر، ابراہیم علیہ السلام کی ابتلاؤں اور آزمائشوں کی خبر، اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کی خبر، بدر و اُحد اور خندق و حنین کے معرکوں کی خبر، مہدی علیہ السلام اور قتلِ دجّال کی خبر، عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی خبر،

غرضیکہ ان جیسی تمام بڑی بڑی خبریں اگر جمع کی جائیں تو ان میں سب سے بڑی خبر قیامت کے وقوع کی ہوگی۔ وہ اتنی بڑی خبر ہے کہ اس کے مقابلے میں ساری خبریں ہیچ ہیں، یہ خبر ساری خبروں پر چھا جائے گی۔"

# قیامت

نحمدہٗ ونصلی علی سیدنا ورسولنا الکریم اما بعد
فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ

سورۃ الانفطار

جب آسمان پھٹ جائیں گے اور جب ستارے بکھر جائیں گے اور جب سمندر چلائے جائیں گے۔ اور جب قبر کے لوگ زندہ کئے جائیں گے اس وقت ہر نفس جان لے گا جو کچھ اس نے آگے اور پیچھے بھیجا ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا ذَكَرَتِ النَّارَ فَبَكَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يُبْكِيكِ قَالَتْ ذَكَرْتُ النَّارَ فَبَكَيْتُ فَهَلْ تَذْكُرُونَ أَهْلِيكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہیں دوزخ کی یاد آئی تو وہ رو پڑیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہیں کس چیز نے رُلا دیا، انہوں نے عرض کیا میں نے دوزخ کو یاد کیا تو میں رو پڑی، تو کیا آپ قیامت کے دن اپنے اہل وعیال کو بھی یاد رکھیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین مقامات پر کوئی کسی کو یاد

| | |
|---|---|
| اَمَّا فِی ثَلَاثَۃِ مَوَاطِنَ فَلَا یَذْکُرُ اَحَدٌ اَحَدًا۔ عِنْدَ الْمِیْزَانِ حَتّٰی یَعْلَمَ اَیَخِفُّ مِیْزَانُہٗ اَوْ یَثْقُلُ وَعِنْدَ الْکِتَابِ حِیْنَ یُقَالُ ھَاؤُمُ اقْرَءُوْا کِتَابِیَہْ حَتّٰی یَعْلَمَ اَیْنَ یَقَعُ کِتَابُہٗ اَمْ فِیْ یَمِیْنِہٖ اَمْ فِیْ شِمَالِہٖ مِنْ وَّرَآءِ ظَھْرِہٖ وَعِنْدَ الصِّرَاطِ حَتّٰی اِذَا وُضِعَ بَیْنَ ظَھْرَیْ جَھَنَّمَ۔ (رواہ ابوداؤد) | نہیں رکھے گا (اول) میزان کے وقت جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ اس کے اعمال (میزان) ہلکا ہے یا بھاری ہے (دوم) نامۂ اعمال دیئے جانے کے وقت جس وقت کہ کہا جائے گا لو پڑھو میرا اعمال نامہ جب تک کہ وہ جان نہ لے کہ اس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یا پیٹھ کے پیچھے سے، بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا۔ اور پل صراط کے وقت جب تک اسے جہنم کے سامنے رکھا جائے گا |

محترم حاضرین! مسلمانوں بلکہ آسمانی مذاہب کو ماننے والے قوموں کا اس بات پر ایمان ہے کہ زندگی صرف دنیا کی زندگی نہیں ہے بلکہ یہ تو عارضی اور فانی زندگی ہے، اس زندگی کے اختتام پر حقیقی اور دائمی زندگی کا آغاز ہوگا اور اس کی ابتدا تو ہوگی مگر انتہا نہیں ہوگی

مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان تفصیلات کا تو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی کے وجود پر تقریباً سب کا اتفاق ہے مگر اسلام میں آخرت پر ایمان کی جتنی تاکید ہے اتنی تاکید کسی دوسرے مذہب میں نہیں۔ اسی طرح برزخ اور قیامت کی جتنی تفصیلات قرآن حکیم اور احادیث نبویہ میں بیان کی گئی ہیں ان تفصیلات کا عشر عشیر بھی تورات و انجیل اور دوسری کتابوں میں نہیں ملتا۔

قرآن حکیم کو اٹھا کر دیکھیں تو ایمان باللہ کے بعد سب سے زیادہ زور ایمان بالآخرت پر ہی آپ کو ملے گا۔ کیونکہ موجودہ دنیا کے تمام اعمال اور اُن کے

نتائج کی اصلی بنیاد اسی آنے والی زندگی پر قائم ہے، اگر یہ بنیاد کمزور ہو جائے تو اعمال میں جان نہیں رہے گی بلکہ اعمال ہی کہاں رہیں گے؟ انسان شترِ بے مہار اور بے باک ہو جائے گا۔ وہ اس ملحدانہ سوچ کو اپنا لے گا کہ:

ع اکبر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

جب انسان کے دل میں یہ سوچ اور یہ عقیدہ بیٹھ جائے گا کہ نہ تو مرنے کے بعد مجھے دوبارہ زندہ ہونا ہے اور نہ ہی اپنے کیے کا حساب کسی کو دینا ہے تو پھر اسے لوٹ کھسوٹ سے، ظلم اور زیادتی سے، دھوکہ اور فریب سے، رشوت اور حرام خوری سے کوئی چیز نہیں روک سکے گی، وہ وحشی درندہ بن جائے گا، وہ ڈاکو، لٹیرا، ظالم، قاتل اور بے خوف ستمگر بن جاتے گا۔ وہ فرعون، قارون اور ہامان بن جائے گا، وہ نمرود، شداد اور ابوجہل بن جائے گا۔ وہ ہلاکو، چنگیز خان، ہٹلر اور نپولین بن جائے گا۔

ربِّ کریم قرآن حکیم میں خود فرماتے ہیں:

فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ تو جو لوگ آخرت کا یقین نہیں کرتے ان کے دل نہیں مانتے اور وہ غرور میں مبتلا ہیں۔ (سورہ النحل)

اسی لیے مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کریں جس کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ روزِ جزا کا مالک۔ تاکہ اسلام کے ماننے والوں کے دلوں میں روزِ جزا کا تصور اچھی طرح بیٹھ جائے کیونکہ اگر دلوں سے یہ تصور نکل گیا تو انسان، انسانیت سے بھی نکل جائے گا وہ وحشت اور بربریت کا پیکر بن جائے گا۔

**ایمان بالآخرت کا نتیجہ** لیکن اس کے برعکس جس شخص کا آخرت پر، دل

کے حساب و کتاب پر، سوال و جواب پر اور جزا و سزا پر ایمان ہے اس کی زندگی بالکل مختلف ہوگی، اس کی سوچ مختلف ہوگی، اس کا طرزِ عمل مختلف ہوگا ممکن ہے کبھی تغافل کی وجہ سے اس سے بھی غلطی ہوجائے، ممکن ہے وہ بھی بتقاضائے بشریت گناہ کر بیٹھے لیکن جب اسے قیامت کا منظر یاد دلایا جائے گا اور جب اسے وہاں کی جزا و سزا کا احساس دلایا جائے گا تو وہ کانپ اُٹھے گا اور فوراً اپنی غلطی کی تلافی کے لیے تیار ہو جائے گا۔

سلطان ملک شاہ کا مشہور واقعہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ اصفہان میں جنگل میں شکار کھیل رہا تھا، کسی گاؤں میں اس کا قیام ہوا، وہاں ایک غریب بیوہ کی گائے تھی جس کے دودھ سے تین بچوں کی پرورش ہوتی تھی، بادشاہ کے ملازموں نے اسے ذبح کر کے خوب کباب بنائے، غریب بڑھیا کو خبر ہوئی وہ بدحواس ہوگئی بادشاہ کے آدمیوں کا مقابلہ کرنا آسان نہ تھا، ان میں سے کوئی فریاد سننے کے لئے بھی تیار نہ تھا، عوام میں کوئی ایسا بااثر شخص نہ تھا جو ایک لاوارث غریب بیوہ کا ساتھ دیتا، ساری رات اس نے پریشانی میں کاٹی، صبح ہوئی دل میں خیال آیا میں براہِ راست بادشاہ سے کیوں نہ بات کروں آخر اللہ نے اسے اتنی بڑی سلطنت اسی لیے تو دی ہے کہ وہ مظلوموں کی دادرسی کرے اور ظالموں سے ان کی حفاظت کرے۔ اس نے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کی کوشش کی مگر شاہی محافظوں نے ایک غریب بڑھیا کی بادشاہ تک پہنچنے کی ہر کوشش ناکام بنا دی۔ بڑھیا نے کہیں سے خبر سُن لی کہ بادشاہ فلاں راستے سے شکار کو نکلے گا وہ اصفہان کی مشہور نہر "زندہ رود" کے پل پر جا کر کھڑی ہوگئی، جب بادشاہ کی سواری پُل پر آئی تو بڑھیا نے

جرأت کرکے گھوڑے کی لگام پکڑلی اور بڑی بے باکی سے کہا: "اے الپ ارسلان کے بیٹے کیا خیال ہے میرا انصاف اس پل پر کرو گے یا اُس پُل پر (یعنی پل صراط پر) جو جگہ پسند ہو منتخب کرلو"۔

بادشاہ کے خوشامدی بڑھیا کی یہ بے باکی دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے مگر انہیں زیادہ حیرت تو اس بات پر ہوئی کہ بڑھیا کو ڈانٹنے کے بجائے یوں محسوس ہوا جیسے بادشاہ سناٹے میں آگیا ہو، اس کے چہرے سے اس کی اندرونی کیفیت ظاہر ہورہی تھی وہ فوراً گھوڑے سے اُتر پڑا اور اس نے بڑھیا سے کہا اماں پل صراط کی طاقت میرے اندر کہاں، میں اسی جگہ فیصلہ کرنا چاہتا ہوں بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے۔

بڑھیا نے سارا قصہ کہہ سُنایا، بادشاہ نے لشکریوں کو اس نالائق حرکت پر سرزنش کی اور اُسی وقت ایک گائے کے عوض ستّر گائیں دینے کا حکم دیا، بڑھیا مطمئن اور خوش ہوکر اسے دعائیں دینے لگی جب کہیں بادشاہ سواری پر سوار ہوا۔

سلطان ملک شاہ پر اس بڑھیا کی بات کا اثر یہ ان کے ایمان بالآخرت کا نتیجہ تھا، اگر آخرت پر ان کا ایمان نہ ہوتا تو وہ بادشاہی کے نشہ میں مخمور ہوکر کہہ سکتے تھے جاؤ مجھے نہ اِس پُل کی پرواہ ہے اور نہ اُس پُل کی لیکن روزِ قیامت پر یقین کی وجہ سے وہ بڑھیا کی بات سے لرز اٹھے اور انہوں نے اس پر ہونے والی زیادتی کا فوراً ازالہ کردیا۔

**کایا پلٹ جملہ** قیامت پر یقین رکھنے والے ایسے ہی ایک اور بادشاہ کا سچا واقعہ ہے جن کی زندگی کی کایا صرف ایک جملے نے پلٹ کر رکھدی تھی جن کا نام شیخ حمید الدین ابو حاکم قریشی تھا وہ ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے جو

کیچ اور مکران کے علاقہ پر حکومت کر رہا تھا اپنے والد سلطان بہاؤ الدین کے انتقال کے بعد وہ تخت سلطنت پر بیٹھے اور ۱۲ سال تک شان وشوکت کے ساتھ حکومت کی۔ "ذکر کرام" میں ان کے واقعات کے ذیل میں لکھا ہے کہ شیخ حمید الدین کے ساتھ ایک چھوٹا سا واقعہ پیش آیا جس نے ان کی زندگی کا رُخ بدل دیا اور سلطان کے بجائے ان کو شیخ بنا دیا

شیخ حمید الدین اپنی حکومت کے زمانہ میں دوپہر کو اپنے باغ میں قیلولہ کیا کرتے تھے اس باغ میں ان کا ایک محل تھا، اس محل کی نگرانی زینت نامی ایک خادمہ کی سپرد تھی اس خادمہ کے ذمہ یہ کام تھا کہ ہر روز وقت پر بستر بچھادے تاکہ شیخ حمید الدین آکر اس پر آرام کر سکیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز شیخ حمید الدین کے آنے سے پہلے خادمہ نے بستر بچھایا تو اس کو بستر بہت اچھا لگا وہ اس پر کچھ دیر لیٹ گئی ابھی وہ بستر سے اٹھی نہیں تھی کہ اس کو نیند آگئی شیخ حمید الدین جب معمول کے مطابق آرام کرنے کے لئے محل پہنچے تو دیکھا کہ خادمہ زینت بستر پر پڑی سو رہی ہے۔ سلطان نے بستر پر خادمہ کو سویا ہوا دیکھا تو نہیں غصہ آگیا انہوں نے حکم دیا کہ اس گستاخی پر خادمہ کو سو کوڑوں کی سزا دیجائے حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور خادمہ کو کوڑے مارے جانے لگے مگر شیخ حمید الدین کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ خادمہ آہ و واویلا نہیں کر رہی ہے بلکہ ہر کوڑے پر ہنس پڑتی ہے انہوں نے سزا روک کر خادمہ کو بلایا اور اس سے خلافِ معمول ہنسنے کی وجہ پوچھی خادمہ نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا:

مجھے خیال آیا کہ جب اس نرم بستر پر ایک بے اختیارانہ نیند کی یہ سزا ہے تو ان لوگوں کا انجام کیا ہوگا جو روزانہ اس نرم بستر پر آرام کرتے ہیں۔

خادمہ کے اس جواب کا شیخ حمید الدین پر اتنا اثر ہوا کہ ان کی زندگی بالکل

بدل گئی۔ وہ دنیا اور اس کی لذتوں سے بے رغبت ہو گئے یہاں تک کہ درویشی کی زندگی اختیار کر لی، سلطنت چھوڑ کر شیخ حمید الدین لاہور آئے یہاں حضرت سید احمد توختہ (جو ان کے نانا بھی ہوتے ہیں) کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے ہاتھ پر طریقہ شطاریہ میں بیعت کی اور ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد ان کی خلافت حاصل کی۔ شیخ حمید الدین نے ۱۶۷ سال کی عمر پائی، آخر عمر میں وہ اوچ اور سکھر کے درمیانی علاقہ میں تبلیغ و ارشاد کا کام کرتے رہے۔ اس علاقہ میں بہت سے لوگ ان کے ہاتھ پر ایمان لائے۔

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ قیامت پر اگر سچا ایمان ہو تو یہ ایمان انسان کو بہت سی برائیوں سے روک لیتا ہے اور بیسیوں اچھائیوں اور اعمالِ صالحہ پر اُسے آمادہ کرتا ہے۔ اسی لیے قرآن حکیم میں ایمان باللہ کے بعد سب سے زیادہ زور ایمان بالآخرت پر دیا گیا ہے، انداز بدل بدل کر، الفاظ اور عنوان بدل بدل کر بار بار قیامت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ربِ کریم نے قسمیں اٹھا اٹھا کر انسان کو وقوعِ قیامت کا یقین دلایا ہے۔ سورۂ ذاریات میں چار قسمیں اٹھا کر اور سورۂ مرسلات میں پانچ قسمیں اٹھا کر فرمایا:

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝ — بے شک وہ (قیامت) جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سچ ہے

سورۂ یونس میں فرمایا: اے نبی یہ تجھ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ کیا وہ حق ہے، آپ فرما دیں:

اِیْ وَرَبِّیْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ۝ — ہاں! مجھے اپنے پروردگار کی قسم بیشک وہ حق ہے اور تم ہمیں عاجز کرنے والے نہیں۔

ایمان بالآخرت کے عقیدے کو اتنی تاکید اتنے زور اور اتنے تکرار کے ساتھ بیان کرنے کی وجہ یہی ہے کہ جب تک جنت دوزخ اور حشر و نشر پر یقین نہیں ہوگا اس وقت تک ماموراتِ کو ماننے اور منہیات کو چھوڑنے کا صحیح جذبہ دل میں پیدا نہیں ہوگا۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حلال و حرام کے احکام سے پہلے ربِّ کریم نے جنّت و دوزخ کی آیات اس لیے اتاریں کہ ترغیب و ترہیب دونوں طریقوں سے قرآن کے مخاطبین کو عمل پر آمادہ کر لیا جائے۔ اگر ایسے نہ کیا جاتا تو وہ آسانی سے عمل پر آمادہ نہ ہوتے۔

بخاری شریف جلد دوم میں ہے سیّدہ رضؓ فرماتی ہیں:

"پہلے ایک بڑی سورۃ نازل ہوئی جس میں جنت و دوزخ کا بیان ہے، یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تب حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے۔ اور اگر پہلے ہی یہ حکم اترتا کہ شراب نہ پیو، بدکاری نہ کرو تو لوگ نہ مانتے۔ یہ آیت

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ۝ — بلکہ ان کے وعدہ کا وقت قیامت کی گھڑی ہے اور قیامت کی گھڑی نہایت مصیبت کی اور تلخ ہوگی۔

مکہ معظمہ میں اتری ـــــــ اور میں اس وقت کم عمر بچی تھی کھیلتی کودتی تھی اور سورۃ البقرۃ اور سورۃ النساء جن میں احکام ہیں یہ اس وقت اتریں جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے لگی تھی۔

**عدل کا تقاضا** یاد رکھئے قیامت کا وقوع اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کا بھی تقاضا ہے کیونکہ اس دنیا میں کتنے ہی ایسے ظالم اور جفاکار گذرے ہیں جو ساری

زندگی بے کس انسانوں پر ظلم بھی ڈھاتے رہے اور عیاشیاں بھی کرتے رہے انہیں ان کے ظلم کی پوری طرح سزا نہیں مل سکی۔ حلال اور حرام طریقے سے سونے اور چاندی سے اپنی تجوریوں کو بھرنے والے کتنے ہی ساہوکار ایسے ہیں جنھوں نے زندگی بھر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ایک حکم پر بھی عمل نہیں کیا لیکن انہیں دنیا میں ہر طرح کی سہولتیں اور آسانیاں حاصل رہیں اور ان کے مقابلے میں کتنے ہی اللہ والے ہیں جن میں سے کسی نے اللہ کی رضا کے لئے وطن چھوڑا کسی نے اہل وعیال کو چھوڑا، کسی نے جان کا نذرانہ پیش کیا پھر ان میں سے کوئی ایسا تھا جس کی زندگی بھر تہجد قضا نہیں ہوئی. کوئی صائم الدہر تھا، کوئی مرتے دم تک دعوت و تبلیغ اور جہاد کے میدان میں سرگرم عمل رہا لیکن ان میں سے اکثر مادی پریشانیوں کے شکار رہے۔ نہ انہیں پہننے کو ڈھنگ کا لباس ملا نہ پیٹ بھر کر کھانا میسّر آیا نہ ہی کوئی راحت بخش مکان ملا، ان کی ساری زندگی تکلیفوں پریشانیوں اور آزمائشوں میں گذر گئی۔

اگر زندگی صرف دنیا کی زندگی ہوتی جس کا آغاز بھی اس دنیا میں ہوتا اور اختتام بھی اسی دنیا میں ہو جاتا، نہ کوئی دار الجزا ہوتا اور نہ ہی دار الحساب ہوتا، نہ حشر نشر ہوتا، نہ حساب کتاب ہوتا، نہ جنت ہوتی نہ دوزخ ہوتی۔ تو اس کا مطلب معاذ اللہ ثم معاذ اللہ یہ ہوتا کہ اللہ نے عدل کا معاملہ نہیں کیا، نہ بُروں کو سزا ملی نہ نیکوں کو جزا ملی۔ حالانکہ اللہ عادل ہے وہ خود بھی عدل کرتا ہے اور انسانوں کو بھی عدل کی تلقین کرتا ہے اور اس کی نظر میں اچھا انسان اچھا حکمران اور اچھا منصف وہی ہے جو عدل کرے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ سے ڈرنے والے حکمران اور قاضی اپنے ناقص علم کے مطابق عدل کرتے ہیں اور اچھوں اور بُروں کو ان کے اعمال کی جزا اور سزا دیتے بھی رہتے ہیں۔

تو پھر آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ ذات جو عالم الغیب ہے، وہ جو ظالم اور

مظلوم کو ہم سے کہیں زیادہ اچھی طرح جانتا ہے، وہ جو عدل کا خالق اور عادلوں کو عظمتوں سے نوازنے والا ہے، وہ جو ظلم سے روکنے والا اور ظالموں کی گردنیں توڑنے والا ہے کیا وہ نیکوں کو جزا اور بدوں کو سزا دے کر اپنے عدل وانصاف کا ثبوت نہیں دے گا؟ اس حقیقت کو خود احکم الحاکمین نے قرآن کریم میں یوں واضح کیا ہے ؛

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ○

کیا انہوں نے جنہوں نے گناہ کمائے یہ خیال کیا ہے کہ ہم ان کو ان کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے، ان دونوں کی موت اور زندگی برابر ہوگی، ان کا یہ خیال بُرا ہے۔

تو محترم حاضرین! قیامت کا وقوع تو یقینی ہے خواہ اسے اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کا تقاضا کہیں یا کچھ اور، یہ بات طے شدہ ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب یہ بزم کائنات درہم برہم ہو جائے گی، یہ بلند وبالا عمارتیں پیوندِ خاک ہو جائیں گی آسمان وزمین کے کُرّے ٹکرا کر چور چور ہو جائیں گے پھر ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا ہوگا۔

وہاں کا نظام اس دنیا کے نظام سے مختلف ہوگا۔
وہاں کی زندگی یہاں کی زندگی سے مختلف ہوگی،
وہاں کی نعمتیں یہاں کی نعمتوں سے نرالی ہوں گی،
وہاں کی سزائیں یہاں کی سزاؤں سے شدید تر ہوں گی۔

**ایمان بالغیب** ہمیں ان سب باتوں کا یقین ہے اور بغیر کسی دلیل کے یقین ہے اگرچہ اب سائنسدان اور فلاسفر بھی کائنات میں وقوع پذیر ہونے والے اس عظیم حادثے کو ماننے لگے ہیں۔ وہ برسوں کی ریسرچ اور تحقیق کے بعد اعتراف کر رہے ہیں کہ ہاں ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب کائنات کی یہ سجی سجائی محفل درہم برہم ہو جائیگی جو کچھ ہمیں نظر آرہا ہے یہ سب کچھ نہیں رہے گا۔ ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ دنیا کا

نظام سورج کی گرمی سے چل رہا ہے لیکن ایک وقت آئے گا جب یہ انجن بالکل ٹھنڈا ہوجائے گا اور دنیا کی گاڑی نہیں چل سکے گی بلکہ ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔

کوئی کہتا ہے ایک وقت آئے گا جب سیارے ایک دوسرے کے بہت قریب آجائیں گے اور ان کے آپس میں ٹکرانے سے سب کچھ ختم ہو جائے گا۔

کسی کا خیال ہے کہ اس فضا میں کروڑوں ستارے تیر رہے ہیں، ممکن ہے کسی زمانے میں ہماری زمین کسی ستارے سے ٹکرا کر چور چور ہو جائے۔ پتہ نہیں سائنسدان اس ٹکراؤ اور اس حادثے کا کیا نام رکھتے ہوں گے، وہ اسے قیامت کہتے ہوں گے یا کچھ اور لیکن اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا بلکہ اگر سائنس دان اور فلاسفہ اور دوسرے لوگ سرے سے اس کا انکار ہی کر دیں تو بھی کچھ فرق نہیں پڑتا۔

ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے وقوعِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور صرف اس لئے ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ اور اس کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ ایسا ہوگا۔ ہم فی الوقت اپنی مادی آنکھوں سے اس دوسرے جہان کا مشاہدہ نہیں کر سکتے لیکن اس کے باوجود ہم اُس جہاں پر ایمان بالغیب رکھتے ہیں۔ اگر ہم اس پر ایمان نہ رکھیں تو ہم مسلمان ہو نہیں سکتے۔ اگر کچھ لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں تو ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ قیامت جب آئے گی تو وہ اپنے آپ کو خود منوا لے گی وہ اتنی بڑی اور واضح حقیقت ہوگی کہ اس کا انکار ہو ہی نہیں سکے گا مگر اس وقت کا اعتراف کسی کام نہیں آئے گا۔ سعادت مند ہے وہ شخص جو آج عظیم حقیقت کا اعتراف کرتا ہے اور اس کی تیاری میں لگا ہوا ہے اور بدبخت ہے وہ شخص جو اُس دن کو فراموش کیے ہوئے خرمستیوں میں مصروف ہے۔

**عظیم زلزلہ** | قیامت کا وقوع ایک عظیم ترین زلزلہ ہوگا جو بزمِ ہستی کو زیر و زبر کر دے گا۔ دنیا کے مختلف حصوں میں زلزلے آتے رہے ہیں اور اب بھی آتے ہیں اور

جہاں کہیں زلزلہ آتا ہے وہ آباد شہروں کو چند لمحوں میں وحشت ناک کھنڈروں میں تبدیل کر دیتا ہے۔

سب سے قدیم اور تباہ کن زلزلہ ۱۵۵۶ء میں چین کے صوبہ شنسی میں آیا تھا، جس میں آٹھ لاکھ سے زیادہ انسان ہلاک ہو گئے تھے۔ یہ زلزلے قیامت کا ہلکا سا منظر پیش کرتے ہیں۔ یہ زلزلے اچانک آجاتے ہیں، ان کے وقت کے بارے میں کوئی یقینی پیشنگوئی نہیں کی جا سکتی، زلزلے کے وقت انسان اپنے آپ کو قدرت کے مقابلے میں بے بس پاتا ہے، یہ ہمیں بتاتے ہیں کہ زمین کا مالک زمین کے موجودہ نظام کو توڑنے پر قادر ہے۔

قیامت بھی ایک زلزلہ ہوگا، وہ اچانک وقوع پذیر ہو جائے گا، اس وقوع کی تاریخ متعین نہیں کی جا سکتی مگر وہ عظیم ترین اور بے مثال زلزلہ ہوگا، اس جیسے زلزلے کا انسان نے شاید تصور بھی نہیں کیا ہوگا، وہ جب رونما ہوگا تو سورج بے نور ہو جائے گا، ستارے جھڑ جائیں گے۔

پہاڑ روئی کی طرح اُڑ رہے ہوں گے،
آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا،
زمین اپنا سارا بوجھ باہر نکال پھینکے گی،
سمندر بہا دیئے جائیں گے۔

انسان پریشان پروانوں کی طرح دیوانہ وار پھر رہے ہوں گے، کسی کو کسی کی خبر نہ ہوگی، یہاں تک کہ جان دینے والی ماں بھی دودھ پیتے بچّے کو بھول جائے گی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَاۤ أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ
إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ — تحقیق قیامت کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہے

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ — جس دن دیکھو گے کہ دودھ پلانے والی
عَمَّآ أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ — اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حمل
حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ — والی اپنا حمل ڈال دے گی اور لوگ تجھے نشہ
سُكٰرٰى وَمَا هُم بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ — میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہونگے
عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيدٌ ○ — لیکن اللہ ربّ العزّت کا عذاب بڑا سخت ہے۔

یوں تو ماں اپنے بچوں سے ہر وقت ہی محبّت کرتی ہے خواہ وہ جوان ہو جائیں یا بوڑھے، ماں کے لئے تو وہ بچے ہی ہوتے ہیں، ان کی تکلیف سے اُسے دُکھ ہوتا ہے اور ان کی راحت سے اُسے خوشی ہوتی ہے لیکن بچے کی رضاعت یعنی دودھ پینے کے زمانے میں ماں کی محبّت کچھ سوا ہوتی ہے، وہ اس کی معمولی سی تکلیف پر تڑپ اُٹھتی ہے اور اس کی ذراسی بیماری اس سے دیکھی نہیں جا سکتی۔

مگر قیامت کا منظر کچھ ایسا ہولناک ہوگا کہ ماں جیسی شدید محبت کرنے والی ہستی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھی بھول جائے گی۔

**ایک عبرت انگیز واقعہ** یوں تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ ماں جو خود بھوکی رہ کر بچے کا پیٹ بھرتی ہے، خود دُکھ سہہ کر بچے کو خوشیاں دیتی ہے، بستر گیلا ہو جائے تو وہاں خود سو جاتی ہے اور بچے کو خشک بستر پر سُلا دیتی ہے وہ ماں بچّے کو کیسے بھُلا سکتی ہے لیکن ہمارے سامنے ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں جو قرآن کی سچّائیوں کی تصدیق اور تائید کرتے ہیں۔

پچھلے سال بنگلہ دیش میں طوفانی سیلاب آیا جس کی مختلف خبریں اخبارات میں شائع ہوتی رہیں، ان میں سے ایک خبر یہ تھی کہ ایک شخص سیلاب کے پانی سے بچنے کے لئے درخت کے ساتھ لٹک گیا، اس کے دو معصوم بچے بھی اپنی جان بچانے کے لئے اپنے باپ سے لپٹ گئے اب صورت یہ تھی کہ اگر بچے اس کے ساتھ لپٹے رہتے تو وہ مزید

اوپر چڑھ کر اپنی جان نہیں بچا سکتا تو اس سنگدل باپ نے یوں کیا کہ بچوں کو جھٹکا دے کر سیلابی پانی میں پھینک دیا اور خود اوپر چڑھ کر اپنی جان بچالی آپ اس واقعہ کو تو ایک طرف رکھئے، عام زندگی میں دیکھ لیجئے کتنے ہی تعیّش پرست اور آرام طلب والدین ہیں جو اپنے معصوم بچوں کو اپنی خواہشات کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں - بچّہ مزدوری کرتا ہے باپ بیٹھ کر مزے سے کھاتا ہے ، بچہ بھیک مانگتا ہے اور باپ اپنا ہیروئن کا نشہ پورا کرتا ہے - بلکہ اخبارات میں کثرت کے ساتھ ایسی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں کہ بعض اوقات والدین اپنے معصوم بچوں کو اور نوجوان بیٹیوں کو بیچ دیتے ہیں جب اس دنیا میں انسان اتنا خود غرض بن جاتا ہے کہ اپنے بچوں کو غرق کر کے اپنے آپ کو بچالیتا ہے ، اپنے بچوں کو مشقت میں ڈال کر خود مزے اڑاتے ہیں ، بچوں سے بھیک منگوا کر خود ہیروئن پیتے ہیں ، بچوں کو بیچ کر اپنے پیٹ کی آگ بجھاتے ہیں ، حالانکہ اس دنیا کی غربت ، فقیری ، مجبوری اور بیماری ، پریشانی اور تکلیف سب عارضی ہیں تو جو انسان ان عارضی پریشانیوں کے لئے خود غرض بن سکتا ہے تو کیا یہ اُس عالم میں خود غرض نہیں بنے گا جہاں کی تکلیف حقیقی تکلیف ، جہاں کی پریشانی دائمی پریشانی اور جہاں کی ناکامی ہمیشہ کی ناکامی ہوگی ، وہاں نفسا نفسی کا عالم ہوگا ، کشاکش ہوگی ، آپا دھاپی ہوگی ، خوف اور بے چینی ہوگی - انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے جسموں پر لرزہ طاری ہوگا قیامت کا حادثہ کائنات کے آغاز سے لیکر کائنات کے اختتام تک پیش آنے والے حادثات میں سب سے بڑا حادثہ ہوگا -

**سب سے بڑی خبر** | قرآن نے اسے " نبأ عظیم " قرار دیا ہے حالانکہ عربی لغت میں صرف " نبأ " کا معنی بھی بڑی خبر ہے ، لیکن اس کے باوجود قیامت کے حادثے کی بڑائی اور ہولناکی بتانے کے لئے " نبأ " کے ساتھ " عظیم " کو صفت

کے طور پر بھی ذکر کیا ہے کیونکہ واقعۃً وہ بہت بڑی اور سب سے بڑی خبر ہے ۔

آپ میں سے اکثر حضرات روزانہ اخبار دیکھتے ہیں، بعض تو ایسے شوقین ہوتے ہیں کہ انہیں اخبار دیکھے بغیر چین ہی نہیں آتا ۔ ہمارے ہاں ایک بزرگ ہیں وہ اخبار کے انتظار میں باہر سڑک پر ٹہلتے رہتے ہیں، کوئی محبوب کا اتنا انتظار نہیں کرتا ہوگا جتنا وہ اخبار کا انتظار کرتے ہیں ۔ بہرحال اخبار مختلف خبروں پر مشتمل ہوتا ہے، لیکن کوئی ایک خبر ایسی بھی ہوتی ہے جو اس دن کی سب سے بڑی خبر ہوتی ہے ۔ مثلاً کسی کی موت کی خبر، ایکسیڈنٹ کی خبر، سیلاب کی خبر، کسی صدر یا وزیراعظم کے معزول ہونے کی خبر، کسی ملک کے حملہ کرنے کی خبر !

یہ تو ہر روز کے اخبار کا معاملہ ہوتا ہے مگر فرض کیجئے کہ اخبار پورے ہفتے میں یا مہینے میں صرف ایک بار شائع ہو تو اس میں کوئی ایک خبر ایسی ہوگی جو اس ہفتے یا مہینے کی سب سے بڑی خبر ہوگی ۔

اسی طرح ماضی پر نظر ڈالیں تو آپ کو کوئی ایسی خبر یاد آئے گی جو سال بھر کی خبروں میں سے سب سے نمایاں خبر ہوگی یا اس دورانیے کو مزید بڑھائیں تو کوئی ایسی خبر بھی ہوگی جو اس صدی کی سب سے بڑی خبر ہوگی ۔

لیکن اگر اس دنیا کی ابتداء سے لے کر انتہا تک پیش آنے والی بڑی بڑی ساری خبریں جمع کی جائیں ،

آدمؑ کی تخلیق اور سجودِ ملائکہ کی خبر ،

ابلیس کے انکار اور مردود ہونے کی خبر،

آدمؑ کے جنّت سے زمین پر اترنے کی خبر ،

قابیل کی درندگی اور خونریزی کی خبر ،

طوفانِ نوحؑ کی ہلاکت سامانیوں کی خبر ،

قومِ عاد پر صرصر کے عذاب کی خبر،
قومِ ثمود کو موت کی وادیوں میں سُلا دینے والی چنگھاڑ کی خبر،
قومِ لوطؑ پر نشان زدہ پتھر برسنے کی خبر،
قومِ شعیبؑ پر سائباں چھانے اور آتش باری کی خبر،
فرعون اور قارون کے عبرت ناک انجام کی خبر،
عیسٰی علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کی خبر،
ابراھیم علیہ السلام کی ابتلاؤں اور آزمائشوں کی خبر،
اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کی خبر،
بدر و اُحد اور خندق و حُنین کے معرکوں کی خبر،
مہدی علیہ السلام اور قتلِ دجّال کی خبر،
عیسٰی علیہ السلام کے نزول کی خبر،

غرضیکہ ان جیسی تمام بڑی بڑی خبریں اگر جمع کی جائیں تو ان میں سب سے بڑی خبر قیامت کے وقوع کی ہوگی۔ وہ اتنی بڑی خبر ہے کہ اس کے مقابلے میں ساری خبریں ہیچ ہیں، یہ خبر ساری خبروں پر چھا جائے گی، اتفاق سے قیامت کے ناموں میں سے ایک نام "الغاشیہ" بھی ہے جس کا معنی ہے چھا جانے والی اور واقعتہً ہر چیز پر چھا جائے گی، کوئی چیز بھی اس کے حصار سے باہر نہیں رہے گی۔

وہ زمین و زمان پر چھا جائے گی،
وہ کون و مکان پر چھا جائے گی،
وہ فضا اور آسمان پر چھا جائے گی
وہ جن و انسان پر چھا جائے گی۔

وہ ہر ذی نفس حیوان پر چھا جائے گی،
وہ ہر خشک و تر اور بے جان پر چھا جائے گی۔

**کچھ مزید نام** | الغاشیۃ، القیامۃ اور "النبأ العظیم" کے علاوہ قرآن نے اور نام بھی بتائے ہیں۔ قرآن نے اسے

الحق"، کہا ہے کیونکہ نہ تو اس کے آنے میں کوئی شک ہے اور نہ ہی اس دن ہونے والا کوئی فیصلہ غلط ہوگا جو بھی ہوگا حق ہی ہوگا۔

قرآن نے اسے "الآزفۃ" بھی کہا ہے یعنی قریب آجانے والی مصیبت کا دن! ہم اسے خواہ کتنا ہی دور سمجھتے رہیں لیکن حقیقت میں وہ بہت قریب ہے

قرآن نے اسے "یوم عسیر" ——— بھی کہا ہے کیونکہ وہ انسانوں کے لئے بڑا سخت دن ہوگا۔

قرآن نے اسے "یوم الحسرۃ" بھی کہا ہے کیونکہ بُروں کو چھوڑیئے نیکوں کو بھی اس دن حسرت ہوگی، اے کاش! ہم نے زندگی کو مزید قیمتی بنایا ہوتا۔

قرآن نے اسے "یوم التغابن" بھی قرار دیا ہے کیونکہ وہ افسوس کا دن ہوگا۔ بے شمار انسانوں کی زبان پر یٰلَیْتَنِیْ (اے کاش) کے الفاظ ہوں گے مگر ان کا فائدہ کچھ نہیں ہوگا۔

قرآن نے اسے "یوم التلاق" بھی قرار دیا ہے، کیونکہ وہ اگلوں اور پچھلوں اور احباب و اقارب کی ملاقات کا دن ہوگا۔

قرآن نے اسے "یوم التناد" کا نام بھی دیا ہے کیونکہ اس دن کسی کو پکار کر جنت میں داخل ہونے کا اور کسی کو گھسیٹ کر جہنم میں گرانے کا حکم دیا جائیگا

قرآن نے اسے "یوم الفصل" بھی کہا ہے کیونکہ وہ فیصلے کا دن ہوگا، کسی کی کامیابی کا فیصلہ ہوگا اور کسی کی ناکامی کا! اور اس فیصلے کو کسی بھی دوسری عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکے گا، اور کوئی دوسری عدالت ہوگی کہاں؟!

**نفسا نفسی** بات یہ ہو رہی تھی کہ جب وہ عظیم ترین زلزلہ برپا ہوگا تو ایسی نفسا نفسی ہوگی کہ ماں اپنے بچے کو بھول جائے گی، بھائی بھائی کو بھول جائے گا، باپ بیٹوں کو اور بیٹے باپ کو بھول جائیں گے، بھائی بھائی سے منہ موڑلے گا اور صرف منہ ہی نہیں موڑیں گے بلکہ اللہ پاک بتلاتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک چاہے گا کہ مجھے چھوڑ دیا جائے اور میرے بدلے میرے بیٹے کو، میرے بھائی کو جہنم میں ڈال دیا جائے

سورۃ المعارج میں ہے:

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ يَوْمَئِذٍ بِبَنِيْهِ وَ صَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِىْ تُؤْوِيْهِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ

مجرم (تو اس روز بس) اس کی تمنا کرے گا کہ اس روز کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنے بدلہ میں فدیہ دیدے اپنے بیٹوں کو اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنا خاندان جن میں وہ رہتا تھا، اور تمام اہل زمین کو پھر یہ اسے نجات دلائیں

لیکن اس دن ایسا نہیں ہوگا کہ ایک کے بدلے دوسرے کو سزا دی جائے۔ مجرم کے بدلے غیر مجرم کو دوزخ میں ڈال دیا جائے، صاحبِ عمل کے بجائے کسی نکمے کو جنت میں داخل کر دیا جائے، کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، ہر شخص کو اپنا بوجھ خود ہی اٹھانا پڑے گا۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

جس نے نیک کام کیا اُس نے اپنی ہی جان کے بھلے کے لئے کیا اور جس نے بُرا کیا تو اسی کے برے کے لئے اور (اے نبی) تیرا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں،

کسی نے اگر رائی کے دانے کے برابر نیکی کی ہوگی تو ضائع نہیں جائے گی اور رائی کے دانے کے برابر بُرائی کی ہوگی تو وہ بھی سامنے آکر رہے گی۔ ایسی ایسی نیکیاں انسان کے سامنے آئیں گی جن کے بارے میں اس نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا کہ یہ بھی نیکیاں ہیں یا وہ انہیں بھول چکا ہوگا۔ اور ایسے ایسے گناہ بھی اس کے سامنے آئیں گے جن کو اس نے گناہ ہی نہیں سمجھا ہوگا بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے کوئی کام نیکی سمجھ کر کیا ہو مگر اس دن پتہ چلے گا کہ وہ تو نیکی نہیں تھی بدی تھی

**پرکھ کا دن** کیونکہ وہ دن اصل اور نقل، حق اور باطل، سچ اور جھوٹ، نیکی اور بدی کی پرکھ کا دن ہوگا۔ آج ہمیں بہت سی باتوں میں اشتباہ ہے اس دن کسی بات میں اشتباہ نہیں رہے گا ـــــــ آج ہم جن باتوں کو ثواب کا کام سمجھ کر ان کے لئے لڑتے ہیں اور ان سے منع کرنے والوں پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں قیامت کے دن پتہ چلے گا کہ وہ ثواب کے نہیں عذاب کے کام تھے، ان سے اللہ راضی نہیں ہوا بلکہ الٹا ہم اس کے غضب کے مستحق بن گئے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کو اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں قرار دیا ہے جو بعض کاموں کو اچھا سمجھ کر کرتے ہیں، ان کے لئے ہر طرح سے کوشش کرتے ہیں، لیکن فیصلے کے دن معلوم ہوگا کہ ان کی ساری کوشش ضائع گئی

لہٰذا میرے بزرگو اور دوستو! اپنے اعمال کو کتاب وسنّت کی کسوٹی پر اچھی طرح پرکھ لو، اپنے لیڈروں اور رہنماؤں کی باتوں میں نہ آؤ۔ جھوٹے لیڈر اور رہنما قیامت کے دن اپنے پیروکاروں سے بیزاری ظاہر کریں گے، صاف کہہ دیں گے ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ گمراہ کرنے والے لیڈر اور ان کے پیروکار اکٹھے ہی جہنم میں پڑے ہوں کیونکہ وہاں تو کسی کی لیڈری، کسی کی سرداری، کسی کی چودھراہٹ، کسی کی عالی نسبی

١٦

کسی کی شہزادگی کچھ کام نہیں آئے گی

وہ تو پرکھ کا دن ہوگا،

عدل وانصاف کا دن ہوگا،

حقائق کے انکشاف کا دن ہوگا،

فیصلے اور امتیاز کا دن ہوگا،

آج تو اچھے اور بُرے سب ملے جُلے ہیں، اس دن سب الگ الگ ہوں گے بلکہ ممکن ہے آج جنہوں نے اچھوں کا بہروپ بنایا ہوا ہے وہ اس دن مجرموں کی صف میں ہوں۔ اعلان ہوگا:

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ٥ اے مجرمو! آج کے دن الگ ہوجاؤ اے مجرمو! دنیا میں توتم میرے نیک بندوں کے ساتھ ملے جُلے رہتے تھے آج ایسا نہیں ہوگا، میرے بندوں کی صف جدا ہوگی اور حرص وہوس کے بندوں کی صف جدا ہوگی آج کوئی مکر نہیں چلے گا۔ کوئی بہروپ کام نہیں آئے گا جھوٹ، فریب اور ریاکاری کا سکّہ یہاں نہیں چل سکے گا۔ الگ ہوجاؤ تاکہ دنیا والے تمہارا اصل چہرہ دیکھ سکیں۔ اور ہاں، آج تمہیں اپنے ایک ایک جرم کا اعتراف کرنا ہوگا، کوئی بات چھپائی نہیں جاسکے گی۔ اگر زبان سے اقرار نہیں کروگے تو ہم زبان سے قوتِ گویائی چھین کر ہاتھوں اور پیروں کو قوتِ گویائی دے دیں گے، ہاتھ اور پاؤں بولیں گے اور یوں بولیں گے کہ وہ خود حیران رہ جائے گا جو اپنے آپ کو ہاتھوں اور پیروں کا مالک سمجھتا تھا، جس کی سوچ یہ تھی کہ:

میں ہاتھوں کی زیادتیاں چھپا سکتا ہوں،

میں پیروں کی خطائیں چھپا سکتا ہوں،

میں اپنی کرتوتوں پر پردہ ڈال سکتا ہوں،

کیونکہ جس وقت اور جس جگہ میں نے یہ خطائیں کی تھیں اس وقت اور اس جگہ کوئی دیکھنے والی آنکھ نہیں تھی، کوئی سننے والا کان نہیں تھا، کوئی گرفت کرنے والا ہاتھ نہیں تھا، قانون نہیں تھا، پولیس نہیں تھی، کوئی بندہ بشر نہیں تھا

مگر ہائے پاگل انسان تجھے کیا خبر تھی کہ تیرے اپنے ہی ہاتھ، اپنے ہی پاؤں اور اپنی ہی زبان تیرے خلاف سرکاری گواہ بن جائیں گے۔

یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں، اور ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے ان اعمال کے متعلق جو یہ کرتے تھے۔

ہاں، تو میرے ساتھیو! وہ پرکھ کا دن ہوگا، حقیقتوں کے اظہار کا دن ہوگا، وہاں تکلف نہیں چلے گا، تصنّع نہیں چلے گا، اداکاری نہیں چلے گی، ہوشیاری نہیں چلے گی، میرے اور آپ کے بنائے ہوئے عزّت و ذلّت کے سانچے وہاں کام نہیں آئیں گے۔ ممکن ہے کہ اونچی کرسی پر بیٹھ کر آرڈر دینے والے صاحب اس دن پست ہوں اور ان کے دفتر کی صفائی کرنے والا چپڑاسی اوپر ہو، ممکن ہے آج کے بڑے کل کے چھوٹے ثابت ہوں، عزّت اور ذلّت، کامیابی اور ناکامی کے لئے اُس مالکِ حقیقی کا اپنا معیار ہے اپنا قانون ہے وہ ہمارے معیار اور قانون کا تابع نہیں۔ اور جب اس کا قانون حرکت میں آئے گا تو بڑوں بڑوں کی پگڑیاں اچھلیں گی، بڑے بڑے معزّزین طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے نظر آئیں گے، اچھوں اچھوں کے پسینے چھوٹ رہے ہوں گے۔

**آج کیا ہوگا** ایک فکر ہوگی جو ساری فکروں پر چھا چکی ہوگی، ایک خوف ہوگا جس نے ہر دوسرے خوف کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہوگا، ایک سوال ہوگا جو ہر شخص کے زیرِ لب ہوگا، ایک انتظار ہوگا جو جان کو کھائے جارہا ہوگا:

آج میرے ساتھ کیا ہوگا ؟
میرا شمار کن میں ہوگا مجرموں میں یا فرمانبرداروں میں ؟
میرے اعمال اور میری کوششیں کسی کام آئیں گی یا نہیں ؟
میں جو دنیا میں امتحان دے کر آیا ہوں اس کا نتیجہ کیا نکلے گا ؟
پھر کچھ ایسے خوش قسمت بھی ہوں گے جن کی کامیابی کا اعلان ہوگا اور ان کا نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ خوشی سے چیخ اٹھے گا:

هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتَابِيَهْ — لو میرا یہ اعمال نامہ پڑھ لو۔

لیکن جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دے کر اس کی ناکامی کا اعلان ہوگا وہ بڑی حسرت کے ساتھ کہے گا :

يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتَابِيَهْ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ٥ — کاش مجھ کو میرا اعمال نامہ ہی نہ ملتا اور مجھ کو یہ خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے ؟ کیا ہی اچھا ہوتا کہ موت ہی خاتمہ کر دیتی۔

وہ جسے اپنی وجاہت وسیادت پر بڑا ناز تھا، اپنی دولت وثروت پر بڑا غرور تھا اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ میں اس دولت سے ہر نعمت خرید سکتا ہوں میں اس دولت سے عزتیں خرید سکتا ہوں، قانون خرید سکتا ہوں، لوگوں کے ایمان خرید سکتا ہوں۔ آج یہ متکبر شخص برسرِ عام بڑی بے بسی سے اعتراف کرے گا :

مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطَانِيَهْ ٥ — میرا مال کچھ کام نہ آیا، میری حکومت اور جاہ وجلال برباد ہو گئی۔

لیکن اس دن کا اعتراف اس کے کسی کام نہیں آئے گا اور فرشتوں کو حکم ہوگا :

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ○ — اس کو پکڑو اور طوق پہنا دو، پھر دوزخ میں جھونک ڈال دو، پھر ایک ایسی زنجیر میں اس کو جکڑ دو جس کی پیمائش ستّر گز ہے

اور اس کے جرم بھی اسے بتا دیئے جائیں گے بلکہ ہمارے رحمٰن ورحیم مولیٰ نے اس کے وہ جرائم جن کی وجہ سے وہ اس ذلت وخواری کے ساتھ جہنم میں جانے کا حقدار ٹھہرے گا، آج ہی بتا دیئے ہیں تا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بننے سے بچا سکے، فرمایا

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ○ — یہ شخص خدائے بزرگ پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور نہ غریبوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔

جب اس نے ایمان ہی قبول نہیں کیا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیبات کے باوجود بھوکی پیاسی اور سسکتی تڑپتی انسانیت کے کام نہیں آیا۔ خود تو اتنا کھاتا تھا کہ بدہضمی ہو جاتی تھی اور اس کے بہت سے دوسرے بھائیوں کے بچے بھوک سے بلکتے رہتے تھے، تو اس کی سزا اسے یہ ملے گی کہ

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ لَّا يَأْكُلُهٗ اِلَّا الْخٰطِئُوْنَ ○ — آج کے دن نہ یہاں اس کا کوئی دوست ہوگا نہ کوئی کھانے کی چیز سوائے زخموں کے دھوون کے جس کو بڑے گنہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھا سکے گا۔

## کمزور انسان اور خوفناک سزائیں

میرے بزرگو اور دوستو! ربّ رحیم وکریم نے قرآن حکیم میں وہ تمام سزائیں ذکر فرمائی ہیں جن سے جہنمیوں

کو واسطہ پڑے گا۔

انسان بہت کمزور ہے، ہم سب کمزور ہیں، ہم میں سے کوئی بھی اپنی زندگی کا ایک سال، ایک مہینہ، ایک ہفتہ، ایک دن، ایک گھنٹہ بلکہ ایک لمحہ بھی آگ میں نہیں گذار سکتا۔

وہ کون بہادر ہے جو کھولتا ہوا پانی پی سکے اور اس سے بھی بڑھ کر وہ کون ہے جو اُبلتی ہوئی پیپ کو اپنے ہونٹوں کے قریب بھی کر سکے لیکن جہنمیوں کو ان سب چیزوں سے واسطہ پڑے گا۔

وہ ناکام اور نامراد لوگ جن کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا انہیں تیز کھولتے ہوئے گرم پانی اور سیاہ دھوئیں میں رہنا پڑے گا۔

سورۃ الواقعہ میں ہے :

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ لَّا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیْمٍ اِنَّهُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ مُتْرَفِیْنَ ۝

اور وہ جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے بُرے ہیں! لُو کی لپیٹ میں ہوں گے اور کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ فرحت بخش ہوگا بیشک وہ لوگ اس سے قبل بڑے خوش حال تھے۔

جہنمی صرف خود ہی آگ میں نہیں ہوں گے بلکہ انتہا تو یہ ہوگی کہ انہیں آگ کا لباس پہنا دیا جائے گا، سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا اور لوہے کے گرز سے انہیں مارا جائے گا۔

فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ

سو جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے آگ کے کپڑے قطع کئے جائیں گے، ان کے سروں

فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا

کے اوپر گرم پانی چھوڑا جائے گا اس سے ان کے پیٹ کی چیزیں اور کھالیں گل جائیں گی اور ان کے مارنے کے لئے لوہے کے گرز ہوں گے، جب کبھی گھٹے گھٹے اس سے باہر نکلنا چاہیں گے دوبارہ اس میں دھکیل دیئے جائیں گے۔

کیا منظر ہوگا زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے، گلے میں طوق پڑے ہوں گے آگ میں گھسیٹے جا رہے ہوں گے،

کھولتے ہوئے پانی میں پھینک دیئے جائیں گے۔

نہ کوئی حامی ہوگا نہ مددگار نہ شنوائی ہوگی نہ فریادرسی

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ فِي الْحَمِيْمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ۝

جب کہ ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی، ان کو گھسیٹتے ہوئے کھولتے ہوئے پانی میں لے جایا جائے گا پھر آگ میں جھونک دیئے جائیں گے

شعلوں کی زبانیں چاروں طرف لپکتی ہوں گی،

آگ کی چنگھاڑ سے کانوں کے پردے پھٹنے کو ہوں گے،

ایسی تپش اور ایسی حرارت ہوگی کہ کلیجہ منہ کو آئے گا۔

پیاس سے زبان تالو کو لگ چکی ہوگی،

العطش العطش کی آوازیں اُٹھ رہی ہوں گی،

بالآخر انہیں کچھ پینے کو ملے گا اور وہ کیا ہوگا،

وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ

اور اسے پیپ لہو کا پانی پلایا جائے گا، وہ

يَتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهٗ — اسے گھونٹ گھونٹ پئے گا جیسے وہ حلق سے نہ اترے گا

وہ کھولتا ہوا غلیظ پانی چہرے کو بھون ڈالے گا، کھال اُتر جائے گی، آنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نکل جائیں گی، شکل ایسی بھیانک ہو جائے گی کہ دیکھی نہ جائے گی۔ اب موت کو پکاریں گے مگر موت کہاں سے آئے موت کو تو خود موت آچکی ہو گی۔

وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ○ — اور جب وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے اس میں کسی تنگ جگہ میں ڈالے جائیں گے تو اس موقع پر وہ موت مانگیں گے آج ایک موت نہ مانگو اور بہت سی موتیں مانگو

موت سے بھی ناامید ہو جائیں گے، عذاب میں تخفیف بھی نہیں ہوگی ہر طرف آگ اوپر نیچے، دائیں بائیں، آگے پیچھے آگ، کھانا بھی آگ، پانی بھی آگ، لباس بھی آگ، بستر بھی آگ، جوتے بھی آگ، آگ ہی کے طوق آگ ہی کی زنجیریں، آگ ہی کے کوڑے، آگ ہی کے گرز، چیخیں گے چلائیں گے پکاریں گے، معذرت کریں گے مگر سب بے سود۔

پھر ایک اور حربہ آزمائیں گے، چلا چلا کر کہیں گے اے ہمارے مالک و خالق ایک دفعہ مہلت دیدیں، دوبارہ دنیا میں بھیج دیں، اب وہ کچھ نہیں کریں گے جو پہلے کرتے رہے ہیں، بدی کے قریب بھی نہیں جائیں گے، زاہد و پارسا بن کر زندگی گذاریں گے، نماز کبھی نہیں چھوڑیں گے، صدقہ وخیرات میں کمی نہیں آنے دیں گے، کسی کا حق نہیں دبائیں گے، کسی پر ظلم نہیں کریں گے کسی کو بے آبرو نہیں کریں گے، رشوت کے تو قریب بھی نہیں جائیں گے۔

وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ

اور وہ اس کے اندر چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو نکال (اب) ہم اچھے کام کریں گے برخلاف ان کاموں کے جو کہ کیا کرتے تھے ۔

**عجیب مزاج** | یہ بھی انسان کی فطرت اور اس کا عجیب مزاج ہے کہ جب مصیبت پڑتی ہے تو اللہ سے بڑے وعدے کرتا ہے مگر جب وہ مصیبت ٹل جاتی ہے تو اپنے وعدوں اور معذرتوں کو یکسر فراموش کر دیتا ہے ۔

ایک دیہاتی کسان کا مشہور واقعہ ہے کہ قحط سالی تھی، بارش نہیں ہوئی تھی اس کی زمین بنجر پڑی تھی، غلّے کا ایک دانہ بھی نہیں اُگتا تھا، اس نے سوچا اللہ سے معاملہ کر کے دیکھتے ہیں شاید میرا مسئلہ حل ہو جائے ۔ اس نے بڑے خشوع خضوع سے نماز پڑھی، توبہ کی، لمبی دعا کی اور اللہ سے وعدہ کیا کہ اگر تو نے بارش برسا دی اور میری بنجر زمین کو سرسبز کر دیا تو جتنا غلّہ ہو گا اس کا چوتھائی حصّہ تیری رضا کے لئے صدقہ کروں گا ۔

یہ عجیب بات ہے کہ بعض لوگ جو کسی کام کی خاطر نذر مانتے ہیں تو ان کی سوچ کچھ اس طرح کی ہوتی ہے کہ اے اللہ! تو میرا کام کر دے اور میں دس رکعتیں پڑھ کر یا تین روزے رکھ کر یا کچھ صدقہ خیرات کر کے تیرا کام کر دوں گا اسی لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند نہیں فرمایا، آپؐ نے فرمایا ہوتا تو وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے لیکن اس طریقے سے اللہ تعالیٰ بخیل سے کچھ نکلوا لیتے ہیں یعنی وہ بخل کی وجہ سے عام حالات میں تو شاید اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنے پر تیار نہ ہوتا مگر نذر پوری ہونے کی وجہ سے کچھ نہ کچھ دینے پر وہ مجبور ہو جاتا ہے ۔

بہر حال اللہ کی قدرت سے خوب بارش ہوئی اور اُس کسان کی زمین میں خوب غلّہ پیدا ہوا، مگر اس کی نیت میں کھوٹ آگیا اور اس نے ایک دانہ بھی صدقہ نہ کیا۔ اگلا سال آیا تو اسے فکر لاحق ہوئی کہ پچھلے سال وعدہ خلافی کر چکا ہوں اب کی بار پتہ نہیں زمین کچھ فصل اُگاتی ہے یا نہیں تو اس نے یوں نذر مانی کہ اے اللہ اب جو غلّہ بھی مجھے حاصل ہوگا اس کا نصف تیری راہ میں صدقہ کروں گا مگر جب غلّہ حاصل ہو چکا تو وہ پھر اپنی نذر کو بھول گیا، تیسرے سال اس نے نذر مانی کہ جو کچھ پیدا ہوگا اس کا تین چوتھائی خرچ کروں گا۔

گویا اپنی ناقص سوچ کے مطابق وہ اپنے سابقہ جُرم کی تلافی کے لئے ریٹ بڑھاتا جاتا تھا مگر اس بار بھی اُسے نذر پوری کرنے کی توفیق نہ ملی، چوتھے سال اس نے بڑے جوش کے ساتھ نذر مانی کہ اے اللہ اس فصل سے جو کچھ بھی حاصل ہوگا وہ سب تیرا ہوگا میں اپنے گھر میں ایک دانہ بھی لیکر نہیں جاؤں گا مگر جب مسئلہ حل ہو گیا، غلّہ وافر مقدار میں پیدا ہو گیا تو وعدوں اور معذرتوں کو بھول گیا اور سارا غلہ گدھوں پر لاد کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا راستے میں کوئی ندی تھی وہاں سے اس کے گدھے گذر رہے تھے کہ اچانک زور دار سیلابی ریلا آیا اور انہیں غلّہ سمیت بہا کر لے گیا۔ کسان بڑا اسٹپٹایا ایک دم چیخ کر کہنے لگا او خدایا! اپنا غلہ بیشک لے جا مگر میرے گدھے تو مجھے واپس کر دے۔

تو انسان کا یہ مزاج اور اس کی فطرت ہے کہ مصیبت پڑتی ہے تو اسے اللہ یاد آتا ہے اور پھنس جاتا ہے تو بڑے وعدے کرتا ہے۔

یونہی جہنمی معذرت کریں گے، چلّا چلّا کر درخواست کریں گے بس ایک دفعہ ہمیں دنیا میں دوبارہ واپس بھیجیں پھر دیکھیں ہم کیسے نیک بنتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

| | |
|---|---|
| اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ | کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس میں جس کو سمجھنا ہوتا سمجھ لیتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا سو مزہ چکھو کہ ظالموں کا یہاں کوئی مددگار نہیں۔ |

چالیس پچاس ساٹھ سال کی زندگی تمہیں دی ،
عقل و خرد اور سمع و بصر سے تمہیں نوازا ،
قرآن جیسا پُر تاثیر ہدایت نامہ تمہارے پاس تھا ،
نبیؐ کی تعلیمات و ہدایات تمہارے پاس تھیں ،
علماء، حکماء ، اولیاء و مبلّغین تمہیں سمجھاتے رہے
عبرت و نصیحت کے سینکڑوں مناظر تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے ،
بیسیوں جنازوں کو تم نے کندھا دیا ، کیا تمہیں کبھی یہ خیال نہ آیا کہ ایک دن ہمارے جنازے کو بھی کندھا دیا جائے گا ، کیا تم نے اپنی عملی زندگی میں یہ نہ دیکھا کہ بُرائی کا انجام ہمیشہ بُرا ہوتا ہے ، کانٹے بونے سے کانٹے ہی اُگتے ہیں۔ پھر تم نے یہ کیوں نہ سوچا کہ ہمیں بھی ایک دن اپنے گناہوں کی فصل کاٹنی پڑے گی ۔ کیا تمہیں اللہ اور رسول کی خبروں پر یقین نہ تھا ، کائنات کے مالک و خالق نے قسمیں اٹھا اٹھا کر تمہیں اس دن کا اور اس دن کے حساب کتاب اور جزا سزا کا یقین دلایا تھا لیکن تم نے اس بارے میں سوچنا بھی گوارا نہ کیا ۔

میرے دوستو ! کتنی شرم کی بات ہے کہ ہم ایک عام انسان کی قسموں پر تو اعتماد کر لیں لیکن خالقِ ارض و سماء کی قسموں پر اعتماد نہ کریں ۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ ربِّ کریم نے چار چار اور پانچ پانچ قسمیں اٹھا کر قیامت کے وقوع کی خبر دی ہے لیکن انسان کی خودسری اور تکبر اور نفس پرستی دیکھئے کہ اسے

اس خبر پر یقین ہی نہیں آتا۔ اگر چہ بہت سے لوگ زبان سے کہتے ہیں کہ ہمیں قیامت کے آنے کا یقین ہے اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ان کی غفلت اور ان کی عیاشیاں گواہی دیتی ہیں کہ یہ اس زندگی کے علاوہ کسی دوسری زندگی کو نہیں مانتے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ انسان ایک دوروز کے سفر کی تیاری کئی روز پہلے شروع کر دیتا ہے مگر اتنے کٹھن اور لمبے سفر کی تیاری کی اسے کوئی فکر نہیں۔ ٹرین اور بس سے سفر کرنا ہو تو ہزار دفعہ سوچتا ہے راستے میں کیا کھاؤں گا کیا پیوں گا، کہاں لیٹوں گا، کہاں بیٹھوں گا حالانکہ راستے میں کھانے پینے کی ساری چیزیں مل ہی جاتی ہیں مگر اس کے باوجود اسے بڑی فکر ہوتی ہے بڑی پریشانی ہوتی ہے بلکہ اس کے سفر کی وجہ سے سارے گھر والے پریشان ہوتے ہیں اور دُعائیں کرتے ہیں کہ اس کا سفر آسانی سے گذر جائے مگر یوم القیامۃ کی نہ اسے خود فکر ہے نہ اس کے متعلقین کو فکر ہے، حالانکہ وہاں تو وہی کچھ ملے گا جو کچھ یہ اپنے ساتھ لیکر جائے گا۔

**ذخیرہ** اچھے اعمال لیکر جائے گا تو وہ وہاں جنت کے پھل پھول اور درخت بن جائیں گے، بُرے اعمال لیکر جائے گا تو وہ وہاں کے شعلے اور اژدھے بن جائیں گے شراب، زنا، سود، قمار اور غیبتیں اور چغلیاں سب وہاں مختلف سزاؤں اور عذابوں کا روپ دھارلیں گے۔

انسان کی مرضی ہے کہ اپنی اس مختصر سی زندگی میں پھولوں کا ذخیرہ کرلے یا شعلوں کا، راحتوں کا ذخیرہ کرلے یا سزاؤں کا۔

اتا یو فقیر کا مشہور عبرت انگیز واقعہ ہے کہ وہ ایک سرد رات میں جنگل میں اپنی والدہ کے ساتھ محوِ سفر تھا، والدہ نے اسے کہا جاؤ کہیں سے آگ تلاش کر کے لاؤ، اس نے بہت کوشش کی مگر اسے کہیں سے بھی آگ نہیں ملی، اس نے جب اپنی ناکامی کا ماں کے سامنے ذکر کیا تو ماں نے غصّے میں کہا تمہیں کہیں سے

بھی آگ نہیں ملی تھی تو تم جہنم میں چلے جاتے وہاں سے تو آگ مل ہی جاتی ۔

اتا یو فقیر نے بڑا پیارا جواب دیا، کہنے لگا اماں وہاں آگ کہاں ہے وہاں تو ہر شخص اپنی آگ خود اپنے ساتھ لے کر جاتا ہے

تو وہاں کے لئے جو کچھ اکٹھا کرنا ہے وہ اسی زندگی میں کرنا ہوگا وہاں جانے کے بعد یہاں دوبارہ آنے کی اجازت کسی کو نہیں ملے گی، یہ راستہ صرف جانے کا ہے واپس آنے کا نہیں۔

جہنم میں پڑے ہوئے مجرم لاکھ پکاریں گے کہ ہمیں ایک بار اور صرف ایک بار مہلت دے دی جائے لیکن یہ پکار بالکل رائیگاں جائے گی ۔

**ایک نکتہ** اس آیتِ کریمہ میں جو "جَآءَکُمُ النَّذِیْرُ" کے الفاظ آئے ہیں، ان کی عام تفسیر تو یہی کی جاتی ہے کہ تمہارے پاس ڈرانے والا نبی یا قرآن آیا، لیکن بعض مفسرین نے "نذیر" کی تفسیر بڑھاپے سے بھی کی ہے کیونکہ بڑھاپا موت سے ڈرانے والا ایسا "نذیر" ہے کہ اس کی موجودگی میں کسی دوسرے "نذیر" کی ضرورت نہیں رہتی ۔

جس شخص کو اتنی زندگی مل گئی کہ جوانی کے بعد بڑھاپا شروع ہو گیا مگر بڑھاپے کے آثار ظاہر ہونے کے باوجود اس نے موت کے بعد والی زندگی کی تیاری شروع نہیں کی تو اس پر اتمامِ حجت ہوگئی اب اس پر مزید کوئی حجت قائم کرنے کی ضرورت نہیں ۔

ایک بادشاہ کا مشہور واقعہ ہے کہ اس نے موت کی یاد دہانی کے لئے اپنے خاص کمرے میں تابوت رکھ چھوڑا تھا یا کسی ملازم کی ڈیوٹی لگائی ہوئی تھی کہ مجھے روزانہ موت یاد کرا دیا کرو ۔ ایک روز وہ آئینہ دیکھ رہا تھا کہ اسے اپنی داڑھی میں سفید بال نظر آئے، اسی دن اس نے وہ تابوت اٹھوا دیا یا ملازم تھا تو

اسنے فارغ کر دیا کہ سفید بالوں کی موجودگی میں موت یاد کرانے والی کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں ۔

تو میرے بزرگو اور دوستو ! ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم پر یوم القیامۃ کی تذکیر اور اس کے لئے تیاری لازم ہے ، میری اور آپ سب کی کوشش ہونی چاہیئے کہ ہمیں اس دن اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے اور ہمیں اُس دن رسوائی اور ذلّت کا سامنا نہ کرنا پڑے کیونکہ اصل ذلت وہی ہے جو روزِ قیامت ہوگی ، اصل عزت بھی وہی ہے جو اس دن حاصل ہوگی ۔ اصل کامیابی بھی وہاں کی کامیابی ہے اور اصل ناکامی بھی وہاں کی ناکامی ہے ، حقیقی خوشی بھی وہاں کی خوشی ہے اور حقیقی تکلیف بھی وہاں کی تکلیف ہے ۔ یہاں کی تو ہر چیز عارضی ہے ، دنیا عارضی ، دنیا کا سامان عارضی ، دنیا کی خوشیاں عارضی ، نعمتیں عارضی ، اقتدار عارضی ، عزت عارضی ، ذلت عارضی ، بہار خزاں ، سردی گرمی سب چیزیں عارضی ہیں ۔

مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ یہ عارضی چیزیں اور یہ عارضی زندگی انسان کو ابدی زندگی اور اس کی لازوال نعمتوں سے غافل کر دیتی ہیں اور انسان یوں سوچنے لگتا ہے کہ ابھی تو قیامت بہت دور ہے جب آئے گی دیکھا جائے گا ۔ حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ جو مر جاتا ہے اس کی قیامت اسی وقت قائم ہو جاتی ہے ۔ کیونکہ جو کچھ قیامت میں ہونا چاہیئے وہ جزوی طور پر عالمِ برزخ میں شروع ہو جاتا ہے ۔

وہاں راحت کا احساس بھی ہوتا ہے اور تکلیف اور عذاب کا احساس بھی ہوتا ہے ۔ اور ہماری موت تو بہت دور نہیں ہے ، نہ معلوم کل کا دن دیکھنا نصیب ہو یا نہ ہو ۔

تو ہمیں اس عارضی زندگی کے نشے میں اتنا مخمور اور مدہوش نہیں ہونا چاہئے کہ ہم قیامت ہی کو بھول جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ابدی زندگی میں کامیابی دلانے والی محنت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

نوٹ: ان سطور کا مطالعہ کرنے والے ہر ساتھی سے دست بستہ درخواست ہے کہ اس حقیر فقیر کے لئے اُخروی کامیابی کی دعا ضرور فرمائیں۔

(م ۔ ا ۔ ش)

# ظالموں کا انجام

تشدد خود ستمرانوں کے حق میں زہرِ قاتل ہے
کبھی پائیں نہ مظلوموں کی آہیں بے اثر ہم نے
یہ ممکن ہے کہ کچھ تاخیر ہو جائے مگر طارق
کبھی پلتے نہیں دیکھا کوئی بے داد گر ہم نے

عبد الصبور طارق

" انسان کتنا احمق ہے ، وہ جب ظلم کرتا ہے تو بھول جاتا ہے کہ خود مجھ پر ظلم ہو سکتا ہے ، جب وہ کسی کی عزّت و آبرو خراب کرتا ہے تو بھول جاتا ہے کہ میری آبرو بھی لُٹ سکتی ہے ، جب وہ کسی کا دل دُکھاتا ہے تو اسے یاد نہیں رہتا کہ میرا دل بھی دُکھایا جاسکتا ہے۔ حالانکہ اس دنیا میں بھی مکافاتِ عمل کا سلسلہ جاری رہتا ہے جو بویا جاتا ہے وہی کاٹا جاتا ہے، یہ تو ممکن ہے کہ ظالم کو کچھ وقت کے لیے ڈھیل دے دی جائے لیکن تا کے ؟ بالآخر اللہ اسے پکڑتا ہے اور اللہ کا پکڑنا تو پھر نرالا ہی ہوتا ہے

وہ ایسا پکڑتا ہے کہ ظالموں اور متکبّروں کو عالم انسانی کے لیے عبرت کا نشان بنا دیتا ہے ،

وہ جب پکڑتا ہے تو مال و دولت ، عہدہ و منصب اور دوست و احباب میں سے کوئی بھی کام نہیں آتا ۔

میرے اس دعوٰی پر انسانی تاریخ کے مشہور ظالموں کا انجام گواہ ہے ۔"

# ظالموں کا انجام

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم اَمَّا بَعْد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُھُمْ وَلَھُمُ اللَّعْنَۃُ وَلَھُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ

اس دن ظالموں کو ان کی معذرت نفع نہ دیگی اور ان پر لعنت ہو گی اور ان کو برا گھر ملے گا۔

وقال تعالیٰ :

مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ

ظالموں کا نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اتَّقُوا الظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن کی تاریکیوں میں سے ہے۔

وَعَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ ظَلَمَ قِیْدَ شِبْرٍ مِنَ الْاَرْضِ طُوِّقَہٗ مِنْ سَبْعِ اَرَضِیْنَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نقل کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ایک بالشت برابر زمین ظلم سے ہتھیائی اس کے گلے میں (قیامت کے دن) سات زمینیں ڈالی جائیں گی۔

محترم حاضرین ! یوں تو میں اس سے پہلے بھی آپ کے سامنے ظلم کی قباحت وشناعت بیان کر چکا ہوں مگر اپنے قلبی احساسات کی وجہ سے آج کی نشست میں ایک بار پھر آپ کی خدمت میں ظلم کے مفاسد، ظلم کے گناہ، خاص طور پر ظالموں کے انجام کے بارے میں گفت گو کرنا چاہتا ہوں۔ رب کریم سے دعا ہے کہ وہ محض اپنے فضل وکرم سے مجھے اور آپ سب کو ہر قسم کے ظلم سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

ہمارے ہاں جو اخبارات شائع ہوتے ہیں یوں تو یہ بہت سی قباحتوں کا مجموعہ ہیں، یہ فحاشی پھیلاتے ہیں، یہ عریانیت کو فروغ دیتے ہیں، یہ جھوٹی افواہیں چھاپتے ہیں، یہ ہر رطب ویابس کو اپنے دامن میں جگہ دیتے ہیں۔ لیکن بسا اوقات شر میں بھی خیر کا کوئی نہ کوئی پہلو ہوتا ہے۔ تو اخبارات کے شر میں خیر کا ایک پہلو یہ ہے کہ یہ ہمیں ہمارا قومی چہرہ دکھاتے رہتے ہیں، یہ آئینے کا کام دیتے ہیں جس میں ہم اپنا اچھا یا برا چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔ اخبارات کے مطالعہ سے ہم یہ جان سکتے ہیں کہ ہماری قوم کی اخلاقی حالت اس وقت کیسی ہے،

آپ کسی بھی دن کا اخبار اٹھا کر دیکھ لیں آپ کو اس میں ظلم وستم کی ناقابلِ یقین داستانیں ملیں گی

کہیں بھائی، بھائی کی جائیداد پر قابض ہو جاتا ہے،

کہیں شوہر بیوی کو زندہ جلا دیتا ہے،

کہیں سگے چچا یتیم بھتیجوں کی زمین پر قابض ہو کر انہیں دربدر کی ٹھوکروں کے لیے چھوڑ دیتے ہیں،

کہیں بے گناہ قیدی برسوں جیل میں گلتا سڑتا رہتا ہے

کہیں کوئی سرمایہ دار غریب مزدور کا حق دبا لیتا ہے۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں ہر طرف ظلم ہی ظلم ہے۔

گھروں میں ظلم،

بازاروں میں ظلم،

کارخانوں میں ظلم،

حکومت کے ایوانوں میں ظلم،

ہر جگہ ظلم ہی ظلم ہے

حالانکہ ظلم ایسا ناسور ہے جو معاشروں کو، خاندانوں کو، حکومتوں کو اور ملکوں اور تہذیبوں کو لے ڈوبتا ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ایک مشہور قول ہے کہ کوئی ملک کفر و شرک کے ساتھ تو قائم رہ سکتا ہے مگر ظلم کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا۔

علماء نے لکھا ہے کہ گناہوں کی اصل سزا تو ظاہر ہے آخرت ہی میں ملے گی لیکن ظلم ایک ایسا گناہ ہے کہ اس کا بُرا انجام بسا اوقات انسان اپنی آنکھوں سے اسی دنیا میں دیکھ لیتا ہے،

دنیا میں جتنے مشہور ظالم گزرے ہیں ان میں سے ایک ایک کی ہسٹری پڑھئے آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے کسی کا انجام اچھا نہیں ہوا۔ میں اس مختصر سے وقت میں چند ظالموں کا انجام بیان کرنے پر اکتفا کروں گا

**قابیل کا انجام** آپ دنیا کے پہلے ظالم قابیل کے حالات پڑھیے جس نے اپنے نیک اور پارسا بھائی ہابیل کے خون سے ہاتھ رنگے تھے، قتل کے بعد اسے ایک پل سکون نصیب نہ ہوا، اس کے دل میں ندامت کی آگ جلتی رہی اور اس کے قلبی سکون کو غارت کرتی رہی، عظیم والد ـــــ وہ والد جو دنیائے انسانیت کے پہلے پیغمبر تھے وہ الگ ناراض ہوئے، بھائی بہنوں کی نفرت اس پر مستزاد! اور ذہنی و قلبی سکون کی بربادی اس کے علاوہ۔

بھائی کو قتل کرنے کے بعد اس کے سامنے مسئلہ یہ تھا کہ اس کی لاش کو

کیسے ٹھکانے لگاؤں، اللہ تعالیٰ چاہتا تو تدفین کا طریقہ اس کے دل میں اُلقاء کر سکتا تھا، اسے عقل کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آسکتی تھی مگر اسے اس کی کمینگی اور بے عقلی کا احساس دلانے کے لیے ایسے حیوان کو اس کا رھنما بنایا گیا جو عیاری و مکاری اور کمینگی اور دناءت میں ضرب المثل ہے اور قابیل نے بڑی حسرت اور تاسف کیساتھ کہا تھا

يٰوَيْلَتٰىٓ اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ — ہائے افسوس! کیا میں ایسا گذرا ہو گیا کہ اس کوّے جیسا بھی نہ بن سکا۔

**فرعون کا انجام** | آپ فرعون کا انجام دیکھئے

وہ فرعون جو اپنے آپ کو ربّ الاعلیٰ کہتا تھا،

وہ فرعون جو بڑے طنطنے سے کہا کرتا تھا:

اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ — کیا میرے لیے نہیں ہے مصر کا ملک اور نہریں جو میرے نیچے بہہ رہی ہیں

وہ فرعون جس نے اپنے ایک مبہم خواب کی بنا پر بنی اسرائیل کے ہزاروں معصوم بچوں کو قتل کروا دیا تھا،

وہ فرعون جس نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے مردوں اور عورتوں کو غلام لونڈی بنا رکھا تھا۔

اُس ظالم کا کیا انجام ہوا؟

وہ جن دریاؤں اور نہروں کو اپنی ملکیت بتلاتا تھا اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ایک کے اندر اسے ڈبو دیا، اس کے فوجی، اس کے سپاہی، اس کے غلام، اس کی رعایا سب اس کی بے بسی کا منظر دیکھ رہے تھے۔ اس نے ملائکۂ عذاب کو دیکھ کر کہا تھا

اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ — میں اس وحدہ لاشریک لہ ہستی پر ایمان لاتا ہوں

اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ    جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں ۔

مگر موت کا منظر اور ملائکہ کو دیکھ لینے کے بعد اس کی چیخ پکار اور توبہ کسی کام نہ آئی ۔

**قارون کا انجام** آپ نے فرعون کے درباری ملازم قارون کا نام ضرور سُنا ہوگا جس نے غریبوں کا خون چوس چوس کر دولت کے انبار لگا لیے تھے اس کے خزانے سونے چاندی اور قیمتی موتیوں سے بھرے ہوئے تھے ۔ حالت یہ تھی کہ اس کے خزانوں کی کنجیاں مضبوط جسم والے مزدوروں کی ایک جماعت بہت مشکل سے اٹھا کر چلتی تھی ۔

یہ شخص پرلے درجے کا ظالم تھا ، غریبوں ، یتیموں اور کمزوروں کے حقوق ہڑپ کر جانا اس کی عادتِ ثانیہ بن چکی تھی ۔ اسی چیز نے تو اس کو اتنا بڑا سرمایہ دار بنا دیا تھا ۔ یہ شخص ظالم ہونے کے ساتھ ساتھ بے انتہا مغرور اور متکبّر بھی تھا ۔ وہ دولت کے نشہ میں اس قدر چور تھا کہ اپنے عزیزوں اور خونی رشتہ داروں کے ساتھ بڑی حقارت سے پیش آتا تھا ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے سمجھایا کہ ظلم ، تکبّر ، بخل اور فساد سے باز آجاؤ کیونکہ یہ چیزیں اللہ کو پسند نہیں ۔

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ○    ملک میں فساد نہ پھیلاؤ ، بلاشبہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۔

مگر تاریخ بتاتی ہے کہ ہر ظالم اور متکبر شخص کا دماغ اتنا اونچا ہو جاتا ہے اور اس کی عقل میں ایسا فتور آجاتا ہے کہ اس پر کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی اور کوئی وعظ اس کے حق میں کارگر نہیں ہوتا ، وہ یہی سمجھتا ہے کہ میرا اقتدار ، میرا دبدبہ ، میری ہیبت ، میری قوت ، میری سطوت ، میری دولت اور میری حشمت ہمیشہ رہے گی اور وہ اپنے اس فضول گھمنڈ میں مارا جاتا ہے ۔

جب قارون کا ظلم و فساد حد سے بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے پکڑا اور اللہ کا پکڑنا تو پھر نرالا ہی ہوتا ہے

وہ ایسا پکڑتا ہے کہ ظالموں اور متکبروں کو عالم انسانی کے لیے عبرت کا نشان بنا دیتا ہے،

وہ جب پکڑتا ہے تو مال و دولت، عہدہ و منصب اور دوست احباب میں سے کوئی بھی کام نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ نے زندہ قارون کو زمین میں دھنسا دیا مگر اکیلے کو نہیں بلکہ اس کے خزانوں اور محلات سمیت!

وہ خزانے جن کی وجہ سے اس کی عقل میں فتور آگیا تھا،
وہ خزانے جنہوں نے اسے ظالم اور متکبر بنا دیا تھا،
وہ خزانے جن کی وجہ سے وہ انسانوں کو انسان نہیں سمجھتا تھا،

سورۃ القصص میں ہے:

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ۝

پھر ہم نے قارون اور اس کے محل کو زمین میں دھنسا دیا پس اس کے لیے کوئی جماعت مددگار ثابت نہیں ہوئی جو اسے اللہ کے عذاب سے بچاتے اور وہ بے یار و مددگار ہی رہ گیا۔

**قاتلانِ عثمانؓ کا انجام** آیئے میں آپ کو اسلامی تاریخ کے چند ظالموں کا انجام سناؤں۔ آپ نے امام مظلوم سیدنا عثمانؓ بن عفان پر ہونے والے ظلم کی داستان ضرور سنی ہوگی۔

وہ عثمانؓ جنہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوہری دامادی کا شرف

حاصل تھا ،

وہ عثمانؓ جنہوں نے سخت تکلیف کے زمانے میں بیر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لیے آسانی پیدا کر دی تھی ،

وہ عثمانؓ جنہیں جامع القرآن ہونے کا شرف حاصل ہے ،

وہ عثمانؓ جن سے فرشتے بھی حیا کرتے تھے ،

وہ عثمانؓ جن کی دولت اللہ کے دین اور اللہ کے بندوں کی خدمت کے لئے وقف تھی ، وہ عثمانؓ جن کے ہاتھوں کو کتابتِ وحی کی سعادت حاصل ہوئی ،

وہ عثمانؓ جنہوں نے اقتدار پر فائز ہونے کے باوجود مظلومیت کو پسند کیا اور ظلم تو کیا دفاع کے لیے بھی کسی پر ہاتھ نہ اٹھایا ،

اُسی امامِ مظلوم پر سبائی سازش کا شکار ہو کر جب کچھ لوگوں نے ظلم ڈھایا تو ربِ عثمانؓ نے ان میں سے ایک ایک کو زمانے کے لیے عبرت کا مرقع بنا دیا ،

ان میں سودان بن حمران کو جناب ذوالنورین کے غلام قتیرہ نے قتل کر دیا ،

اشتر کو زہر دے کر تڑپا تڑپا کر ہلاک کر دیا گیا

محمد بن ابی بکرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ اسے پہلے قتل کیا گیا پھر اس کی لاش کو گدھے کی کھال میں سی کر جلا دیا گیا ،

عمرو بن الحمق نے خلیفہ ثالث کے سینے پر چڑھ کر مسلسل کئی وار کیے تھے اسے مرضِ استسقاء ہو گیا تھا ، اس کے سینے میں آگ لگی ہوئی تھی جو کسی طرح بجھتی ہی نہ تھی ، تیروں کا نشانہ بنایا گیا لیکن وہ بزدل شخص پہلے یا دوسرے تیر میں مر گیا۔

**قاتلانِ حسینؓ کا انجام** | حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کا انجام بھی بڑا عبرت ناک ہوا -

• حضرت حسینؓ کے مقام اور مرتبے سے کونسا مسلمان ہے جو ناواقف ہوگا
وہ صحابیت کے شرف کے حامل تھے ،
وہ نواسۂ رسولؐ تھے ،
وہ ابنِ بتولؓ تھے ،
وہ حیدرِ کرارؓ کے فرزند تھے ،
ان کا زہد و تقویٰ مثالی تھا ،
وہ صورت و سیرت میں اپنے نانا سے بڑی مشابہت رکھتے تھے ،
مگر ظالموں کو نہ جانے کیا ہوگیا تھا کہ انہوں نے سب کچھ فراموش کر دیا ، خونی اور مذہبی رشتوں کا بھی پاس نہ رکھا اور خاندانِ نبوت کے گل و لالہ کو ظلم کی چکی میں پیس کر رکھ دیا ۔

لیکن ان میں سے کوئی بھی ظلم کے انجام بد سے نہ بچ سکا ۔ امام ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ کے قاتلوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ بچا جو کسی نہ کسی عذاب میں مبتلا نہ ہوا ہو ۔ بعض اندھے ہوگئے ، بعض خوفناک بیماریوں میں مبتلا ہوگئے ، بعض پاگل اور دیوانے ہوگئے ، بعض کو اذیتیں دے کر قتل کر دیا گیا ۔

جب عبدالملک بن مروان کے زمانے میں مختار بن ابی عبید ثقفی نے کوفہ پر قبضہ کر لیا تو اس نے اپنا مشن ہی یہ بنا لیا تھا کہ وہ کربلا میں ستم ڈھانے والوں کی ٹوہ میں لگا رہتا تھا اور انہیں چن چن کر اپنی خونی تلوار کا نشانہ بناتا تھا اس کے سامنے جب ایسے لوگوں کو لایا جاتا تو وہ ان میں سے کسی کے ہاتھ کٹوا دیتا ، کسی کو تیروں سے مروا دیتا اور کسی کو زندہ جلا دیتا ۔

**ابو مسلم خراسانی کا انجام** | میں ایک اور ظالم کا انجام آپ کو بتاتا ہوں ابو مسلم خراسانی ایک بڑا مشہور شخص گزرا ہے ۔ یہ وہ شخص ہے جس نے بنو امیہ کا تختہ

الٹ کر بنو عباس کو اقتدار دلایا تھا۔ یہ شخص بنو امیہ کا ازلی دشمن تھا۔ اس کو اس سے غرض نہیں تھی کہ کون اچھا ہے اور کون بُرا ہے، کون وفادار ہے اور کون غدار ہے یہ تو بس بنو امیہ کا دشمن تھا۔ اس کے نزدیک اموی ہونا گویا بہت بڑا جرم تھا۔ اس کے ہمنواؤں نے بنو امیہ کی تڑپتی لاشوں پر دستر خوان بچھا کر کھانا کھایا۔ بنو امیہ کے مشہور لوگوں کی قبریں کھدوائیں اور اگر کسی کی صحیح سالم لاش برآمد ہوئی تو لاش کو کوڑے لگوائے اور اسے صلیب پر چڑھا دیا۔

امویوں میں سے بعض نے اگر کوئی ظلم کیا تھا تو ان کو تو اس کی سزا مل ہی گئی مگر خود عباسی بھی مکافاتِ عمل سے نہ بچ سکے۔ عباسیوں کا پہلا خلیفہ سفاح صرف تیس سال کی عمر میں چیچک جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو کر چل بسا اور اس کے بھائی ابو جعفر منصور نے ابو مسلم خراسانی کو اپنے دربار میں بلا کر قتل کروا دیا، اور اس کی لاش کو ایک قالین میں لپیٹ کر دریائے دجلہ کے حوالے کر دیا۔

وہ شخص جو دوسروں کے خلاف سازشیں کرتا رہا تھا آج وہ خود سازش کا شکار ہو گیا۔

وہ ظالم جو بنو عباس کی خاطر بنو امیہ کی گردنیں اڑاتا رہا تھا آج خود اس کی گردن بنو عباس ہی کے ایک فرد کے ہاتھوں اُڑا دی گئی اور قتل ہونے کے بعد اسے تجہیز و تکفین بھی نصیب نہ ہوئی

انسان کتنا احمق ہے وہ جب ظلم کرتا ہے تو بھول جاتا ہے کہ خود مجھ پر بھی ظلم ہو سکتا ہے،

جب وہ کسی کی عزت و آبرو خراب کرتا ہے تو بھول جاتا ہے کہ میری آبرو بھی لُٹ سکتی ہے۔

جب وہ کسی کا دل دُکھاتا ہے تو بھول جاتا ہے کہ میرا دل بھی دُکھایا جا سکتا ہے۔

حالانکہ اس دنیا میں بھی مکافاتِ عمل کا سلسلہ جاری رہتا ہے، جو بویا جاتا ہے وہی کاٹا جاتا ہے۔ ہم کتنے نادان ہیں کہ کانٹے بو کر پھولوں کی امید رکھتے ہیں، آگ جلا کر ٹھنڈک کی توقع رکھتے ہیں۔

**روہیلہ اور شاہِ عالم کا انجام** ہمارے اس مرحوم ہندوستان میں ظلم در ظلم کا ایسا ہی تاریخی واقعہ پیش آچکا ہے۔

ہوا یوں کہ شاہ عالم ثانی نے اپنے محسن نجیب الدولہ کے بیٹے ضابطہ خان کے غوث گڑھ پر حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا اور ضابطہ خاں کے بیوی بچوں کو پکڑ کر قیدی بنالیا ضابطہ خان کے بیٹے غلام قادر روہیلہ کو زنانہ کپڑے بنا کر اپنے سامنے نچوایا کرتا تھا، اس کی قوتِ مردمی بھی اس نے ختم کرا دی تھی شاہ عالم بھول گیا کہ یہ اس شخص کا پوتا ہے جس نے مصیبت کے وقت اس کی مدد کی تھی۔

حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ غلام قادر نے دہلی پر قبضہ کر لیا اور اپنی اور اپنے خاندان کی بے عزتی کا بدلہ اس طرح لیا کہ سب شہزادوں اور شہزادیوں کو سرِ عام نچوایا اور شاہ عالم کو زبردستی یہ منظر دکھلایا، تاکہ اسے اپنی پچھلی حرکتیں یاد آئیں۔

کیا منظر ہوگا جب تیموری خاندان کی بیٹیاں بوڑھے بادشاہ کے سامنے ناچ رہی ہوں گی،

کیا واقعہ اس بات کو ثابت نہیں کرتا کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، اور جو کچھ بویا جاتا ہے وہی کاٹنا بھی پڑتا ہے،

کل شاہ عالم، غلام قادر کو زنانہ کپڑے پہنا کر نچایا کرتا تھا، آج اس کے خاندان کے شہزادے اور شہزادیاں اس کے سامنے ناچ رہی تھیں

غلام قادر نے صرف اس پر بس نہیں کیا بلکہ وہ بوڑھے بادشاہ کو زمین پر گرا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور خنجر سے اس کی آنکھیں نکال ڈالیں ۔

بوڑھا بادشاہ کہتا ہی رہا ارے اللہ کے بندے رحم کر یہ وہ آنکھیں ہیں جو ساٹھ سال تک کلام اللہ پڑھتی رہی ہیں مگر اس پر ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا ،

وقت اپنے آپ کو دہراتا ہے اور دن ادلتے بدلتے رہتے ہیں، آج کے ظالم کل کے مظلوم اور آج کے قاتل کل کے مقتول بنتے ہیں مگر انسان طاقت کے نشہ میں اپنے کل کو فراموش کر دیتا ہے

کہتے ہیں کہ جس وقت غلام قادر بوڑھے بادشاہ کی آنکھیں نکال چکا تو اسے معلوم ہوا کہ مرہٹوں کی فوج شاہ عالم کی مدد کے لیے دہلی کے قریب آ گئی ہے غلام قادر کے تمام ساتھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے کیونکہ جب ظالم پر برا وقت آتا ہے تو کوئی بھی اس کا ساتھ نہیں دیتا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

مشکل ہے ساتھ دے کوئی حال تباہ میں
سایہ بھی چھوڑ جاتا ہے روزِ سیاہ میں

غلام قادر اکیلا ہی گھوڑے پر بھاگ نکلا لیکن بالآخر پکڑا گیا اور مرہٹوں کے سردار سندھیا نے اس پر وہ مظالم ڈھائے کہ انسانیت کا سر شرم سے جھک گیا۔ سندھیا نے حکم دیا کہ غلام قادر کو گلے میں طوق اور پاؤں میں زنجیریں ڈال کر جانوروں کے باڑے میں قید کر دیا جائے اور کھانے میں کھانے کے برابر نمک ملا دیا جائے جب اس سے بھی اس کی انتقام کی آگ نہ بجھی تو ایک دن اس نے نامور سرداروں کو جمع کیا اور ان کے سامنے حجاموں اور لوہاروں کو حکم دیا کہ قینچیوں، استروں اور سنڈاسوں کی مدد سے غلام قادر کے جسم سے گوشت کاٹو اور چھیلو اور گرم گرم داغ بھی لگاتے جاؤ ۔

بعض مؤرخین نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ سندھیا نے پہلے غلام قادر روہیلہ کو ایک گدھے پر الٹا سوار کر کے مختلف دکانوں سے بھیک منگوائی پھر اس کی زبان کٹوائی، اس کے بعد اس کی آنکھیں نکلوائیں پھر ناک، کان، ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر اسے محض لوتھڑا بنا دیا اور اس کے کان، ناک، آنکھیں اور نیچے کا ہونٹ کاٹ کر شاہ عالم کے پاس بطور تحفہ بھیج دیئے۔ شاہ عالم نے اپنے محسن سے بے وفائی کی تھی اور اس کے بیٹے اور پوتے پر ظلم کیا تھا اسے اس کے ظلم کا بدلہ اسی دنیا میں مل گیا، دوسری طرف غلام قادر روہیلہ نے شاہ عالم اور اس کے خاندان والوں پر مظالم ڈھائے تھے اسے بھی اس کے مظالم کا بدلہ اسی دنیا میں مل گیا۔

شاہ عالم نے غلام قادر کو زنانہ کپڑے پہنا کر نچوایا تھا مگر اسے اپنی آنکھوں سے شہزادوں اور شہزادیوں کا ناچ دیکھنا پڑا۔

غلام قادر نے بڑی بیدردی سے بادشاہ کی آنکھیں نکالی تھیں سندھیا نے اس سے زیادہ بیدردی اور سنگدلی کے ساتھ اس کی آنکھیں بھی نکلوادیں اور ناک، کان، ہونٹ اور جسم کا گوشت بھی کٹوادیا۔

میرے بزرگو اور دوستو! یہ تاریخی حقائق و واقعات ہیں، یہ جھوٹی کہانیاں اور بے بنیاد گپیں نہیں ہیں۔ جب کسی نے کسی پر ظلم کیا اور پھر اس نے سچے دل سے توبہ نہ کی اور مظلوم سے معافی نہ مانگی تو وہ خود بھی ظلم کا شکار ہو کر رہا۔

**اللہ والے پر زیادتی کا انجام** دار العلوم دیوبند کے نائب مفتی حضرت مولانا جمیل الرحمٰن صاحب شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے ساتھ پیش آنے والا بڑا عبرت آموز واقعہ سنایا کرتے تھے،

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمان دو جماعتوں میں تقسیم ہو گئے تھے، ایک جماعت کا خیال تھا کہ ہندوستان کو تقسیم ہونا چاہیئے اور

دوسرا گروہ اس تقسیم کے عمل کا مخالف تھا۔

حضرت مدنیؒ ان علماء میں سے تھے جو کانگریس کے حامی تھے اور تقسیم کے خلاف تھے اور ان کی یہ رائے نیک نیتی پر مبنی تھی ان کا خیال تھا کہ ہندوستان کے تقسیم ہونے سے مسلمانوں کی قوت بھی تقسیم ہو جائے گی، کچھ پاکستان میں چلے جائیں گے اور کچھ ہندوستان میں رہ جائیں گے جبکہ اگر وہ متحد رہیں اور احیاءِ اسلامی کی کوششوں میں لگے رہیں تو وہ دوبارہ ہندوستان پر قابض ہو سکتے ہیں جیسا کہ وہ اس سے پہلے ایک ہزار سال تک ہندوستان پر حکومت کرتے رہے ہیں۔

دوسرا ان کا یہ بھی خیال تھا کہ جو لوگ تحریکِ پاکستان کی قیادت کر رہے ہیں ان کی زندگیاں اسلام سے خالی ہیں جب وہ اپنے چھ فٹ کے جسم پر اور اپنے چھوٹے سے گھر میں اسلام نافذ نہیں کر سکتے تو وہ ہزاروں مربع میل پر مشتمل ملک میں کیسے اسلام نافذ کریں گے۔

یہ حضرت مدنیؒ اور ان کے ساتھیوں کی رائے تھی، یہ رائے غلط تھی یا صحیح تھی مجھے اس سے بحث نہیں، میں تو آپ کو وہ عبرت آموز واقعہ سنانے لگا ہوں جو میرے آج کے موضوع سے تعلق رکھتا ہے۔

مفتی جمیل الرحمٰن صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضرت مدنیؒ مشرقی پنجاب کے ایک ریلوے اسٹیشن پر اُترے وہاں کچھ ایسے لوگ جمع ہو گئے جنہیں حضرت سے سیاسی اختلاف تھا، انہوں نے حضرت پر سنگباری شروع کر دی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ ساتھ تھے انہوں نے اپنے شیخ کو آڑ میں لے لیا اور خود اپنے آپ کو پتھروں کی بارش کے سامنے کر دیا حضرت سیوہارویؒ فرماتے تھے کہ پتھر مجھ پر برس رہے تھے، ایک پتھر نازک مقام پر بھی لگا سخت تکلیف ہو رہی تھی مگر میں تہیہ کر چکا تھا کہ جب تک

بدن میں جان موجود ہے حضرت شیخؒ پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔

اس سنگباری کے سلسلے کا ایک واقعہ حضرت شیخ مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے بیان فرمایا کرتے تھے کہ مجھے پاکستان میں ایک مقام پر ایک شخص ملا اور بے اختیار رونے لگا میں نے اس کے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ میں مشرقی پنجاب کا رہنے والا ہوں اور جن لوگوں نے حضرت مدنیؒ پر سنگباری کی تھی ان میں، میں بھی تھا لیکن میں نے صرف سنگباری پر اکتفا نہ کی بلکہ میں جوش میں آکر ننگا ہو کر حضرت شیخ الاسلامؒ کے سامنے ناچنے لگا تھا، کچھ عرصہ بعد جب ہندوستان تقسیم ہوا اور فسادات کا سلسلہ شروع ہوا تو سکھوں نے میرے ساتھ یہ طریقہ اختیار کیا کہ مجھے ایک ستون سے باندھ دیا اور میری بہو بیٹیوں کو مجبور کیا کہ وہ برہنہ ہو کر میرے سامنے اور مجمع کے سامنے ناچیں، اس نے کہا کہ اپنی بہو بیٹیوں کی بے حرمتی اور بے آبروئی دیکھ کر میرے ضمیر نے کہا کہ آج کا یہ برہنہ ناچ اُس برہنہ ناچ کا نتیجہ ہے جو تم نے ایک اللہ والے کی اہانت کی غرض سے کیا تھا۔ وہ شخص تو اُس زیادتی کو، اُس ظلم کو، اس برہنہ ناچ کو بھول چکا ہوگا مگر وہ اللہ تو نہیں بھولتا جس کے بندوں پر ظلم اور زیادتی کی جاتی ہے

**لاش نہیں ملی** اسی طرح کا واقعہ مرحوم شورش کاشمیریؒ نے اپنے ہفت روزہ چٹان میں بھی لکھا تھا کہ ۱۹۴۶ء کے انتخابات کا زمانہ تھا حضرت مدنیؒ پنجاب یا سرحد کے سفر سے واپس جارہے تھے، مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے نوجوانوں نے جالندھر کے اسٹیشن پر اپنے لیڈر شمس الحق کی قیادت میں حضرت مدنیؒ کی توہین کی، انہیں گالیاں دیں اور بُرا بھلا کہا۔ شمس الحق نے لیڈری کے زعم میں حضرت مدنیؒ کی داڑھی پکڑ کر کھینچی بلکہ شاید چہرے پر طمانچہ بھی مارا، حضرت مدنیؒ صبر کی تصویر بنے رہے، آہ تک نہ کی۔ اُن نوجوانوں نے واپس جاکر علامہ اقبالؒ کے جگری دوست

مولانا عظامی کو اپنا یہ کارنامہ سُنایا تو وہ کانپ اُٹھے، جسم پر لرزہ ساطاری ہو گیا کپکپاتی ہوئی آواز میں انہوں نے کہا " اگر یہ واقعہ سچ ہے تو جس نے حضرت مدنیؒ کی داڑھی پر ہاتھ ڈالا ہے اس کی لاش نہیں ملے گی، اسے زمین جگہ نہیں دے گی" چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ یہ نوجوان لائل پور (جسے اب فیصل آباد کہا جاتا ہے) میں قتل وغارت کا شکار ہو گیا آج تک اس کی نعش کا پتہ بھی نہیں چلا، نہ کفن ملا نہ قبر نصیب ہوئی۔ خود لیگ والے بھی کچھ نہ بتا سکے جتنے منہ اتنی باتیں۔ کسی نے کہا اسے اینٹوں کے بھٹے میں زندہ جلا دیا گیا، کسی نے کہا کہ لاش کے ٹکڑے کر کے دریا میں بہا دیئے گئے، کسی نے کہا قیمہ کر کے جانوروں کو کھلا دیا گیا، پولیس نے انعام بھی مقرر کیا، اعلانات بھی ہوئے، مگر اس کی نعش کا پتہ نہ چل سکا۔

**اندر کی آگ۔** ظالم کے ساتھ یہ جو کچھ ہوتا ہے یعنی اسے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ قتل ہو جاتا ہے، وہ درندگی کا شکار ہو جاتا ہے، اس کی آبرو لُٹ جاتی ہے، اس کا گھر تباہ ہو جاتا ہے، وہ دربدر ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے، اس کی نعش بے گور و کفن پڑی رہتی ہے، اسے جنازہ نصیب نہیں ہوتا، وہ اذیت ناک امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے، اسے جیل جانا پڑتا ہے —— یہ سب کچھ باہر کا معاملہ ہے، یہ سب خارجی سزائیں ہیں۔ مگر ایک سزا وہ ہوتی ہے جو باطنی اور مخفی سزا ہوتی ہے جو باہر سے کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ ظالم انسان اندر ہی اندر آگ میں جلنے لگتا ہے جب بیماری اور بڑھاپے میں اسے اپنے مظالم یاد آتے ہیں تو اس کی نیند اُڑ جاتی ہے، بھوک ختم ہو جاتی ہے، سکون چھن جاتا ہے، وہ نفسیاتی مریض بن کر رہ جاتا ہے، بظاہر وہ ٹھیک ٹھاک نظر آتا ہے لیکن اندر سے وہ کھوکھلا ہو چکا ہوتا ہے

**حجاج بن یوسف کا انجام** آپ حجاج بن یوسف کے نام اور شخصیت سے یقیناً ناواقف نہیں ہوں گے۔

اس شخص کو عبدالملک نے مکّہ، مدینہ، طائف اور یمن کا نائب مقرر کیا تھا اور اور اپنے بھائی بشر کی موت کے بعد اسے عراق بھیج دیا جہاں سے وہ کوفہ میں داخل ہوا، ان مقامات میں بیس سال تک حجاج کا عمل دخل قائم رہا، اس نے کوفہ میں بیٹھ کر زبر دست فتوحات کیں، اس کے دور میں اسلامی فتوحات کا دائرہ سندھ اور ہند کے دوسرے علاقوں تک پھیل گیا حتیٰ کہ مسلمان مجاہدین چین تک پہنچ گئے تھے۔ یہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے قرآن کریم پر اعراب لگوائے، اللہ نے اسے بڑی فصاحت وبلاغت اور شجاعت سے نوازا تھا یہ حافظِ قرآن تھا، شراب نوشی اور بدکاری سے بچتا تھا، وہ جہاد کا دھنی اور فتوحات کا حریص تھا۔

مگر اس کی ان ساری خوبیوں پر اس کی ایک برائی نے پردہ ڈال دیا اور وہ برائی ہے بھی ایسی کہ تمام خوبیوں پر چھا جاتی ہے اور تمام اچھے اوصاف کو ڈھانپ دیتی ہے اور وہ برائی کیا تھی؟ ظلم!

حجاج ان تمام خوبیوں کے باوجود بہت بڑا ظالم تھا اس نے اپنی زندگی میں خونخوار درندے کا روپ اختیار کر لیا تھا ایک طرف اس کے دور کے نامور مجاہدین قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر اور محمد بن قاسم کفار کی گردنیں اڑا رہے تھے اور دوسری طرف وہ خود اللہ کے بندوں، اولیا اور علماء کے خون سے ہولی کھیل رہا تھا۔

امام ابن کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" میں ہشام بن حسان سے نقل کیا ہے کہ حجاج نے ایک لاکھ بیس ہزار انسانوں کو قتل کیا ہے، اس کے جیل خانوں میں ایک ایک دن میں اسی اسی ہزار قیدی بیک وقت رہے ہیں جن میں سے تیس ہزار عورتیں ہوتی تھیں۔

اس نے جو آخری قتل کیا ہے وہ عظیم تابعی اور زاھد و پارسا انسان

حضرت سعید بن جبیرؓ کا قتل تھا۔ انہیں قتل کرانے کے بعد حجاج پر وحشت سی سوار ہوگئی تھی، وہ نفسیاتی مریض بن گیا تھا، جب وہ سوتا تھا تو حضرت سعید بن جبیرؓ اس کا دامن پکڑ کر کہتے تھے اے دشمنِ خدا! آخر تو نے مجھے کیوں قتل کیا، میرا جرم کیا تھا؟ - جواب میں حجاج کہتا تھا مجھے اور سعید کو کیا ہو گیا ہے، مجھے اور سعید کو کیا ہو گیا ہے یہ وہ اندر کی آگ تھی جو جب بھڑک اٹھتی ہے تو امن و سکون سب کچھ راکھ کر دیتی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ حجاج کو وہ بیماری لگ گئی تھی جسے زمہریری کہا جاتا ہے سخت سردی کلیجے سے اٹھ کر سارے جسم پر چھا جاتی تھی اور وہ کانپتا جاتا تھا، آگ سے بھری ہوئی انگیٹھیاں اس کے پاس لائی جاتیں اور اس قدر قریب رکھ دی جاتیں کہ اس کی کھال جل جاتی مگر اسے احساس نہیں ہوتا تھا۔ حکیموں کو بلایا تو انہوں نے بتایا کہ پیٹ میں سرطان ہے۔ ایک طبیب نے گوشت کا ٹکڑا لیا اور اسے دھاگے کے ساتھ باندھ کر حجاج کے حلق میں اتار دیا تھوڑی دیر کے بعد دھاگے کو کھینچا تو اس گوشت کے ٹکڑے کے ساتھ بہت سارے کیڑے لپٹے ہوئے تھے، حجاج جب مادی تدبیروں سے مایوس ہو گیا تو اس نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو بلوایا اور ان سے دعا کی درخواست کی وہ آئے اور حجاج کی حالت دیکھ کر رو پڑے اور فرمانے لگے "قد نھیتك ان تتعرض للصالحین" میں نے تجھے منع کیا تھا کہ نیک بندوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہ کرنا، انہیں تنگ نہ کرنا، ان پر ظلم نہ کرنا مگر تو باز نہ آیا۔

آج حجاج باعثِ عبرت بنا ہوا تھا، وہ اندر سے بھی جل رہا تھا اور باہر سے بھی جل رہا تھا۔ وہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ چنانچہ وہ حضرت سعید بن جبیرؓ کو قتل کرنے کے بعد زیادہ دن تک زندہ نہ رہ سکا اور صرف چالیس دن بعد وہ بھی دنیا سے رخصت ہو گیا مگر حضرت سعید اور حجاج کی موت میں بڑا فرق تھا۔

حضرت سعیدؓ کو شہادت کی موت نصیب ہوئی، وہ ایسی آن بان سے دنیا سے رخصت ہوئے کہ بعد میں آنے والے مجاہدین کے لیے ایک سنگ میل قائم کر گئے۔ وہ جب دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کا دل مطمئن تھا اور چہرے پر تبسم تھا۔

لیکن حجاج جب دنیا سے جا رہا تھا تو اندر کی آگ میں جل رہا تھا، چہرے پر ندامت کی ظلمت تھی، اسے اس کا ایک ایک ظلم یاد آ رہا تھا۔

حضرت سعیدؓ کی شہادت پر تمام صلحاء اور علماء افسردہ تھے لیکن حجاج کی موت پر اللہ کے نیک بندوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ نے حجاج کی موت کی خبر سنی تو وہ خوشی سے رو پڑے، مرنے کے بعد اس ڈر سے

اس کی قبر کے تمام نشانات مٹا دیئے گئے تاکہ لوگ اس کی لاش کو باہر نکال کر جلا نہ ڈالیں۔

اللہ اکبر! یہ اندیشے اس شخص کی قبر کے بارے میں ہو رہے تھے جس کے سامنے اس کی زندگی میں لوگ کھڑے ہوتے تھے تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا اور لوگ اس کے ڈر سے دیوانے بن جایا کرتے تھے

**مصنوعی دیوانگی** اصمعی نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ جب حجاج حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل سے فارغ ہو کر مدینہ آیا تو اسے مدینہ سے باہر ایک شیخ ملا چونکہ حجاج کے چہرے پر نقاب تھا اس لیے اس نے حجاج کو نہیں پہچانا حجاج نے اس سے مدینہ کا حال احوال دریافت کیا شیخ نے کہا بہت برا حال ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری قتل کر دیئے گئے ہیں،

حجاج نے پوچھا ان کو کس نے قتل کیا ہے؟ شیخ نے جواب دیا ایک فاجر وفاسق اور لعین شخص نے، جس کا نام حجاج ہے، اللہ اس کو ہلاک کرے اور سب لعنت بھیجنے والے اس پر لعنت بھیجیں

حجاج یہ سن کر غضب آلود ہو گیا اور اس نے اپنے چہرے پر پڑی ہوئی نقاب ہٹا دی اور پوچھا کہ تم مجھے پہچانتے ہو، شیخ نے کہا ہاں میں آپ کو پہچانتا ہوں مگر آپ مجھے نہیں پہچانتے، میں یہاں کا مشہور دیوانہ ہوں مجھے دن میں پانچ مرتبہ مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور ابھی بھی جب میں یہ الٹی سیدھی باتیں کر رہا تھا تو مجھے دورہ پڑا ہوا تھا۔ تو وہ شخص جس سے بات کرتے ہوئے بڑوں بڑوں کے جسم پر رعشہ طاری ہو جاتا تھا اور جس کے عتاب سے بچنے کے لیے لوگ مصنوعی دیوانے بن جاتے تھے آج جب اس کے جسم سے جان نکل گئی تو اندیشے پیدا ہونے لگے کہ کہیں لوگ شدتِ غیظ وغضب میں اس کی لاش ہی کو نہ جلا ڈالیں۔ وہ اقتدار، وہ ہیبت وہ دبدبہ سب کچھ جاتا رہا۔

**آخرت کی آگ** اس کے متعلقین کو اس کی لاش کی بے حرمتی کے بارے میں دنیا والوں سے جو خطرہ تھا انہوں نے اس کی قبر کا نام و نشان مٹا کر بظاہر اسے اس خطرے سے تو بچا لیا لیکن ظالموں کے لیے جو آخرت کے خطرات اور سزائیں ہیں ان سے اسے کون بچا سکتا تھا۔ وہاں تو کسی کا بس نہیں چلتا کسی کی سفارش کام نہیں آتی، خاندانی وجاہت فائدہ نہیں دیتی،

اصمعی کے والد نے حجاج کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیسا سلوک کیا اُس نے جواب دیا کہ میں نے جتنے قتل کیے تھے ان میں سے ہر ایک کے بدلے مجھے بھی قتل کیا گیا۔

اسے صرف حجاج کا معاملہ نہ سمجھئے گا، ہر ظالم کے ساتھ آخرت میں یہی ہوگا۔ رب کریم ورحیم اپنی شانِ عفو سے کام لے کر کسی کو معاف فرمادیں تو الگ بات ہے ورنہ ان کا اصول یہی ہے کہ وہ اپنے حقوق ضائع کرنے والوں کو تو بغیر بدلہ لیے بھی معاف فرمادیتے ہیں مگر جس نے بندوں کے حقوق ضائع کیے ہوں،

بندوں پر ظلم ڈھایا ہو،
ان کے مال اور جائیداد پر غاصبانہ قبضہ کیا ہو،
انہیں بے آبرو کیا ہو،
ان کی غیبت کی ہو،
ان پر تہمت لگائی ہو،
انہیں ناحق ستایا ہو،
ان کا خون بہایا ہو،

اسے بغیر بدلہ لیے ہوئے معاف نہیں فرماتے اسی لیے کتاب وسنت میں ظلم کی بے انتہا شناعت بیان کی گئی ہے تاکہ بندے اپنے دامن کو ہر قسم کے

ظلم سے اور ہر سطح کے ظلم سے بچائیں اور اللہ تعالےٰ کے عتاب اور عذاب کا نشانہ نہ بنیں۔

**ظالم اللہ کی نظر میں** سورۃ الشعراء میں ہے :

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ○ — اور ظالم عنقریب معلوم کرلیں گے کہ وہ کس کروٹ پر لوٹائے جاتے ہیں

ظلم کرنے والوں کو ان کے ظلم کا انجام عنقریب معلوم ہوجائے گا اس میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ یہ الگ بات ہے کہ انسان اپنے ظلم کے انجام کو اور آنے والے بُرے وقت کو بھول جاتا ہے وہ اپنی دولت کو غیر فانی اور اپنے اقتدار کو لازوال تصور کرنے لگتا ہے حالانکہ یہ سب چیزیں بے وفا ہیں۔

ظالم پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار برستی ہے وہ اللہ کی رحمت سے بہت دور ہوجاتا ہے اور جس پر اللہ کی لعنت برسے اسے کوئی حیلہ، کوئی تدبیر اور کوئی عہدہ ومنصب فائدہ نہیں دے سکتا۔

سورۃ الاعراف میں ہے :

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ — ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے ،

سورۃ المؤمنون میں ہے :

فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ — سو ظالموں کے لیے (اللہ کی رحمت سے) دوری ہے

سورۃ البقرہ میں ہے :

لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ — میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔

ظالم پر جب بُرا وقت آئے گا تو اس کا کوئی مددگار نہیں ہوگا سب ساتھ چھوڑ جائیں گے۔ دنیا میں بھی یہی کچھ ہوتا ہے اور آخرت میں بھی یہی کچھ ہوگا، اللہ کا فرمان بالکل برحق ہے :

وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ اور ظالموں کا نہ کوئی یار ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔

اول تو ظالم کو دنیا ہی میں اس کے ظلم کا بدلہ مل کر رہتا ہے لیکن اگر بالفرض وہ دنیا میں کسی طرح بچ گیا تو آخرت کے عذاب سے تو اسے کوئی نہ بچا سکے گا، وہ روئے گا، چلائے گا، فریاد کرے گا، معافی مانگے گا لیکن کوئی چیز اسے فائدہ نہیں دے گی،

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ جس دن نافرمانوں کو اُن کی معذرت فائدہ نہیں دے گی اور ان پر لعنت ہوگی اور ان کے لیے برا گھر ہوگا۔

ظالموں کے انجام اور عذاب وعتاب کے متعلق محض چند آیات ہیں نے آپ کو سنائی ہیں، تفصیل کا موقع نہیں بس اتنی گذارش کروں گا کہ قرآن کریم میں کافروں اور مشرکوں کے لیے بھی ظالم کا لفظ استعمال ہوا ہے اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ قرآن میں شرک کو ظلم عظیم قرار دیا گیا ہے۔

**ظالم رسول اللہؐ کی نظر میں** آئیے اب آپ کو ظالم کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث بھی سنا دوں:

ترمذی میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ اور سخت عذاب ظالم بادشاہ کو دیا جائے گا۔

حاکم نے حضرت طلحہؓ بن عبداللہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظالم امیر کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

طبرانی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں تین شخصوں کو سب سے زیادہ عذاب ہوگا ایک وہ جس نے کسی نبی

کو قتل کیا دوسرے وہ جو کسی نبی کے ہاتھ سے قتل ہوا اور تیسرا ظالم امام۔

نسائی میں حضرت حذیفہ رضؓ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار شخصوں کا اللہ دشمن ہے: بلا ضرورت قسمیں کھا کر مال بیچنے والا، متکبر فقیر بوڑھا زانی اور ظالم بادشاہ۔

اصبہانی نے حضرت ابوہریرہ رضؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ گھڑی بھر ظلم کرنا ساٹھ سال کے گناہوں سے بدتر ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرمودات کو سامنے رکھیے اور اپنی زندگی کا جائزہ لیجئے کہیں ہم زندگی کے کسی بھی دائرے میں ظلم کا ارتکاب تو نہیں کر رہے۔

اللہ کے حقوق میں ظلم،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں ظلم،

بیوی بچوں کے حقوق میں ظلم،

پڑوسیوں، عزیزوں اور رشتہ داروں کے حقوق میں ظلم،

مزدوروں، خادموں اور نوکروں کے حقوق میں ظلم،

شاگردوں اور ماتحتوں کے حقوق میں ظلم،

بالخصوص ہمارے ماتحت جو افراد ہیں ان کے حقوق کے بارے میں ضرور گہری نظر سے سوچیں کہ کہیں کوئی زیادتی تو نہیں ہو رہی،

اگر آپ استاد ہیں تو سوچیں،

شوہر ہیں تو سوچیں،

مالک ہیں تو سوچیں،

کیونکہ اکثر لوگوں کو اپنے ماتحتوں کے حقوق میں گڑبڑ کرتے ہوئے پایا گیا ہے۔

اصل میں بعض کم ظرف اور کم عقل لوگوں کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ ماتحتوں کے کوئی

حقوق ہی نہیں ہیں اور چونکہ وہ کمزور ہونے کی وجہ سے مطالبہ نہیں کر سکتے اس لئے ان کے حقوق ہڑپ کر لیے جاتے ہیں۔ لیکن یاد رکھیے کہ جو خود اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا بدلہ نہیں لے سکتا اس کا انتقام اللہ تعالیٰ خود لے لے گا۔ بعض اوقات وہ دنیا ہی میں بدلہ لے لیتا ہے اور بعض اوقات وہ دنیا میں ڈھیل دے دیتا ہے مگر آخرت تو ہے ہی اسی مقصد کے لیے۔

**بد دعا سے ڈریئے** مظلوم کی بد دعا سے ڈریئے کیونکہ اس کی بد دعا کے درمیان اور قبولیت کے درمیان کوئی حجاب نہیں، کوئی رکاوٹ نہیں۔ جب وہ بے بسی اور بے کسی کے ساتھ ٹھنڈی آہ بھرتا ہے یا جب اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکتے ہیں یا وہ بے چارگی میں آسمان کی طرف دیکھتا ہے تو اس کی خاموش دعا کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مظلوم کی بد دعا جو ظالم کے حق میں ہو بادلوں کے اوپر اٹھالی جاتی ہے آسمانوں کے دروازے اس کے لیے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالی فرماتا ہے میں تیری امداد ضرور کروں گا اگرچہ کچھ وقفہ سے ہو۔

حاکم نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت نقل کی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مظلوم کی بد دعا سے بچو یہ بد دعا شعلے کی طرح آسمان پر چڑھ جاتی ہے اگر ہم غلطی سے کسی پر ظلم کر چکے ہیں، کسی کا حق کھا چکے ہیں، کسی کا دل دکھا چکے ہیں کسی کو ناحق ستا چکے ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ آج ہم اس سے معاف کروالیں، ورنہ کل قیامت کے دن اس کی تلافی نہیں ہو سکے گی

بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی کا کسی پر کوئی حق ہو، کسی نے کسی پر ظلم کیا ہو یا کسی کی آبروریزی

کی ہو تو اس کو دنیا ہی میں معاف کرالو، قیامت میں روپیہ پیسے بدلے میں نہیں لیا جائے گا۔

بخاری ہی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظالم کی نیکیاں مظلوم کو اور مظلوم کے گناہ ظالم کو دلوائے جائیں گے۔

ہمارے پاس تو نیکیوں کی پہلے ہی کمی ہے، ہماری نمازیں ناقص،
ہمارے روزے ناقص،
ہمارا صدقہ و خیرات ناقص،
ہمارے حج اور عمرے ناقص،

ان ناقص عبادات کے صلہ میں جو تھوڑی بہت نیکیاں ہمیں ملتی ہیں اگر وہ بھی قیامت کے دن چھین لی گئیں تو ہم کہاں جائیں گے، ہمارا ٹھکانہ کہاں ہوگا، ہم کس کا سہارا لیں گے، ہم کس سے نصرت کی امید رکھیں گے۔

للہ اس نکتہ پر غور کیجیے گا اور بار بار غور کیجیے گا۔

ربِ کریم ہم سب کو ہر قسم کے ظلم سے بچنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

# اطلاعِ عام

آج سے تقریباً بارہ سال قبل جب بندہ نے ندائے منبر جلد اول لکھی تھی اس کے آخر میں "تسھیل الھدایۃ" کا اشتہار دیا تھا، اس کتاب کا کچھ حصہ لکھ بھی لیا گیا تھا مگر بعد میں بعض وجوہ کی بناء پر اس کی تالیف کا ارادہ ملتوی کر دیا گیا اور احباب کو اس کی اطلاع بھی دے دی گئی تھی، مگر چونکہ جلد اول کے حقوق دوسرے صاحب کے پاس ہیں اور وہ "تسھیل الھدایۃ" کا اشتہار مسلسل دیئے جا رہے ہیں اس لیے کئی دوست اس کی اشاعت کے بارے میں سوال کرتے رہتے ہیں، اب اس اشتہار کے ذریعے انہیں مطلع کیا جا رہا ہے کہ وہ اس اشتہار کو قصہ پارینہ اور فسخ شدہ ارادہ سمجھ لیں اور اب "تسھیل الھدایۃ" کے بجائے "تسھیل البیان" کو غنیمت جانیں۔

محتاجِ دعا

**محمد اسلم شیخوپوری**